بانہال

گیٹ وے آف کشمیر

(Gateway of Kashmir)

منشور بانہالی

بانہال

گیٹ وے آف کشمیر

(Gate way of Kashmir)

منشور بانہالی

تاریخ بانہال

(ثقافت وادب)

اور

(ریاست جموں وکشمیر میں یہاں کے سیاحتی امکانات)

منشور بانہالی

نام کتاب	بانہال گیٹ وے آف کشمیر (تاریخ بانہال)
مصنف	منشور بانہالی
باراول	۲۰۱۵ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت:	۶۵۰ روپے
کمپوزنگ:	سید محمد شفیع 9797101561
طباعت:	کاف پرنٹرس سرینگر کشمیر

کتاب ملنے کا پتہ

۱۔ کتاب گھر مولانا آزاد روڈ سرینگر

۲۔ کاشر ادبی مرکز بانہال

اِنتساب

۱۔ اپنے مشفقین ومرحومین والدین کے نام جو ساری عمر نیک خصائل اور عمل صالحہ کا نمونہ رہے اور جن کی دُعاؤں اور تربیت کے طفیل احقر کو قلم تھامنے کا سلیقہ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس عطا کرے۔

ا۔ ع آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ آمین

۲۔ نئی پود کے نام جو ضمانت ہیں آنے والے درخشاں کل کی۔

منشور بانہالی

You Sweep in the stars, but donot forget the land, whereupon your feet stand.(Dr.Radhakrishnan)

تم چاہے کہکشاں کی بلندیوں تک پہنچ جاؤ لیکن
اُس سرزمین کو فراموش نہ کرو، جہاں سے تم پروان
چڑھے ہو۔ (سروپلی، ڈاکٹر رادھا کرشنن)

☆

فہرست

☆



۲۶ رجون ۲۰۱۳ء بانہال ریلوے ٹنل کی رسم افتتاح وزیر اعظم ہند شری من موہن سنگھ اور یو پی اے چیئرمین مسز سونیا گاندھی کے ہاتھوں۔ ساتھ میں گورنر شری این این ووہرا، وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ اور غلام نبی آزاد مرکزی وزیر صحت۔



برف پوش پیر پنجال



وادی کشمیر سے پیر پنجال پہاڑ کے بیچ میں سے بانہال پہنچنے والی پہلی ریل گاڑی۔ ۲۸ دسمبر ۲۰۱۲ء



بانہال سے پیر پنجال پہاڑ کے بیچ میں سے وادی کشمیر کی طرف جانے والی پہلی ریل گاڑی ۲۸ دسمبر ۲۰۱۲ء



جسٹس شری ٹی۔ ایس ٹھاکر آنریبل چیف جسٹس سپریم کورٹ آف انڈیا

جسٹس شری ٹی۔ ایس ٹھاکر بانہال کے ایک دور افتادہ علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ۳ دسمبر ۲۰۱۵ء میں ہندوستانی عدلیہ کے اعلیٰ ترین منصب پر تینتالیسویں چیف جسٹس آنریبل سپریم کورٹ کے طور پر فائز ہوئے۔ ہندوستان کے راشٹرپتی شری پرنب کمار مکرجی نے آپ کو عہدے کا حلف دلایا۔ اس موقعہ پر ملک کے وزیر اعظم شری نریندر مودی، آپ کے وزراء کابینہ، اراکین پارلیمان، برسراقتدار اور حزب مخالف کے سیاسی قائدین ڈاکٹر کرن سنگھ، ڈاکٹر فاروق عبداللہ، شری غلام نبی آزاد، دہلی کے گورنر شری نجیب جنگ اور وزیر اعلیٰ شری کیجریوال، آنریبل سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس صاحبان اور جج صاحبان، دیگر کئی ہائیکورٹوں کے جج صاحبان اور اٹارنی جنرل آف انڈیا کے علاوہ کئی دیگر شخصیات موجود تھیں۔ ریاست کے وزیر اعلیٰ جناب مفتی محمد سعید بھی اس موقعہ پر موجود تھے، جنہوں نے آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کر کے آپ کی تقرری کو ریاست کیلئے خاص طور سے باعث فخر قرار دیا۔ اکابرین، دانشوران اور صحافیوں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ اس موقعہ پر آپ کی والدہ آپ کے چھوٹے بھائی جسٹس دھیرج سنگھ جج ہائیکورٹ کے علاوہ آپ کے دیگر اہل خانہ رشتہ دار اور اپنے علاقے کے کئی معززین بھی موجود تھے۔

پیش کلام

زیرِ نظر کتاب ریاست جموں و کشمیر کے ایک چھوٹے سے علاقے کو اپنا موضوع جتلاتی ہے۔ لیکن قاری جب "بانہال گیٹ وے (صدر دروازہ) آف کشمیر" کے ورق اُلٹنے پلٹنے کا بیڑا اُٹھائیگا تو وہ اپنے آپ کو کشمیر کی قدیم اور عظیم تواریخ کے ساتھ اسکی جغرافیہ اور تذکرہ مشاہیر کے ایک ایسے منظر میں خراماں چلنے کا سرور حاصل کریگا۔ جس میں اِن تمام اصناف کی شیرینیاں حیرت انگیزیاں اور طرح طرح کی چاشنیاں شامل ہیں۔ یہ صرف اپنی زاد بوم سے لگاؤ کا ہی کرشمہ نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کی شہادت بھی ہے کہ مصنف کا مطالعہ کس قدر وسیع اور اس کی دلچسپیاں کتنی رنگ آمیز ہیں۔ میں نے بچپن میں چاول کے دانے پر کسی بڑی نظم کی تحریر کی نیرنگیاں دیکھی ہیں۔ لیکن زیرِ نظر کتاب صرف ذوقِ تماشا کا کوئی اظہار نہیں ہے بلکہ اپنے متن، معنی اور مزاج کے لحاظ سے مرزا غالبؔ کے اس شعر کی عکاس ہے۔ ؎

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

منشور بانہالی کشمیری ادب میں اپنا امتیازی مقام بنا چکے ہیں اور اُن کی کئی کتابیں مثلاً "پیر پنچال کے اگلی طرف کا کشمیری ادب" "کشمیری زبان کی

جغرافیائی اور معنیاتی سرحدوں کی توسیع کے سلسلے میں ٹکسالی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ جب وہ کسی موضوع پر داد سخن دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں تو بصارت بصیرت اور بیان کے تمام آئینوں کو استعمال کرتے ہیں اور اسی لئے بہت سے ادیب اور شاعر اس بات کی آرزو کرتے رہتے ہیں کہ اُن کے قلم کی تیز بین صلاحیت کب اُن کی جانب مائل ہو جائے۔

بانہال سرینگر جموں شاہراہ کا ایک چھوٹا سا پڑاو ہے۔ لیکن اس زمینی قطعے میں نہ معلوم کیا روشنی چھپی ہے کہ یہاں سے گذشتہ ایک صدی کے دوران مولانا احمد بانہالی، عبدالرحیم اعما، صمد جو بانہالی، پروفیسر مرغوب بانہالی، ٹھاکر دیوی داس، میر اسداللہ، طاؤس بانہالی، محمد ایوب خان اور اس کے علاوہ وادی چناب سے تعلق رکھنے والے ایسے ہی کتنے دوسرے مشاہیر نے جنم لیا ہے جنہوں نے جموں و کشمیر کی فضا کو ہی روشن نہیں کیا ہے بلکہ سرحد پار کے علاقوں میں بھی اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔ راقم الحروف کو مرحوم طاؤس بانہالی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اور یہ وہی موصوف ہیں جنہوں نے لل عارفہ اور علمدار کشمیرؒ کے کلام کا پہلا مُستند اور منظوم ترجمہ کر کے اُردو دُنیا کو اُن کی آن بان کا قائل کر دیا۔ یاد رہے کہ ان تراجم کو پڑوسی ملک پاکستان، جہاں طاؤس صاحب محوِ خوابِ ابد ہیں، کی ثقافتی وزارت کے اہتمام سے شایع کیا گیا تھا۔ طاؤس اس کے علاوہ ایک اچھے شاعر مقالہ نویس، صحافی اور براڈکاسٹر بھی تھے۔ ہمارے ہم عصر پروفیسر مرغوب بانہالی کشمیر کی تاریخیات، لسانیات، دینیات اور وقایع نویسی کے چوٹی کے مشاہیر میں نمایاں ہیں اور کشمیریات اُن کی عطا اور رعنایت سے مالا مال

ہے۔ ٹھاکر دیوی داس ریاست کے ایک سرکردہ حکمران ہی نہیں بلکہ درجہ اول کے ماہر آئین وقانون رہے ہیں۔ کشمیری زبان کے حافظ شیرازی رسول میر شاہ آبادی کی قدر سنجی اور عزت افزائی کا مامن بھی بانہال کے ایک مشہور ذیلدار کا گھر ہی تھا اور شاید اُن کی محبوب بھی پوگل پرستان کے خیابانوں میں اپنی پازیب چھنکاتی تھی۔ خود اُن کی اولاد کا آخری سراغ بھی اسی کے قرب وجوار میں ملتا ہے۔

بانہال کا کشمیر کی قدیم تاریخ میں کیا حصہ رہا ہے۔ اس پر منشور صاحب نے سیر حاصل بات کی ہے۔ لیکن جدید کشمیر میں اس کی اصلیت درہ بانہال کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ جو پیر پنچال کی فصیل کا سب سے کم بلند مقام ہے۔ اسی لئے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اسکو اُس سڑک کیلئے چُنا۔ جو دلی کی انگریز حکومت کی اجازت یا شاید اُس کی اطلاع کے بغیر تعمیر کی گئی جس پر وہ مہاراجہ سے خفا بھی ہوئے لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ یہ شہہ رگ کشمیر کو جموں سے جوڑنے کے لئے کس قدر لازمی تھی۔ اس کو پہلے پہلے یعنی ۱۹۲۱ء تک مہاراجہ کی ذاتی جائیداد سمجھا جاتا تھا اور اس پر درہ بانہال کے کوہ میں ۹۲۰۰ فٹ کی بلندی پر سُرنگ بنائی گئی تھی۔ اس سے پہلے بانہال وادی کشمیر کے شاہ آباد پرگنے کا ایک حصہ تھا اور ابوالفضل نے آئین اکبری، میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن مورخ حسن کے مطابق گلاب سنگھ نے اسے کشمیر سے الگ کرکے جموں صوبے کی وزارت اودھمپور کے ساتھ ملادیا۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۴۹ء میں ڈوڈہ کا الگ ضلع قایم کرکے بانہال کو اُس کا حصہ بنادیا۔ جو اُس وقت لداخ کے بعد ریاست کا سب سے بڑا ضلع تھا۔ یہ ریاست کے قلب میں ہے اور اسی لئے ریاست کو

جوڑنے کا محمل بنتا ہے۔ اس ضلع کی شان چناب کا زبردست دریا ہے۔ جس کی نسبت سے اُس کی شناخت وادی چناب کی حیثیت سے بھی کی جاتی ہے۔ یہ ریاست کا سب سے بڑا دریا ہونے کے علاوہ اس کی روشنی کا ہزاروں میگاواٹ کا روشن لال ٹین بھی سجاتا ہے۔ جس کے کنارے پر ساولاکوٹ جیسے بڑے بجلی پروجیکٹ صرف ریاست کو ہی نہیں بلکہ اُس کے پار بھی چراغاں کرتے ہیں۔ ڈوڈہ ضلع میں ریاست کی سب چھوٹی بڑی زبانوں کا جرگہ بھی موجود ہے۔ اُردو، کشمیری، ڈوگری، گوجری، پہاڑی، پوگلی، سراجی، بھلیسی وغیرہ وغیرہ۔

منشور صاحب نے اس کتاب میں ایک دلچسپ بات کی تصدیق کی ہے کہ تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی مہاراجہ ہری سنگھ (۱۹۲۶-۱۹۴۹ء) نے فرمان جاری کیا کہ میری ریاست میں اب برطانوی یونین جیک نہیں لہرایا جاسکتا ہے اور نہ پشتینی باشندگانِ ریاست کے علاوہ کوئی یہاں زمین خرید سکتا ہے۔ اس فرمان کی ایک شق اس وقت بھی آدھی ادھوری حالت میں موجود ہے اور دوسری کو بھی (Dilute) کردیا گیا ہے یہ دونوں باتیں زبان حال سے بتلاتی ہیں کہ دفعہ ۳۷۰ کا اصل مولف کون تھا اور اُس کو اکھاڑنے کی ذمہ داری کس کی ہے۔ کتاب میں اس کے علاوہ بھی نشاط مطالعہ کے بہت منظر کھلتے ہیں۔ اُٹھائیے اپنا شیشہ اور کیجئے بسم اللہ۔

محمد یوسف ٹینگ

یوسف سرائے راولپورہ سرینگر

۱۱؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء

خوش آمدید

بانہال کا علاقہ ایک گنجان آبادی والا قابل کاشت علاقہ ہے جو پیر پنچال پہاڑی سلسلہ میں نوشہرہ اور کشتواڑ کے علاقہ جات کی مانند ہے۔ یہ وادی مہو، پوگل اور نیل کے علاقہ جات پر مشتمل ہے جو بلند و بالا پہاڑوں سے گھیرا پڑا ہے۔ مغلیہ دورِ حکومت میں شہنشاہ اکبر کے زمانے میں بانہال ایک پرگنے کی حیثیت سے وادی کشمیر کے ساتھ منسلک تھا۔ لباس، شباہت اور زبان کے لحاظ سے یہاں کے لوگ پوری طرح سے کشمیریوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔

بانہال کے بارے میں ہمیں کوئی تاریخی مواد دستیاب نہیں ہے۔ سوائے ایک مختصر سے مضمون کے جو پی۔ سی۔ ڈی۔ ہزارہ (P.C.D Hazara) اور کے۔ این۔ پرساد (K.N Prasad) نے تحریر کیا ہے جو رائیل سوسائٹی آف انڈیا کی جانب سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

زیرِ نظر تاریخ کی یہ کتاب جو ریاست کے ایک فاضل اسکالر جناب منشور بانہالی نے مرتب کی ہے بانہال کی تاریخ ادب وثقافت اور یہاں کے سیاحتی امکانات کے حوالے سے سیر طبع معلومات فراہم کرتی ہے، بالخصوص آپ نے اسے ایک ادیبانہ انداز میں تحریر کیا ہے جو دلپذیر ہے۔ آپ نے اس مسودے کو

گیٹ وے آف کشمیر کے نام سے معنون کیا ہے جو بہت ہی موزون ہے۔

میری خواہش ہے کہ مصنف موصوف اس تاریخی گلدستے کو انگریزی زبان میں بھی منتقل کرے تا کہ یہ قارئین کے ایک وسیع حلقے تک پہنچ پائے۔ ہندوستان میں چونکہ سرکاری زبان ہندی ہے اور اُردو زبان کا کم ہی چلن ہے جبکہ انگریزی زبان میں ہم عالمی سطح تک کے قارئین تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ میں مصنف موصوف کی اس محنت و کاوش کو بہت ہی خوش آمدید کہتا ہوں۔

پروفیسر فدا محمد حسنین
۲۲ روشنگیر ولا، عمرا اینکلیو، پرے پورہ باغات
سرینگر کشمیر

☆

عرضِ مُرتّب

تاریخ قوموں کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے، جو ہمیں اپنے عہد رفتہ میں جھانکنے اور اپنے اسلاف کی روایات کو جاننے کے علاوہ ہمیں اپنی تہذیب اور ثقافت سے روشناس کراتی ہے اور ہمیں اپنی ارضیت کے ساتھ جوڑتی ہے۔ ہر ذی شعور قوم کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ اُسے اپنے تاریخی اور تہذیبی سرمایہ اور ہست وبود کے بارے میں واقفیت بہم ہو۔ رفتار زمانہ کے ساتھ حالات وواقعات اور لوگوں کے خیالات ورجحانات میں تبدیلی آجاتی ہے اور جب ایک نسل کے لوگ ایک دور سے دوسرے دور میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں مختلف، سماجی سیاسی اور اقتصادی تبدیلیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاریخ کے اسی سرمایہ اور پس منظر کو سمیٹتے ہوئے ہر نئی پود اپنے ماضی کے اچھے اقدار اور روایات کولیکر اپنے مستقبل کی راہوں کو استوار کرتی ہے۔ کیونکہ ماضی ہی وہ جڑ ہے جس پر مستقبل کا شجر شگوفہ بار ہوتا ہے۔ تاریخ کی تسوید کا یہ سلسلہ ایک بتدریج عمل ہے جس کو حتمی نہیں کہا جاسکتا بلکہ نئی نئی دریافتوں اور وسعت مطالعہ سے اس سرمایہ معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ البتہ تاریخی حقایق کو ایک منصبی ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کرنا ایک محققانہ عالی ظرفی کا تقاضہ کرتا ہے اور ان حقائق کو معتبر حوالوں

کے ساتھ بلاکم وکاست نئی پود تک پہنچانا بھی ایک اہم فریضہ اور ذمہ داری کے مترادف ہے۔

بانہال کا علاقہ اگرچہ کسی خاص سیاسی مرکز کے طور پر زیادہ معروف نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ علاقہ قدیم ایام سے کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بانہال ریاست جموں وکشمیر کے تقریباً وسط میں واقع ہے جہاں پر اس ریاست کے دونوں انتظامی صوبے ایکدوسرے کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ علاقہ قدیم ایام سے ہی وادی کشمیر میں داخل ہونے کے لئے نسبتاً سب سے آسان سفر راہ رہا ہے۔ قومی شاہراہ جسے ملک کی اقتصادی، معاشی اور دفاعی زندگی میں ایک شہ رگ (Life line) کی حیثیت حاصل ہے اس علاقہ کے بیچوں بیچ اور پیر پنچال پہاڑ کو چیرتی ہوئی کشمیر کی فردوس نظر وادی میں پہنچ جاتی ہے، جس کے سبب اس علاقے کو پورے ملک میں کشمیر کے صدر دروازے یا گیٹ وے آف کشمیر (Gate way of kashmir) کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ حصول آزادی کے بعد اس کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا کیونکہ یہ واحد راستہ ہے جو وادی کشمیر کو پنجاب اور ملک کی دوسری شمالی ریاستوں سے ملاتا ہے اور جس پر سے وادی کیلئے اشیائے رسد، سیاحوں کی آمد، زمینی ٹرانسپورٹ، فوجی نقل وحمل اور دربار موو وغیرہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ حال ہی میں پیر پنچال پہاڑ کے بیچ میں سے بانہال کے مقام پر ریلوے لائین اور فوروے (Four way) قومی شاہراہ کی تعمیر اور اس میں ملک کی دو بڑی سرنگوں کی تعمیر سے یہ علاقہ اور بھی رسل ورسائل کے نقشے پر زیادہ وضاحت کے

ساتھ آ گیا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس علاقہ میں مشترکہ تہذیب و کلچر اور زبان و ادب کا ایک گرانقدر سرمایہ پنپتا رہا ہے جو کسی بھی طرح سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے اور ریاست کی ادبی اور ثقافتی تاریخ کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اس کے علاوہ ریاست کی سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں بھی اس علاقے کا حسب مقدور اپنا ایک نمایاں کردار رہا ہے۔ جس کو ریاست کی سیاسی تاریخ میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ قارئین کے افادہ کیلئے تاریخی ادوار کے تسلسل اور کچھ اہم واقعات کے مد و جزر کا بھی ایک اختصاری حوالہ دیا گیا ہے جو اگرچہ ایک مکمل تاریخ کا متبادل نہیں ہوسکتا لیکن اس سے اس علاقے کی پیوستگی ریاست کے دیگر تہذیبی مراکز سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ علاقہ کچھ مدت تک کشمیر کے ایک پرگنہ کے طور پر بھی رہا ہے اور بعدازاں قلمرو کشتواڑ کے ساتھ بھی۔

بانہال کے قرب و جوار اور بالائی حصوں میں ایسے جاذب نظر اور صحت افزا مقامات موجود ہیں جو وادی کشمیر کے پہلگام' گلمرگ' اچھ بل اور لولاب جیسے مقامات سے کسی قدر کم نہیں ہیں لیکن رسل و رسائل کے وسائل کی عدم دستیابی کے سبب یہ مقامات تاہنوز سیاحوں کی نظروں سے اوجھل ہیں اور اگر ان مقامات تک رسائی (Connectivity) کے اسباب میسر ہوں تو یہ ریاست میں سیاحت کے فروغ اور سرمائی کھیلوں کے اہتمام میں کافی کارآمد اور فائدہ بخش ہوسکتے ہیں نیز یہاں کی اقتصادی خوشحالی کا بھی موجب بن سکتے ہیں۔ معروف مورخ ڈاکٹر صابر آفاقی کا یہ کہنا کتنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ "وادی کشمیر ایک نگینہ زمرد ہے اور اس کے اطراف میں واقع علاقہ جات کشتواڑ' راجوری اور پونچھ وغیرہ اس

نگینے کا حلقہ زمرد ہیں۔ کشمیر وادی اگر پھول ہے تو اطراف کے پہاڑی علاقے اس پھول کی پنکھڑیاں ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ ہمارے ملکی اور غیر ملکی مورخین وادی کشمیر کی تاریخ و ثقافت پر قلم اٹھاتے وقت ان پنکھڑیوں کو نظرانداز کرتے رہے ہیں' حالانکہ وادی کی ہر سیاسی' مذہبی اور ثقافتی تبدیلی ارد گرد کے علاقوں پر بھی برابر اثرانداز ہوتی رہی[1]"۔

بانہال کے بارے میں ہمارے ہاں یہاں زیادہ معلومات بہم نہیں ہیں' صرف کچھ ضمنی اشارے اور کچھ سیاحوں کے سفرناموں کے کم و بیش تذکرات ہیں جو منتشر صورت میں ہیں اور جن تک عام قاری کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہماری نئی نسل کی خواندہ پود کو اپنے علاقے کے تاریخی کوائف جاننے کے بارے میں اکثر و بیشتر تجسس و اشتیاق رہتا ہے' خاصکر ایسے مواقعہ پر جب انہیں اکثر و بیشتر اپنے زادبوم کے حوالے سے تعارف کرانے کیلئے استفسار کیا جاتا ہے۔ راقم الحروف کو اس ذمہ داری کا احساس ایک بوجھ اور قرض کے طور پر ذہن پر سوار ہوتا رہا' جس کے نتیجے میں یہاں کی ایک مختصر اور معروضی تاریخ مرتب کرنے کی سعی کی گئی ہے جو یہاں کے مزید تاریخی حقائق تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ایک ابتدائی زینہ کے طور پر کارآمد ثابت ہونے کی توقع ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین حضرات اس حقیر کاوش کو اپنی دلچسپی کے مواقف پائیں گے۔

منشور بانہالی

۱۔ نگینہ کشمیر۔ ڈاکٹر صابر آفاقی

حرفِ تمکین

خوشا ! این مرزوبوم بانہالے
کہ ایں وادیست گہوارے مثالے
کوہانش چار سُو اند ایستادے
قطار اندر قطار اند خوش نہادے
بپوشند از برف گویا عمامے
دہند دیدہ وراں را نے سلامے
سرائیند نغمۂ مُرغ خوش الحاناں
کنند شاداں دل افسردہ حالاں
بسے اند مردمانش خوش خصالے
کہ مے دارند مُروّت با کمالے
جفاکش، خوش خلق، مہماں نوازے
امیری ہم بہ غُربت امتزاجے
بہ محنت روزہائے خود گزارند
بسے آسائش وعشرت نہ دارند

دریں وادی زمستانے چُو آید
زہر طرفش ہوائے تُند رقصد
منم پروردۂ در تُند بادے
بہ صحرائش روم مثل صیادے
ایام رفتہ آں ناساز گارے
نہ بود ایں شاہراہِ استوارے
مگر ایں وادیٔ وہم درۂ ایں جا
سلامت داد راہے رہرواں را
اگر کشمیر جنت برزمین است
بہ آں جنت رفتن راہ ہمیں است
بدیں توجیہہ شہرت گیر است ایں
صدر دروازۂ کشمیر است ایں
کنم مشہور یارب ! انجام
بکن آباد ایں جائے پناہم

بانہال ۔ محل وقوع اور ارضی خدوخال

بانہال کا علاقہ جسے کشمیر کے صدر دروازہ یا گیٹ وے آف کشمیر Gate way of kashmir کے نام سے بھی شہرت حاصل ہے، صوبہ جموں کے شمال کی سمت آخری پڑاو پر، قومی شاہرہ National highway کے دونوں اطراف پر واقع ہے جس کے بعد کشمیر کی جنت نظیر وادی کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس علاقہ کو قدیم ایام سے رسل ورسائل کے اعتبار سے ریاست جموں وکشمیر میں بالخصوص غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے باقی مقامات کشتواڑ۔ بھدرواہ اور ڈوڈہ وغیرہ سے زیادہ فوقیت حاصل رہی ہے۔ وادی بانہال قصبہ بانہال سے لیکر نوگام تک پیر پنچال پہاڑیوں کی آغوش میں کشتی کی مانند (Boat-like) ایک خوبصورت سی وادی ہے، جس کے تین اطراف میں پیر پنچال پہاڑی سلسلوں کی فصیل سی موجود ہے، جن کے دامن اور قرب وجوار میں یہاں کی آبادی مسکن پذیر ہے۔ پہاڑوں کی یہ قطاریں دریا کی لہروں کی مانند ایک دوسرے کے پیچھے ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ طولاً وعرضاً اس کی حدیں پائی بال سے لیکر جواہر ٹنل کے اوپر تک اور شرقاً وغرباً پرستان اور نیل سے مُہو اور گلاب گڑھ تک ہیں جن کے اطراف میں پہاڑ ہیں جن کے دائیں بائیں اور آغوش میں یہاں کی



میر اسداللہ



محمد ایوب خان



جسٹس شری ڈی ڈی ٹھاکر



مولوی عبدالرشید

آبادی کا ایک بڑا حصہ موجود ہے۔ جنوب مشرق کی جانب سے قومی شاہراہ ایک رینگتے ہوئے سانپ کی مانند تنگ پہاڑوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی یہاں پہنچ جاتی ہے اور پھر یہاں سے وادی کشمیر میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ سڑک ریاست کی اقتصادی زندگی اور یہاں کے رسل ورسایل میں ایک شہ رگ (Life Line) کی حیثیت رکھتی ہے۔

قصبہ بانہال اس علاقے کا مرکز ہے جسے ''دیوگول'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے

قصبہ بانہال کا رقبہ ۴.۵۷ مربع کلومیٹر ہے۔ جو سطح سمندر سے ۳۳.۲۷ طول بلد اور ۷۵.۱۶ عرض بلد میں سطح سمندر سے ۵۵۸۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اور اس وقت دیوگول۔ ژلو۔ کھار پورہ گنڈ اور ہولن نام کے پانچ واڑوں میں منقسم ہے۔ قصبہ بانہال شہر سرینگر سے ۱۰۷ کلومیٹر اور جموں سے ۱۹۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اب یہ سفر ریل کی آمد کے بعد سرینگر سے صرف ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ قدیم ایام میں یہاں پر گھنے جنگلات موجود تھے جو آبادی کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ کاشت کی زمین میں اور چراگاہوں میں تبدیل ہوتے گئے اور اب جنگلوں کے نشانات کہیں دور دور ہی یہاں کے پہاڑوں پر نظر آتے ہیں۔

کشمیر کے نامور مورخ اور شاعر پنڈت کلہن نے اپنی تاریخ ''راج ترنگنی'' میں بانہال کے لئے بھانشالا[1] یا بن شال ''یعنے جنگلوں کی جگہ'' کا لفظ تحریر کیا ہے

---

[1] راج ترنگنی۔ ج۔۲ ص ۲۳۳ فٹ نوٹ ۸۲۲

اور قرین قیاس ہے کہ یہی بھان شال یا بن شال بعد میں کثرت استعمال سے ''بانہال'' کے نام سے زبان زد عام ہو کر رہ گیا ہو۔ کلہن نے قلعہ بھانشالا[1] کا بھی ذکر کیا ہے' جہاں پر بقول اُس کے ۱۱۳۰ء میں کشمیر کے ایک جری راجہ بھکشوچر (ہرش کا پوتا) محصور ہو کر اپنے دشمنوں ڈامروں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترا اس وقت اُس کی عمر ۳۰ سال اور ۹ ماہ بتائی گئی ہے۔ اسطرح کے قلعہ بھانشالہ کے اگر چہ یہاں کوئی آثار موجود نہیں ہیں' البتہ تکیہ ٹھہار کے مقام پر آج بھی ایک سرائے[2] کے کھنڈرات موجود ہیں جس سے کلہن کے اس بیان کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے سرائے کی جگہ قلعہ کا

---

[1] درہ بانشالا: درہ بانہال جو اس سلسلہ کوہ (پیر پنچال) کے منبع کے مشرق میں واقع ہے چونکہ بہت کم بلندی پر سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالائی وادی چناب اور پنجاب کی پہاڑی ریاستوں کی طرف جانے کا یہی آسان راستہ رہا ہوگا۔ اس کا نام ایک گاؤں کے نام جو درہ کے جنوبی دامن میں واقع ہے۔ جبکہ نام کلہن نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۸ کی شلوک ۱۶۶۵ میں بانشالا یا بن شال لکھا ہے بانشالا کے قلعہ کا خود کلہن کے زمانہ میں ۱۱۳۰ء میں ایک قابل یادگار محاصرہ ہوا تھا جس میں بھکشا گرفتار ہوا اور مارا گیا تھا جیسا کہ نوٹ ۲۵۹ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے۔ وادی چناب سے آتے ہوئے وہ دشلا تا نامی اس پہاڑی علاقہ میں جو درہ بانہال کے عین جنوب میں واقع ہے کشمیر پر حملہ کرنے کے ارادہ سے داخل ہوا تھا چونکہ اس نے یہ مہم موسم سرما کے ابتدا ہی میں اختیار کی تھی اس لئے اس سے زیادہ دور آسائش راستہ اور کوئی نہ مل سکتا تھا۔ سلسلہ پنچال میں صرف بانہال کا درہ ہی اس قسم کا ہے جس پر سے آمد ورفت کا سلسلہ برف باری سے بھی کامل طور پر منقطع نہیں ہوتا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۷۴ ' ۱۹۸۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ بانشالا اسقدر قریب واقع تھا کہ وہ درہ کی چوٹی پر سے نظر آ سکتا تھا۔ تاہم اس پر ایک کھش حاکم کی ملکیت تھی۔

[2] چارلس ہیلسن کے مطابق یہاں پر ایک سرخ اینٹوں سے بنی ایک عمارت تھی۔ جس کا ایک کمرہ ۵۰ فٹ لمبا اور ۲۰ فٹ چوڑا تھا جس کے ساتھ کئی چھوٹے چھوٹے کمرے بھی تھے۔

لفظ استعمال کیا ہو جس کے آثار آج بھی یہاں پر موجود ہیں۔ بانہال کا تذکرہ کرتے ہوئے چارلس بیٹسن اے گزیٹ آف کشمیر میں یوں رقم طراز ہے "یہ ایک گنجان اور قابل کاشت ضلع جو بانسال پہاڑی سلسلے کے مغرب میں ہے۔ یہ نالہ مہو اور وادی بانہال پر مشتمل ہے جو اونچے پہاڑوں کی آغوش میں واقع ہے۔ اکبر بادشاہ کے وقت میں بھی بانہال کا علاقہ ایک پرگنہ کی حیثیت سے کشمیر وادی کا ایک اٹوٹ حصہ تھا جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت مسلمان ہے جو رہن سہن لباس و پوشاک اور شکل وصورت میں کشمیریوں سے ملتے جلتے ہیں[1]"۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹسن نے ضلع کا لفظ علاقہ کے معنوں میں استعمال کیا ہو۔ تاریخ کشتواڑ کے مصنف عشرت کشتواڑی نے ایک مقام پر بانہال کا نام "مہابل" ظاہر کیا ہے اور بانہال کو قدیم ریاست کشتواڑ کے ساتھ شامل ہونا بتایا ہے بقول آپ کے "ڈوڈہ ریاست کشتواڑ کا سرمائی دارالخلافہ تھا جہاں راجگان کشتواڑ کم سرد اور غیر برفانی آب وہوا میں یہ ایام بسر کرتے تھے۔ پرگنہ ڈوڈہ سراج میں بانہال تک کا علاقہ شامل تھا۔ بانہال کا پرانا نام مہابل تھا" ایک انگریز سیاح مسٹر فورسٹر ۱۸۷۳ء میں جموں سے ہوتے ہوئے درہ بانہال کو عبور کر گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سفرنامہ میں تحریر کیا ہے کہ وہ چناب کو عبور کرنے کے بعد (غالباً رامبن کے مقام پر) راجہ کشتواڑ کی عملداری سے گذرے۔ کریم بخش حاکم بانہال نے سرکشی کا اظہار کیا تھا کہ راجہ سوہان سنگھ نے ۱۷۸۶ء میں حملہ کر دیا اور دوبارہ قبضہ کیا[2]"۔ عشرت کا "مہابل"

۱۔ گزیٹ آف کشمیر، سی، ای، بیٹس۔ ۲۔ تاریخ کشتواڑ مولفہ عشرت کشتواڑی۔

نام بیان کرنا کہاں تک درست تسلیم کیا جا سکتا ہے سردست اس بارے میں کچھ کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

بانہال کے وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک مقامی روایت یہ بھی ہے کہ یہاں کے مختلف دیہاتوں سے بارہ چھوٹے چھوٹے دریائی نالے آکر ایک بڑے نالے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور انہی بارہ نالوں کو جن کو کشمیری زبان میں "باہ نال" کہتے ہیں کو لفظی الٹ پھیر کے ساتھ "باہ نال" یا بانہال کے نام سے بعد میں موسوم کیا گیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت غور سے دیکھا جائے تو یہ تاویل خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اور کلہن کا لفظ "بانشال" تحریر کردہ نام زیادہ موزون اور مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ حال کا لفظ دراصل "جگہ" کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے[1]۔ جو یہاں کے اور بھی کئی دیہاتوں کے ساتھ جوڑا ہوا نظر آتا ہے۔ مثلاً۔ زنیہال، چاچہال، تنہال، اُکھڑال، پانتہال، مٹہال، ہرنہال، کراچی ہال، تاجی ہال اور نچہال وغیرہ وغیرہ۔

پچھلوی:

دریائے پچھلوی یہاں کی خاص ندی ہے جو پیر پنچال کی پہاڑیوں سے نکل کر نوگام گاؤں سے شروع ہو کر یہاں کے مختلف نواحی اور بالائی دیہاتوں سے آنے والے چھوٹے چھوٹے دریاؤں کے اتصال سے وجود میں آتی ہے اور اس علاقے کے بیچوں بیچ میں سے گزر کر ناچلانہ کے مقام پر جو (۲۲۔۳۳) عرض بلد اور (۱۳۔۷۵) طول بلد میں واقع ہے وادی مہومنگت سے آنے والی ندی کے

۱۔ اے۔ گزیٹ آف کشمیر

ساتھ مل جاتی ہے اور قریباً چار کلومیٹر آگے جا کر یہ دریا جنوب مشرق میں پوگل پرستان سے آنے والے سندری نالے کے ساتھ ملتی ہے اور تنگ دریائی نالے کی صورت میں پہاڑی گھاٹیوں سے گذر کر آگے رام بن سے چھ کلومیٹر بانہال کی جانب ماروگ کے مقام پر جو ۵۔۳۳ عرض بلد اور ۱۲۔۷۵ طول بلد میں واقع ہے۔ دریائے چناب سے جا ملتی ہے جو آگے ریاسی سے ہوتا ہوا اکھنور کو پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے پاکستان میں چلا جاتا ہے۔

قصبہ بانہال:

قصبہ بانہال کو دیوگول[1] بھی کہا جاتا ہے۔ جو اس علاقے کی تجارتی سرگرمیوں اور یہاں کے انتظامی امور کا خاص مرکز ہے۔ قصبے میں موجود بازار ایک کلومیٹر سے زیادہ لمبا ہے جو قومی شاہراہ کے دونوں اطراف پر پھیلا ہوا ہے۔

ل۔ دیوگول کی وجہ تسمیہ بروئے مثل حقیقت یوں ہے۔ ۱۱۲ اسوج ۱۹۳۳ بروئے مثل حقیقت باہتمام پنڈت رام دین صاحب بہادر سلطنت آفیسر ضلع اُدھمپور موروث اعلیٰ قوم ملک جو یہاں آباد ہوا تھا اور لگاتار آباد ہیں" اللہ دو برخوردار کا بزرگ تھا۔ سنتا ہو رہا ہے کہ رقبہ جنگل جھاڑ تھا اس سے بذریعہ بنجر لگائی آباد کیا اور دیگر اقوام کے بعد دیگر وائین وغیرہ آئے اور بنجر لگان قابض ہو گئے باہمی تقسیم کوئی نہیں۔ قبضہ پر عمل ہے اسلئے صورت موقع بھیاباره غیر مکمل ہے۔ رواج کچھ ڈنڈے۔ دیوگول نام اس وجہ پڑا ہے کہ یہاں سب جنگل تھا۔ دیوؤں کا رہائشی مکان تھا۔ گول ہماری زبان میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے نام اس موضع کا دیوگول ہو گیا۔ پرانی عمارت یا کھنڈرات کوئی نہیں۔ پہلے جب گاؤں آباد ہوا۔۔۔۔ بعد میں راجگان کشتواڑ کا راج ہوا کچھ نظرودی تھی مگر اب یاد نہیں بعد میں مہاراجہ صاحب بہادر سورگباشی گلاب سنگھ کا تسلط ہوا تو ہر بیسنگی روپیہ مالیہ مقرر ہوا جس کی تعداد ۱۰ آنے ۲۵۴ روپے بعد میں ۱۹۱۷ء میں پنڈت برج باسی نے ۔۔۔ پیشگی ۔۔۔ مقرر ہوئی۔ ۱۹۵۴ء میں ۲۵۴ روپیہ ۱۰ آنے مقرر ہوئی جو آج تک ادا کرتے ہیں۔ اب ۲۷۷ ڈبل تجویز ہوئی ہے جو باقساط تا میعاد ادا کرتے ہیں۔

بازار کے آخری کونے پر فوجی کوارٹرس کے ساتھ ہی لکھنپور کے طرز کی ایک کسٹم چونگی تھی جس کو یہاں سے ۱۹۹۴ء میں منتقل کر کے اب قاضی گنڈ میں پہنچایا گیا ہے۔ شاہراہ پر ٹکڑکوٹ، رام سُو، نوگام بانہال تک مختلف جگہوں پر اور بھی چھوٹے چھوٹے بازار موجود ہیں۔ قصبہ میں تحصیل سطح کے تمام دفاتر جن میں محکمہ مال، دہی ترقی سوشل ویلفیر، پبلک ورکس، زراعت، جنگلات، باغبانی اور عدلیہ کے دفاتر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک پرائمری ہیلتھ سینٹر۔ ایمرجنسی ہسپتال اور پشو پالن کا ہسپتال بھی ہے قصبہ میں ایک ڈگری کالج دو ہائیر سیکنڈری اسکول اور ایک آئی، ٹی، آئی کا دفتر بھی موجود ہے۔

قصبہ بانہال کے شمال مغرب میں پہاڑ کی پشت پر دوسری جانب مہومنگت اور کھڑی[1] کا علاقہ آتا ہے۔ یہ علاقہ ناچلانہ، کھڑی، منڈ کباس اور بؤا سے تنگ پہاڑوں کے بیچ میں سے گزرتا ہوا مہومنگت تک پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس پہاڑی پٹی کی مثال ایک چھاتے کی مانند ہے جو کھڑی سے بؤا تک ایک تنگ نالہ جیسا ہے اور مہومنگت میں پہنچکر ایک چھاتے کی مانند وادی کی صورت میں کھلتا ہے مہومنگت وادی ایک خوبصورت وادی ہے جس کے چاروں اطراف میں، جنگلات اور وسیع چراگاہیں ہیں۔ جہاں موسم گرما کے دوران مقامی لوگوں کے علاوہ دور دور مقامات سے کشمیری، گوجر اور بکروال اپنا مال مویشی لیکر یہاں آجاتے ہیں اور عارضی رہائش کے بعد واپس اپنی اپنی

ل۔ روایت ہے کہ موضع مہو موہن رام موضع منگت منگت رام اور کھڑی کھڑک سنگھ نام کے کشتواڑ راجواڑہ سے آئے ہوئے حاکموں کے نام سے معنون ہیں۔

پشتینی جگہوں پر چلے جاتے ہیں۔

ان چراگاہوں میں۔ ناون۔ اچھن۔ آزو مرگ۔ رتن۔ تراجی بل۔ ڈیدلو جیسی چراگاہیں ہیں جو بہت ہی صحت افزا مقامات ہیں اور سیاحت کے اعتبار سے کافی کارآمد ہیں۔ لیکن ان مقامات تک تاہنوز سڑکوں کی کوئی سہولت میسر نہیں ہے۔ مہو میں ایک ہائیر سکنڈری سکول اور ڈسپنسری ہے جبکہ کھڑی میں ایک ہائیر سکنڈری سکول ایلتھ سینٹر اور زونل ایجوکیشن آفس ہے۔ مہو وادی کی پشت پر کشمیر کا کنڈ اور کولگام علاقہ آتا ہے۔ جہاں سے بالائی علاقوں کے لوگ اپنی خوردنوش کی اشیاء بھی لاتے ہیں۔ یہ علاقے مہو سے صرف آٹھ یا نو کلو میٹر دوری پر واقع ہیں اور ان کو آسانی کے ساتھ سڑک کے ذریع بھی ملایا جاسکتا ہے۔ آج کل پرائم منسٹر روزگار یوجنا کے تحت مہو منگت تک سڑک کی تعمیر کا کام جاری ہے جو اب تقریباً مکمل ہونے کو ہے۔ اس سڑک کی تعمیر کو مکمل ہونے کے بعد اس علاقے میں تعمیر وترقی اور سیاحوں کی آمد کے کافی روشن امکان پیدا ہوسکتے ہیں۔

مہو سے بانہال تک کا پیدل سفر جو ایک دن میں طے ہوتا تھا اب سڑک کے ذریعہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ میں طے کیا جاسکتا ہے۔ مہو منگت میں موسم سرما کے دوران اکثر بھاری برف ہوتی ہے اور بسا اوقات بھاری برف کے سبب مکانات بھی برف کے نیچے غائب ہوجاتے ہیں۔ پرانے وقتوں میں جو مکان یہاں تعمیر کئے گئے ہیں وہ بھی ایک قطار میں ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح سے باہم جڑے معلوم ہوتے ہیں کہ آدمی ایک کونے پر مکان کے اندر داخل ہوکر اندر ہی اندر سے تمام مکانوں میں سے گزر کر دوسرے کنارے پر پہنچ سکتا ہے۔

یہ طریقہ تعمیر اس مصلحت کی وجہ سے رائج تھا کیونکہ موسم سرما کے دوران یہاں کے تقریباً سب مرد اور جوان نفوس، پنجاب وغیرہ علاقوں میں مزدوری کی خاطر جایا کرتے تھے اور باقی پسماندہ گان اہل خانہ ایک دوسرے کی آسانی کے ساتھ خبر گیری کرسکتے تھے۔ لیکن اب یہاں پر نئے طرز کے تعمیرات رائج ہیں' جو دو منزلہ اور سہ منزلہ ہیں اور ٹین کی چادروں کی چھت سے پوری طرح سے آراستہ ہیں۔ آج کل پہاڑوں کے اوپر سے نظر ڈالنے پر وادی مہو ایک خوبصورت اور نئے طرز تعمیر سے آراستہ وادی نظر آتی ہے۔ یہاں کے جنگلوں میں کائل، دیودار اور بدھل کے درختوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ مکی آلو اور راجماش یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اخروٹ اور ناشپاتی بھی بکثرت پائے جاتے ہیں مہو منگت کے اخروٹ اور راجماش پورے ضلع میں مشہور ہیں۔ یہاں پر کشمیری زبان بولنے والوں کی اکثریت ہے جو ٹھیٹھ کشمیری بولتے ہیں۔ رہن سہن اور لباس بھی کشمیری ہے۔ لوگ پھرتیلے اور خوبصورت ہیں۔ بالائی علاقوں میں رہنے والے گوجر لوگ گوجری بولتے ہیں۔ کھڑی علاقے میں رہنے والے لوگ کشمیری زبان کے ساتھ ساتھ اپنی مادری بولی کھاہ بولی بھی بولتے ہیں جو پوگل پرستان کے لوگوں کی پوگلی بولی کے ساتھ ہو بہو ملتی ہے۔ بانہال کے جنوب مشرق میں وادی نیل اور پوگل پرستان کا ایک بڑا پہاڑی علاقہ ہے، جس کی حدود تحصیل ڈوڈہ اور وادی کشمیر کے کیرن علاقے سے ملتی ہیں۔ قصبہ بانہال سے قریباً سات کلو میٹر دور جنوب میں چملو اس کا علاقہ ہے جس کی مشرقی پشت پر چکناڑوا اور وادی نیل کا علاقہ ہے۔ چملو اس قومی شاہراہ کے دائیں اوپر ایک

نیم ڈھلوان اور خوبصورت علاقہ ہے اکثریت کشمیری لوگوں کی ہے اس کے علاوہ پوگلی اور گوجری زبان بولنے والے لوگ بھی ہیں۔ طرز رہن سہن بلکل کشمیری ہے۔ چملواس میں مکی کے علاوہ کم وبیش دھان کی پیداوار بھی ہوتی ہے۔

چملواس کے بارے میں روایت ہے کہ اس علاقے کا نام ایک بہادر راجپوت جنگجو چمیل سنگھ کے نام پر پڑا ہے۔ جس نے جنوبی کشمیر میں ظالم حکمرانوں کے خلاف نمایاں کارنامے دکھایئے اور پھر پہاڑ کو عبور کر کے اس علاقے میں پناہ حاصل کر لی۔ لیکن بعد میں کشمیری حکمرانوں کے ہاتھوں انتقام کا نشانہ بنا۔ چمیل سنگھ کو جنوبی کشمیر کا رابن ہڈ بھی کہا گیا ہے۔[1] چملواس کی پشت پر پہاڑ کی دوسری جانب نیل علاقے کی لمبی پٹی نما وادی ہے جس کی دونوں جانب اونچی پہاڑیاں ہیں۔ نیل بانو میں ایک چھوٹا موٹا سا بازار بھی ہے اور یہاں سے یہ وادی آگے مشرق کی جانب جراڑی تک چلی جاتی ہے۔ جس کی حد آگے کشتواڑ کے چھاترو علاقے سے ملتی ہے۔ دائیں بائیں میں پرہندر، سنی گام، ہالہ، ہروڑی، ڈوربٹہ اور چدوس وغیرہ نام کے موضع جات ہیں[2]۔ یہاں مکی کی کافی فصل ہوتی ہے اور کم وبیش دھان کی کاشت بھی۔ نیل میں ایک ہائر سیکنڈری سکول اور ایک ہیلتھ ڈسپنسری بھی ہے۔ لوگ کشمیری زبان کے علاوہ پوگلی بھی بول سکتے ہیں۔ گوجر لوگ اپنی مادری زبان گوجری بولتے ہیں۔ نیل علاقہ کے بالائی پہاڑوں پر وسیع اور کھلی چراگاہیں ہیں۔ جہاں موسم گرما میں لوگ اپنے مال مویشی پالنے کی خاطر

---

[1] جنوبی کشمیر کا رابن ہڈ: عشرت کشتواڑی، اردو شیرازہ، ریاستی کلچرل اکیڈیمی ۱۹۷۱ء۔

[2] یہ بھی ایک روایت ہے کہ نیل میں پہلے نیل دیو نام کا ایک راجپوت آباد ہوا، جس کے نام پر یہ علاقہ موسوم ہوا۔

رُخ کرتے ہیں۔ یہ مقامات فطری دلکشی کا موجب ہیں اور سیاحت کے لئے بھی موزون ہیں ان میں کھلن۔ چنگ۔ ونیرا۔ دھاروتہ۔ اور کھتر موس جیسی سرسبز چراگاہیں ہیں۔ جہاں موسم گرما کے دوران زمینداروں کی چہل پہل لگی رہتی ہے۔ نیل وادی کے عقب میں پوگل پرستان کا پھیلا ہوا علاقہ موجود ہے۔

قصبہ بانہال سے قریباً ۱۵ر کلومیٹر دور جموں کی جانب رام سو کا مقام آتا ہے جو تحصیل بانہال کی ایک نیابت ہے یہاں پر ایک ہائی سکول اور ایک سرکاری ہسپتال ہے۔ اس کے علاوہ ایک پولیس چوکی اور آگے چل کر ایک بلاک ڈیولپمینٹ دفتر بھی ہے۔ رام سو کے دائیں جانب دریا کے دوسری طرف ایک لمبی پہاڑی پٹی ہے جو سربگنی سے شروع ہو کر جنوب مشرق میں سُمو ہڑوگ تک چلی جاتی ہے اور آگے جا کر اس کی حد تحصیل رام بن کے گول علاقے سے جا ملتی ہے۔ جہاں پر تتا پانی کا مشہور چشمہ ہے۔ جہاں کشمیر اور دوسری جگہوں سے روزانہ سینکڑوں ایسے لوگ اس چشمے میں نہانے کے لئے آتے ہیں جو اعصابی بیماری کے شکار ہوتے ہیں اور اس چشمے میں نہانے سے راحت حاصل کرتے ہیں۔ اس پورے علاقے میں کشمیری پوگلی اور گوجری زبان بولنے والے لوگ رہتے ہیں۔ یہ کنڈی علاقہ ہے جہاں مکی کی پیداوار کے علاوہ اخروٹ اور ناشپاتی کے پھل خاص مقدار میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ رام سو کے بائیں اوپر چنجلو اور اوڑو اور گام تیلی وغیرہ دیہات ہیں جہاں ہندووں اور مسلمانوں کی مشترکہ آبادی موجود ہے۔

رام سو سے آگے دو کلومیٹر پر مکرکوٹ کا مقام آتا ہے۔ یہاں پر قومی

شاہراہ کے کنارے پکھوٹی سنال اور چند دکانیں ہیں پہاڑ کے دامن میں ایک شیو مندر ہے اور بائیں سمت دو مساجد۔ مکڑ کوٹ سے بائیں جانب اندر کی طرف ایک سڑک پہاڑوں کے بیچ میں سے گزرتی ہے اور ہی دگن کے موڑہ جات سے ہوتے ہوئے آلیاباس۔ بیناچ اور پرستان تک پہنچ جاتی ہے۔ دوسری شاخ مالیگام سے ہوتے ہوئے پوگل تک جاتی ہے۔ اس پوری وادی کو پوگل پرستان علاقے کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جو ۲۲ء۷۵ مشرقی طول بلد اور ۳۳٫۴۰ درجہ عرض بلد شمال میں واقع ہے۔ اکھڑ بال کے مقام پر ایک ہائیر سکنڈری سکول ایک سرکاری ہسپتال اور زونل ایجوکیشن دفتر ہے پوگل۔ پرستان۔ مالیگام وغیرہ جگہوں پر کئی ہائی سکول موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کشفیہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام ایک عربی کالج اور کشفیہ مڈل سکول بھی تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور کچھ ہندو لوگ بھی رہتے ہیں۔ آلیاباس اور دوسرے مقامات میں رہنے والے بیشتر کشمیری خاندان اسلام آباد کشمیر سے ہجرت کر کے یہاں متیم ہو گئے ہیں۔ ان کا لباس اور رہن سہن کشمیری طرز کا ہے۔ پوگل پرستان کے لوگ پوگلی زبان بولتے ہیں جو کشمیر زبان کی ایک نزدیک ترین شاخ مانی جاتی ہے۔ تعلیم کے لحاظ سے یہ علاقہ اچھی پیش رفت کا حامل ہے اور اکثر لوگ سرکاری نوکریوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پوگل پرستان کے بالائی پہاڑی مقامات پر سرسبز اور مسطح میدان ہیں جو سیاحت کے اعتبار سے کافی موزون ہیں۔ ان مقامات میں شروادھار۔ گنگلی دھار۔ وڑد۔ سرگلی۔ راہون وغیرہ خوبصورت جگہیں ہیں وردڑ کے اوپر ایک قدرتی جھیل ہے جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی ہے'

ہنسراج نام کا ایک سیاحتی مقام نیل اور پوگل علاقہ کی اونچی پہاڑی چوٹی پر ہے' جہاں پر پانی کی جھیل بھی ہے۔ یہ تمام مقامات وادی کشمیر کے صحت افزا مقامات کی ہمسری کرتے ہیں۔ لیکن سڑکوں کی نایابی کے سبب غیر معروف ہیں۔ موسم گرما کے دوران یہ مقامات یہاں کے زمینداروں کو مال مویشی پالنے میں کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

آس پاس میں سرسبز جنگلات موجود ہیں' لوگوں کا زیادہ انحصار کھیتی باڑی پر ہے' جس کا دارومدار زیادہ تر بارشوں پر ہوتا ہے۔ اخروٹ اور ناشپاتی وغیرہ یہاں کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ آلو اور مکئی پیداوار کی خاص قسمیں ہیں۔

پوگل پرستان کے ساتھ کئی طلسماتی قصے وابستہ ہیں۔ روایت ہے کہ یہاں پرانے وقتوں میں اونچے پہاڑوں پر پریوں (fairies) کا گزر بسر ہوا کرتا تھا جن کے سنہرے بال اور آگ کے انگاروں جیسا خوبصورت چہرہ آنکھوں کو چندھیا کر دیتا تھا۔ ان پریوں کو جب کوئی آدم زاد اکیلے یا تنہائی میں مل جاتا اُسے اپنے ساتھ لے کر پیار و محبت سے پیش آجاتی تھیں۔ اس طرح کے کئی قصے آج تک یہاں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ کشمیری زبان کے مشہور رومانی شاعر رسول میر نے بھی پوگل پرستان کے حوالے سے اپنے رومانی نغمے گائے ہیں۔

ے وونہ وزتم وندہ وچھان پوگل تہ پرستان
بہاری وچھکھ پہاڑی ڈیکی کونگی ہاوتے یان

(اے میری محبوبہ کونگی اس پورے جاڑوں کے موسم میں میں تجھے پوگل اور

پرستان کے علاقے میں تلاش کرتا رہا اور اب موسم بہار میں ڈنگیٔ بل کے پہاڑوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ زرا اب تو اپنا جلوہ دکھا) کہا جاتا ہے کہ رسول میر خود بھی پوگل پرستان کے علاقے میں گھوم پھر آیا تھا۔ یہ سفر اس نے اپنے اُستاد مولوی غلام احمد بانہالی کی رفاقت میں کیا تھا۔ جس کا وہ شاگرد بھی رہ چکا تھا۔ پوگل پرستان کے لوگ بہت ہی محنتی اور جفاکش ہیں اور نوجوان طلبا کھیل مقابلوں میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ سڑک نہ ہونے کے سبب انہیں پہلے زمانے میں سخت مشکلات کا سامنا تھا اور اب انہیں سڑک کی تعمیر کے بعد کافی راحت نصیب ہوگئی ہے۔ اس علاقے نے اچھی اور اہم علمی اور سیاسی شخصیات بھی پیدا کی ہیں جن کا ذکر آئندہ صفحات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

نوٹ: ایک مصنف راج ترنگنی کا حوالہ دیتے ہوئے ہی رقم طراز ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں بانہال کو "وشلاتا" کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ یہ ایک تنگ پہاڑی وادی ہے جس کو جنگجو راجے باغی سردار بلکہ کشمیر سے آنے والے جاسوس بھی ایک محفوظ راستے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں درہ بانہال کے دامن میں "بانشالہ" نام کا ایک چھوٹا قلعہ تھا، جو اسی وشلاتا کے حکمران، بانگیکا کی ملکیت تھا جو کھش قبیلے کا ایک سردار تھا اور بدھل کے "نگا" نامی راجا کا داماد بھی تھا۔

☆

پیر پنچال پہاڑ! ایک قدرتی فصیل

پیر پنچال پہاڑ: پہاڑیوں کا وہ سلسلہ ہے جو وادی کشمیر کو جنوب سے لیکر مغرب تک جموں خطے سے جغرافیائی حد بندی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی فصیل ہے جو ماضی میں کشمیر کیلئے کسی بیرونی حملہ آور سے بچنے کیلئے ایک مضبوط قلعے کا کام کرتی رہی ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دشوار گزار پہاڑوں کا سلسلہ دو خطوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام کرتا ہے اور کچھ لوگ پیر پنچال کو اس نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں خاص کر آجکل کچھ سیاسی حلقے تعمیر و ترقی اور انتظامیہ میں بہتری لانے کے دعویٰ کی آڑ میں اس طرح کی سوچ کو بھی ذہنی تہہ خانوں سے اُبھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن "کشمیر کی تین ہزار سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ پیر پنچال کا سلسلہ کشمیر اور جنوبی خطے کے درمیان کبھی بھی حدِ فاصل کے طور پر نہیں مانا گیا ہے"[1]۔ قدیم ایام میں قلمرو کشمیر کی سرحدیں مغرب میں چناب تک اور جنوب میں ستلج تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین نے دہلی کے بادشاہ محمد تغلق کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں کشمیر کی قلمرو کی جنوبی سرحد دریائے ستلج تک طے پائی تھی۔ پیر پنچال کا جنوب سے لیکر مغرب تک کا علاقہ

---

[1] پیر پنچال لوگ اور ہماری تاریخ۔ کاشی ناتھ پنڈت۔

ہمیشہ کشمیر کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جغرافیائی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس علاقہ کی ثقافتی اور لسانی اہمیت بھی قابل توجہ ہے۔ کوہ ہمالیہ کے مغربی پہاڑی سلسلوں میں پیر پنچال کا سلسلہ سب سے ممتاز ہے۔ یہ سلسلہ کشن گنگا کے کنارے ہماچل پردیش تک پھیلا ہوا ہے جہاں وہ کوہ ہمالیہ کے بڑے سلسلہ سے جاملتا ہے اور کشمیر کو چمبہ کی سرحد تک لے جاتا ہے۔ جغرافیائی حالات کے پیش نظر اس کو قدیم زمانے سے کشمیر کا محافظ اور نگہبان مانا جاتا رہا ہے۔ پیر پنچال کو وادی کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ دروں کو راج ترنگنی میں ''درنگ'' کہا گیا ہے اور یہ لفظ آج بھی کشمیری زبان میں مستعمل ہے۔ وادی کشمیر میں داخل ہونے کے درے یا دروازے اگرچہ مختلف جگہوں پر موجود رہے ہیں اور شوپیان، یوس مرگ، تنگمرگ سے لیکر اوڑی اور شادرا تک کئی دروں کی نشاندہی تاریخ میں موجود ہے راجوری سے وادی کو آتے ہوئے راستہ بہرام گلہ، پوشیانہ اور ہیرپور دروں کو بھی مغل بادشاہوں نے عبور ومرور کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن درہ بانہال قدیم ایام میں وادی میں داخل ہونے کے لئے نسبتاً سب سے نزدیک اور آسان راستہ رہا ہے۔ تاریخ کشمیر کے مصنف ڈاکٹر۔ ایم۔ ایس ناز کے ہاں اس بات کا تذکرہ یوں دیکھنے کو ملتا ہے۔

''بادی النظر میں کشمیر کے پہاڑی سلسلوں کے تین حصے ہیں اولاً پیر پنچال ہے جو مشرق سے مغرب کی جانب ۳۵ میل تک پھیلتا چلا جارہا ہے بعد ازاں شمال اور جنوب کا رخ اختیار کر کے پچاس میل دور ہتہ کوٹی کے دامیں سے وادی وتستا میں گزر جاتا ہے۔ دوسرا حصہ درۂ بانشالا ہے، بانہال اس کے مشرق میں

واقع ہے، پیر پنچال کے فلک بوس پہاڑی سلسلہ میں صرف درۂ بانشالا کے راستے میں برفباری کے دنوں میں آمدورفت جاری رہتی ہے''[1]۔ کشمیر گزیٹیر کے مصنف کے مطابق ''درۂ بانہال ۳۳.۳۱ عرض بلد اور ۷۵.۱۶ طول بلد میں ۹۲۰۰ فٹ کی اونچائی پر سطح سمندر سے ویری ناگ کے جنوب میں واقع ہے۔ جنوب میں اس کی اترائی ۲ میل کے قریب ہے جو زیادہ ڈھلوانی ہے اور نہ زیادہ تیز۔ دوسری جانب وومو ہ گاؤں ہے جو زیادہ دور نہیں ہے۔ مغرب کی جانب ننگا پہاڑ ہے جس پر زرد چٹانیں اور گھاس ہے۔ چوٹی پر ہموار میدان اور دو چھوٹے تالاب ہیں۔ پہاڑ سے پوری وادی کا میدانی علاقہ نظر آتا ہے۔ اس راستے سے اونٹ بھی گزرتے ہیں اور گاڑیاں بھی چلتی ہیں جو سال بھر خچروں کے لئے کھلا رہتا ہے''[2]

جدید ماہرین ارضیات کے مطابق پیر پنچال کی ابتدا کشمیر کے اُسی حصے سے ہوتی ہے جہاں سے درہ بانہال کی بلندی نو ہزار دوسو فٹ کے قریب ہے۔ یہ اطراف مشرق میں واقع نشیبی پہاڑیوں کو نمایاں کرتا ہے (گلدستہ کشمیر صفحہ ۸۴۔ ج س) یورپی لوگ پیر پنچال کو اُس پورے کوہستانی سلسلہ کیلئے استعمال کرتے ہیں جو وادی کے جنوب مغرب کو احاطہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ کوہ میں بلند ترین چوٹیاں ۱۵۰۰۰ فٹ سے بلند ہیں جو پورے سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ انگریز سیاح بیرن ہیوگل کے بیان کے مطابق پیر پنچال کی جنوبی سمت مٹی اور ابرق (Sehist) کی تہیں اس کی بلندی تک پائی جاتی ہیں اور (Horob

[1] تاریخ کشمیر مصنف ڈاکٹر ایم ایس ناز۔ [2] اے گزیٹیر آف کشمیر چارلس بٹس۔

(Lende کے ٹکڑے یہاں ملتے ہیں۔ پیر پنچال پہاڑ پر ایک قطار میں چونے اور پتھروں کے Huts بنے ہوئے ہیں جو مختلف فاصلوں پر موجود ہیں۔ یہ huts مغلوں کے زمانے میں تعمیر کئے گئے ہیں۔ اور جب مسافر درہ بانہال سے سفر کرتے تھے تو وہ برف باری اور تیز بادوباراں کے وقت ان huts میں پناہ لیتے تھے اور شدید موسم کی خرابی میں رات کو بھی ان میں قیام کرتے تھے۔ جواہر سرنگ کے بننے کے بعد ان کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ان huts کو کشمیری لوگ ''مڑ'' کہتے تھے۔

پیر پنچال پہاڑ پر وادی میں داخل ہونے کے لئے دوسرا اہم راستہ پیر گلی سے ہے' جو راجوری چنگس تھنہ منڈی بہرام گلہ پوسٹ علی آباد اور دوبجن کے ہوتے ہوئے ہیرپور شوپیاں تک پہنچ جاتا ہے۔ اسے شاہراہ مغل بھی کہا جاتا ہے۔ مغل بادشاہوں نے اسے اکثر عبور و مرور کے لئے استعمال کیا ہے۔ مغل روڈ کی تعمیر اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ مغل روڈ کی تعمیر سے راجوری' پونچھ اور کشمیر کے درمیان سفر کی طوالت بلکل کم ہو کر رہ گئی۔ اس سڑک کی تعمیر ایک تاریخ ساز قدم ہے جس سے لوگوں کو بہت راحت نصیب ہو گئی ہے۔

☆

درّہ بانہال سے عبور و مرور

مہاراجہ گلاب سنگھ نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد حکومت ہند سے یہ خصوصی گذارش کی تھی کہ غیر ملکی سیاحوں کو بانہال اور بھدرواہ کے راستوں سے داخل ہونے پر پابندی عائد کی جائے۔ ایسا شاید کسی خاص مصلحت کے تحت اس نے موزون سمجھا تھا۔ اس طرح سے مسٹر جان لارنس' چیف کمشنر لاہور نے ۲۳ جنوری ۱۸۵۴ کو ہیز ہائینیس کے نام ایک مراسلہ ارسال خدمت کیا کہ وہ غیر ملکی سیاحوں پر جموں۔ بانہال راستے سے کشمیر میں داخلے پر پابندی عاید کرے اور نہ ہی انھیں موسم سرما کے دوران وہاں قیام کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ پابندی سالہا سال تک برقرار رہی بلکہ اُس کے انتقال ۱۸۵۶ء کے بعد بھی کچھ عرصہ جاری رہی۔ البتہ ۱۸۷۲ میں فریڈرک ڈریو (Frdric drew) اور کیپٹن کنناگھم (Cap.Cunnigham) نے بشمول مسٹر جانسن کے ریاست کی جغرافیائی سروے کرنے اور مغربی ہمالیائی علاقوں کا نقشہ مرتب کرنے کی غرض سے بھدرواہ کا دورہ کیا۔ اس کے بعد یورپ کے کئی اور لوگوں کو بھی براستہ بھدرواہ، کشتواڑ اور چمبہ کشمیر سے پنجاب واپس آنے کی اجازت دی گئی۔

۱۸۷۵ سے ۱۸۹۸ تک یورپ کے بہت کم لوگ براستہ بانہال کشمیر وادی

میں داخل ہو گئے۔ لیکن ۱۸۹۹ میں یورپی سیاحوں کے نام اجازت ناموں کی بھاری تعداد جاری کی گئی جن کی رو سے وہ ریاستی حکومت سے کشمیر میں داخلے کیلئے یا کشمیر سے پنجاب واپس جانے کیلئے رجوع کر چکے تھے اور اُنہیں بانہال کشتواڑ اور بھدرواہ کے راستوں سے آنے جانے کی اجازت دی گئی۔ جموں بانہال راستے سے جن چیدہ چیدہ اشخاص کو آنے یا جانے کی اجازت دی گئی وہ حسب ذیل ہیں۔

اپریل ۱۸۹۹: مسٹر۔اے۔ایچ۔پائیری۔معائنہ کار آفیسر۔شاہ کاروان کو۔(وادی کشمیر میں براستہ بانہال جانے کی اجازت دی)

فروری ۱۸۹۹: عزت مآب ڈیوک آف چرچ مشن سوسائٹی آف ڈیرہ غازی خان کو بانہال جانے کی اجازت دی گئی۔

اپریل ۱۸۹۹: مسٹر ریڈ دی ڈی۔ایس۔پولیس۔ (Mr. Rezdin D.S. Police) کو براستہ بانہال جانے کی اجازت دی گئی۔

مئی ۱۸۹۹: کیپٹن۔سی۔جارٹی اور پنجاب ۱۹ بٹالین کے انفنٹری آفیسر کو سیالکوٹ سے براستہ بانہال جانے کی اجازت دی گئی۔

۱۲ جولائی ۱۸۹۹: برطانیہ کے فوجی اصطبل خانہ نے ۱۶ گھوڑے اور ۱۳ اگست کو دو گھوڑے براستہ بانہال وادی میں بھیجے۔

اگست ۱۸۹۹: مسٹر ایچ۔آر۔کابس (HR Cobbs) اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے ذاتی مصاحب میجر سکائیز (Maj. Skyes) کو براستہ بانہال وادی میں جانے کی اجازت دی گئی۔

ستمبر ۱۸۹۹ء میں ڈبلیو۔ایچ۔والش (W.H. Walsh) کو براستہ بانہال کشمیر میں تفریح کی خاطر جانے کی اجازت دی گئی۔

کشمیر سے واپسی کی اجازت (براستہ بانہال)

جون ۱۸۹۹ مسٹر۔آئی۔ایم۔جی۔ہلز اور اُس کی بیٹی آفیسر جونیر آرمی سینٹر لندن ستمبر ۱۸۹۹ مسٹر انگلیس ایگزیکیٹو انجینر مسٹر کنلف براستہ بانہال آئے۔

اکتوبر ۱۸۹۹ کیپٹن میسنتوش (Cap. Maceintosh) اس راستے سے آئے۔

دسمبر ۱۸۹۹ مسٹر مارٹون (Mr. Morton) اس راستے سے آئے۔

۱۹۰۵ء کے بعد جن یورپی سیاحوں کو براستہ بانہال وادی میں جانے کی اجازت دی گئی ہے۔اُن کے نام حسب ذیل ہیں

1. Lieutenant H.E. Moul of the 4th Gurkha Rifles
2. J.B. Reddel R.F.A. of Hyderabad
3. Capt. Lanison
4. Capt. M.J.W. Pike P.A.A.G. Sailkot.
5. Major & Mrs E.H.Pea Cock.
6. Major H.G. Gason I.S.W.
7. Lt. G.E.E. Welbry I.S.W. Borders.
8. Col. Yale
9. Maj. Gen. F.W. Kitchnar CB
10. Capt. G.Berry Drew
11. C.B. Bates

۱۹۱۹ کے بعد اسطرح کے اجازت ناموں پر پابندی اُٹھائی گئی اور بانہال

جموں کارٹ روڈ B.C.Road کی تعمیر کے بعد وادی میں سیاحوں کی آمد کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ البتہ اس سے چناب وادی کے ملحقہ علاقہ جات کو سیاحت کے اعتبار سے فروغ دینے میں کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

رچرڈ ٹیمپل اور بانہال:

سر رچرڈ ٹیمپل حکومت برطانیہ کے انتظامیہ کے ایک اعلیٰ منصب دار تھے اور انتظامی امور کی نگرانی کے لئے ذاتی طور پر ریاستوں کا دورہ کرتے تھے۔ آپ پہلی بار ۱۸۵۹ء میں برطانوی حکومت کے پنجاب (لاہور) کے کمشنر رہے اور دوسری بار بارہ سال کے بعد ۱۸۷۱ء میں بھارت سرکار کے سکریٹری کی حیثیت سے سرکاری طور پر مہاراجہ رنبیر سنگھ کے مہمان کے طور پر یہاں آئے۔ پہلی بار آپ نوشہرہ سے راجوری اور علی آباد سرائے کے راستے کشمیر پہنچے اور بواپسی اونتی پور کے راستے سوموار ۴ جولائی براستہ بانہال ۲۷ میل کی مسافت طے کرکے یہاں پہنچے اور پھر یہاں سے براستہ اُودھمپور جموں گئے۔ ۳ جولائی ۱۸۵۹ کو رچرڈ ٹیمپل لگ بھون جاتے ہوئے بجبہاڑہ میں رُکا جہاں اُس نے بچشم خود مہاراجہ کے احکامات کی تعمیل میں مندر کے تعمیر کے کام کو دیکھا، واپسی کا سفر بانہال کارٹ روڈ کے راستے طے کیا اور ۸ جولائی ۱۸۵۹ کو گجرانوالہ پہنچ گیا۔

اپنے سفرنامہ کے صفحہ ۳۳۳ پر آپ نے بانہال سے گزرنے کا ذکر یوں کیا ہے۔

"بانہال کے دھان کے کھیتوں کے بیچ میں پتھروں کے ٹیلے جابجا نظر آتے ہیں"

دراصل یہ اُن کھیتوں کا ذکر ہے جو یہاں شاہراہ کے ساتھ ساتھ دریا کے

کنارے پر موجود ہیں اور ان کے درمیان میں پتھروں کا ہونا یقینی ہے دوسری بار رچرڈ ٹیمپل نے موسم بہار کے ابتدائی ایام میں سفر کیا ہے وہ ۱۹ اپریل ۱۸۷۱ کو سیالکوٹ سے چلا پھر جموں سے بانہال کارٹ روڈ کا دشوار گزار سفر طے کرکے ۲۰ اپریل کو ویری ناگ اور پھر بذریعہ کشتی اور سڑک سرینگر پہنچا۔

دوسری بار کے سفر کی تفصیل وہ یوں اپنے سفرنامہ میں درج کرتا ہے۔

اتوار ۱۶ اپریل	۱۸۷۱ء	رام بن	۱۷ میل
سوموار ۱۷ اپریل	۱۸۷۱ء	رام سو	۱۶ میل
منگلوار ۱۸ اپریل	۱۸۷۱ء	قیام رامسو	۱۶ میل
بدھوار ۱۹ اپریل	۱۸۷۱ء	بانہال	۱۱ میل
ویروار ۲۰ اپریل	۱۸۷۱ء	ویری ناگ	۱۰ میل
اتوار ۲۳ اپریل	۱۸۷۱ء	سرینگر بذریعہ کشتی سڑک	۱۰ میل

واپسی کا سفر

جمعہ ۲۸ اپریل	بانہال	۲۷ میل
سنیچر ۲۹ اپریل	رام بن	۳۳ میل

اس سے آگے وہ اُودھمپور اور جموں کے راستے سے ۵ مئی ۱۸۷۱ کو لاہور پہنچ جاتا ہے۔

ڈاک کے انتظام کے بارے میں وہ یوں ذکر کرتا ہے

"مہاراجہ نے راستہ میں ڈاک کا انوکھا انتظام کر رکھا ہے ہر میل پر ایک چوکی تھی اور ڈاکیہ بھی ایک چوکی سے دوسری چوکی تک آنافانا دوڑتے

ڈاک لے جایا کرتا تھا۔ اُنھیں ماہانہ دس روپے تنخواہ ہوا کرتی تھی۔ بانہال میں دیوان بدری ناتھ حاکم تھے جنہوں نے میرا استقبال کیا اور درہ بانہال کو عبور کرنے کے بعد وہاں کے گورنروزیر پنّوں نے میرا استقبال کیا"۔

(سفرنامہ۔ رچرڈ ٹیمپل۔)

جموں وکشمیر میں داخل ہونے کے لئے بعد میں بھی حکومت ہند نے پرمٹ سسٹم کا نفاذ ضروری رکھا، جس کا اظہار شیخ صاحب کے ہاں اپنی سوانح حیات میں یوں دیکھنے کو ملتا ہے۔ "مرکزی محکمہ دفاع نے کشمیر میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے پرمٹ سسٹم کا رواج جاری کیا۔ ہر کوئی شخص کشمیر آتے وقت یا یہاں سے جاتے وقت پرمٹ حاصل کرنے کا پابند تھا۔ خود مجھے بھی یہ پرمٹ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ یہ طریقہ کار ہمارے مفادات کے لحاظ سے بہت اچھا نہیں تھا اور اس کی وجہ سے ہماری سیاحت کی صنعت پر جو کشمیر کی سب سے بڑی اور قدرتی صنعت ہے کافی خراب اثر پڑا۔ ہم نے کئی بار چاہا کہ یہ سسٹم منسوخ کیا جائے اور اس سلسلے میں مرکز کی طرف بھی رجوع کیا۔ لیکن محکمہ دفاع کی ہٹ دھرمی کے سامنے ہماری ایک نہ چلی۔ (آتش چنار۔ شیخ محمد عبداللہ ۵۵۵۔ مرتب محمد یوسف ٹینگ)۔

☆



مہاراجہ رنبیر سنگھ



مہاراجہ پرتاپ سنگھ



مہاراجہ ہری سنگھ

بانہال۔گیٹ وے آف کشمیر

انیسویں صدی کے اواخر تک کشمیر راولپنڈی روڈ سے باقی دُنیا کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ رسل ورسائل کے حوالے سے سرکار نے جو اہم کام کیا وہ جہلم ویلی روڈ کی تعمیر کا کام تھا۔ ۱۸۹۰ میں کوہالہ سے بارہمولہ تک اس روڈ کو تعمیر کیا گیا اور پھر ۱۸۹۰ میں اسے سرینگر تک پہنچایا گیا۔ جب موسم سرما کے دوران پیر پنچال پہاڑ پر بھاری برف باری کے سبب راستے مسدود ہوجایا کرتے تھے تو سرینگر سے جموں تک کا زمینی سفر جہلم ویلی روڈ کے ذریعے براستہ کوہالہ اور راولپنڈی طے کیا جاتا تھا' تاوقتیکہ جموں وسرینگر قومی شاہرہ کی تعمیر کے کام کو ہاتھ میں لیا گیا۔ اس کے بعد یہ راستہ بدل گیا اور وادی کشمیر بانہال کی ایک لمبی اور دشوار گزار شاہراہ سے باقی دنیا کے ساتھ جُڑ گیا۔ کشمیری عوام کا رخ شمال سے مغرب کی طرف ہوگیا جو علاقے اگلے کہلاتے تھے وہ عقبی کہلانے لگے۔

قومی شاہراہ جس کو ملک کے زمینی رسل وسائل میں ایک شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے' بانہال کے بیچوں بیچ میں سے گزرتی ہے اور وادی کشمیر کو پنجاب اور ملک کی دیگر شمالی ریاستوں سے ملاتی ہے۔ حصول آزادی کے بعد اس کی اہمیت

اور بھی زیادہ بڑھ گئی' کیونکہ یہ واحد راستہ ہے جو ملک سے ہونے والی تجارت' سیاحوں اور مسافروں کی آمد' اشیاء خوردنی کی رسد۔ فوجی نقل وحمل اور دفاتر کی منتقلی (دربار مو) کے کام آتا ہے' اور یہی راستہ جواہر سرنگ کو پار کر کے کشمیر کی فردوس نظر اور حسین وجمیل وادی میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس لئے بانہال کے اس علاقے کو کشمیر کے صدر دروازہ یا گیٹ وے آف کشمیر کے نام سے (Gate way of Kashmir) پورے ملک میں شہرت حاصل ہے۔

عبور ومرور کی مشکلات:

دور ماضی کے وہ ایام جب شخصی حکومت کا دور دورہ تھا اور پیر پنچال پہاڑ میں سڑک کی کوئی سہولت میسر نہ تھی تو لوگوں کو پیدل ہی چل کر درہ بانہال کو پہاڑ کے اوپر سے عبور کرنا پڑتا تھا۔ موسم گرما کے دوران اگرچہ یہ سفر اتنا زیادہ کٹھن نہ تھا لیکن موسم سرما میں اس پہاڑ کو سر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوا کرتا تھا۔ خاصکر اُن ایام میں جب شدید برف باری ہوا کرتی تھی اور تُند وتیز یخ بستہ ہوائیں مسافروں کو اس پہاڑ پر درختوں کے پتوں کی طرح اُڑا لیتی تھیں۔ اسطرح سے اس موسم میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نہتے مسافر برف اور ہواؤں کی زد میں آکر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے' اور اُن کی برہنہ لاشیں برف پر بکھر کر زاغ وزغن کی خوراک بن جاتی تھیں۔ گویا ہر سال اس جان لیوا سفر کے نتیجے میں سینکڑوں گھر بے چراغ ہوجاتے تھے۔

اس سفر کے دو اسباب ہوا کرتے تھے۔ ایک تو غریب لوگ سردی کی شدت سے بچنے کیلئے اور مزدوری کی خاطر گرم علاقوں کی طرف جبری ہجرت کیلئے مجبور

ہو جاتے تھے اور دوسری طرف سے اُن کو شخصی دور کے مظالم، بے گار اور بھاری ٹیکس کی ادائیگی جیسے مشکلات کا سامنا ہوتا تھا جو ایک قابل ترس المیہ تھا۔ ایک انگریز سیاح مور کرافٹ (Moor craft) جو پیشے سے ایک ڈاکٹر بھی تھا اپنے سفر نامہ میں بانہال سے گزرتے ہوئے اپنے ایک سفر کا احوال یوں بیان کرتا ہے۔

''میں نے پیر پنچال درے کو پار کرتے ہوئے ۵۴ مزدوروں کی لاشیں دیکھی ہیں جنکا کوئی پُرسان حال نہ تھا۔ ان وارداتوں کے پیچھے دو اہم وجوہات تھیں۔ اول یہ کہ کھانے کو کم ملتا تھا، دوم یہ کہ تن ڈھانپنے اور ٹھٹھرتی سردیوں سے بچنے کے لئے ان کے پاس کچھ پہناوا نہیں ہوتا تھا۔ روزگار کے لئے جبری ہجرت کی اجازت تب ہی دی جاتی تھی جب اس جان لیوا سفر پر جانے والا کشمیری مزدور ارباب اقتدار سے یہ سند ساتھ رکھتا تھا کہ اُس نے سبھی جبری ٹیکس ادا کر دیے ہیں''۔[1]

بالآخر انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں سرینگر اور جموں کو سڑک کے ذریعے ملانے کا منصوبہ ہاتھ میں لیا گیا۔ ایک مغربی سیاح ''پیرسے جروس'' (Pearce Gervis) نے پیدل چل کر درہ بانہال کو اُس وقت عبور کیا تھا جب اس میں کوئی ٹنل یا سرنگ موجود نہ تھی۔ اس کے بعد کئی ماہر انجینئروں کے حوالے سے اس پہاڑ میں سرنگ تعمیر کرنے کی تجویز کو پیش کیا گیا۔ اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ کام بالآخر اپنی تکمیل کو پہنچ کر ہی رہ گیا۔

۱۔ سفرنامہ: (ولیم مور کرافٹ ۱۸۱۷ء)

بانہال کارٹ روڈ سے قومی شاہراہ تک:

جموں کو سرینگر کے ساتھ سڑک کے ذریعے ملانے کے لئے ۱۹۰۱ء میں کام شروع ہوا اور ۱۹۲۱ء میں سڑک کی تعمیر کا کام تکمیل کو پہنچا اور پہلے مرحلے میں دو سو میل لمبی سڑک تیار کی گئی۔ اس سڑک کے تعمیر ہونے پر ایک غیر ملکی ماہر انجینئر نے اس سڑک کے حوالے سے لکھا۔

''یقینی طور پر بانہال کارٹ روڈ کا شمار دُنیا بھر کی اعلیٰ ترین پہاڑی سڑکوں میں کیا جا سکتا ہے''۔[1] بانہال کارٹ روڈ اب ایک قومی شاہراہ میں تبدیل ہو چکی ہے لیکن عام طور پر لوگ اسے بانہال کارٹ روڈ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس وقت اس شاہراہ کی لمبائی ۳۰۰ کلومیٹر کے قریب ہے، جس کو اب چار لائین کی صورت میں وسعت دینے کا پروگرام جاری ہے۔ جموں و کشمیر میں اگر چہ آمد و رفت کا سلسلہ پہلے ہی سے موجود تھا لیکن ۱۸۴۶ء میں جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس ریاست کو ایک سیاسی اکائی کی شکل دی تو اس میں زیادہ سرعت آ گئی۔ ذرائع آمد و رفت کے اس سلسلے کا آغاز ایک اپنا محکمہ ڈاک و تار قائم کرنے سے کیا گیا۔ محکمہ ڈاک کا آغاز ۱۸۶۰ء مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں ہوا اور محکمہ تار کو ۱۸۷۰ء کے قریب روبہ عمل لایا گیا۔

۱۸۶۰ میں مہاراجہ نے پہلا ڈاک ٹکٹ جاری کیا اور بعد ازاں پوسٹ کارڈ بھی منظر عام پر آیا۔ تمام گاؤں اور شہروں میں ڈاک خانے قائم کرائے گئے اور اس نظام کو بہتر طور چلانے کے لئے انگریز سرکار کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

۱۔ بانہال کارٹ روڈ۔ ڈی۔ پی۔ شرما

جموں وسرینگر کے درمیان انتظام ڈاک سے متعلق سر رچرڈ ٹیمپل (Sir.Rechard Temple) یوں رقمطراز ہے "ہر میل پر ایک ڈاک چوکی بنائی گئی۔ڈاک کے تھیلے لے جانے والے اہلکار (Runner) یومیہ ڈاک کے علاوہ ایکسپریس ڈاک بھی لے جاتے ہیں اور وہ یہ سفر بہت ہی پھرتی اور تیزی کے ساتھ ہر موسم میں طے کرتے رہتے ہیں۔جموں سے بھیجی گئی ڈاک قریباً ۳۶ سے ۴۸ گھنٹے تک سرینگر میں پہنچ کر تقسیم ہو جاتی ہے۔پانچ پہاڑوں کو چیرتی ہوئی اونچی سڑک کو اتنے قلیل عرصہ میں پار کرنا یقیناً بہادری کا کام ہے"[1]۔۱۸۵۶ء میں جب مہاراجہ رنبیر سنگھ گدی نشین ہوا تو اُس نے کئی تعمیراتی اور ترقیاتی کاموں کو ہاتھ میں لینے کے علاوہ جموں کو سرینگر کے ساتھ ملانے کے لئے ایک سڑک کی تعمیر کا منصوبہ بھی رکھا۔لیکن انگریز سرکار کی خواہش تھی کہ پہلے سرینگر سے راولپنڈی تک سڑک تعمیر کی جائے اور انہوں نے مہاراجہ کو مجبور کیا کہ پہلے سرینگر سے کوہالہ تک سڑک کی تعمیر کا کام فوراً ہاتھوں میں لیا جائے اور اسطرح سے بانہال کارٹ روڈ کی تعمیر سے پہلے "جہلم ویلی روڈ کی تعمیر کو ہاتھ میں لیا گیا"۔جو ۱۸۹۰ء کے قریب مکمل ہوئی۔لیکن اس کے ساتھ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ایک کچی سڑک بنوائی جس کے بارے میں میجر،جی،ای بیٹس اپنے گزیٹر آف کشمیر میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔"یہ سڑک جموں سے نگروٹہ، چنسال، لاندر، بنوت، رام بن، بانہال، ویری ناگ، شاہ آباد،اسلام آباد اور اونتی پورہ سے گزرتی ہوئی سرینگر تک تعمیر ہوئی تھی اور اس کی لمبائی ۱۷۶ میل تھی۔اس سڑک پر گھوڑے اور اونٹ آسانی سے چل سکتے

[1] سفرنامہ رچرڈ ٹیمپل

تھے"۔چنانچہ ان ایام میں موسم سرما میں شدید برف باری ہوا کرتی تھی جس کے سبب پیر پنچال کو اس سڑک کے ذریعے عبور کرنا دشوار گزار ہوتا تھا۔بقول فریڈرک ڈریو "کرسمس کے دوران ہم اس سڑک سے گزر نہیں کر سکتے ہیں۔کیونکہ درہ بانہال پر شدید برفباری ہوتی ہے۔کبھی کبھی زیادہ برف باری کی وجہ سے پیدل انسان بھی دو چار دن میں اس راستے پر گزر نہیں سکتے۔"

بانہال کارٹ روڈ (B.C.Road) کی تعمیر:

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بعد پرتاپ سنگھ گدی نشین ہوا ریاست کی تعمیر میں پرتاپ سنگھ کا سب سے بڑا کارنامہ بانہال کارٹ روڈ کی تعمیر اور جموں کو وادی کے ساتھ سڑک کے ذریعے منسلک کرنے کا ہے۔

۱۹۱۲ء میں جموں سے سرینگر تک درہ بانہال کے پائیں تک ایک کارٹ روڈ تعمیر کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ریاست کے محکمہ پبلک ورکس نے ہز ہائی نیس مہاراجہ کی خدمت میں فروری ۱۹۱۲ء کو یہ عرضداشت پیش کی "ریاست کے سربراہ انجینئر کی رائے ہے کہ جموں سے سرینگر تک ۱۴ فٹ سے ۱۶ فٹ تک کی کشادگی والی ایک کارٹ روڈ کو چار لاکھ پینسٹھ ہزار روپے کے تخمینہ کی لاگت سے تعمیر کیا جائے جو ڈھائی سال کے عرصے میں تکمیل ہو۔اس میں وہ پگڈنڈی بھی شامل ہو جو بنوت سے کشتواڑ خچروں اور اونٹوں کی بار برداری کے کام آئے۔یہ تخمینہ ماسوائے چند ضروری جگہوں کے غیر پختہ (Unmetalled) سڑک کے حوالے سے ہے ہر چند کہ اگر اس پر تانگے چلانا مقصود ہو تو اس کو پختہ بنانا ضروری ہے"۔نتیجے کے طور پر لفٹیننٹ کرنل اے،ایس،ڈی نے جموں،اُدھمپور،

بانہال کارٹ روڈ کے حوالے سے ایک جائزہ رپورٹ مرتب کر کے ہز ہائی نیس مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی خدمت میں برائے تعمیر مذکورہ کارٹ روڈ پیش کی جس کی مہاراجہ نے اسی سال منظوری دے دی۔ اس طرح سے ۱۹۱۲ سے ۱۹۱۸ تک تعمیر کا کام جاری رہا اور ۱۹۱۸ میں اصلی تخمینہ سے اڑتالیس ہزار اور پانچ سو روپے کی رقم خرچ کرنے کے بعد ایک لاکھ اور اس کے بعد مزید ڈیڑھ لاکھ روپے ریذیڈنٹ صاحب کی جانب سے کام کو مکمل کرنے کی خاطر منظور کیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں اس سڑک پر بگیوں اور ٹانگہ گاڑیوں کے چلنے کے لئے نوٹیفکیشن اور احکامات صادر کئے گئے اور ۱۹۲۲ء میں بالآخر بانہال کارٹ روڈ پہیہ گاڑیوں کے لئے کھول دی گئی۔ شاید یہ مہاراجہ ہری سنگھ کا زمانہ تھا جس نے اس روڈ کی رسم افتتاح سر انجام دی۔ اور جب وہ اپنی جاگیر بھدرواہ کو دیکھنے کی غرض سے دورے پر گئے تو وہ اسی کارٹ روڈ سے اپنی موٹر میں بیٹھ کر بوت تک گئے۔ ۱۹۲۲ء میں جو رقبہ کارٹ روڈ کی زد میں آچکا تھا اُس کو سرکار نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

بانہال کارٹ روڈ کی تعمیر یوں تو ۱۹۰۱ میں عارضی طور شروع ہوئی تھی اور سب سے پہلے جموں سے اُدھمپور تک سڑک مکمل کی گئی جو تقریباً ۴۰ میل لمبی تھی۔ اس کے بعد یہ سڑک کافی محنت سے بانہال تک پہنچائی گئی اور پھر اس کی توسیع سرینگر تک کی جانے لگی۔ لیکن سڑک کی تکمیل میں دو بڑی رکاوٹیں حائل رہیں۔ ایک تو رام بن کے مقام پر دریائے چناب پر پُل کی تعمیر اور دوسرا درہ بانہال کو عبور کرنے کے لئے ایک سُرنگ یا ٹنل کی تعمیر۔ بہر حال پہلے رام بن قصبہ سے آٹھ میل دور مشرق کی سمت میں ایک لکڑی کا پُل تعمیر کیا گیا جس کی لمبائی ۱۹۰

فٹ کے قریب تھی اور اس کے کچھ عرصہ بعد رام بن قصبہ کے عین مقابل دوسرا پُل تعمیر کیا گیا۔ یہ پُل لوہے کی موٹی تاروں کی مدد سے لٹکتا ہوا بنایا گیا۔ جو اُس وقت کے مطابق انجیرنگ کا ایک خاص کارنامہ تصور کیا گیا۔ اس پُل میں استعمال شدہ تمام سامان اور پُرزے ریاست میں ہی بنائے گئے تھے۔ تحصیل ریاسی کی کان کنی سے لوہا نکال کر اُسے صاف کیا گیا تھا اور اس سے اس پُل کے لئے کیل کانٹے اور رسے وغیرہ تیار کئے گئے تھے۔ یہ سارا کام ریاست کے ہی انجینئروں نے سر انجام دیا تھا۔ اس پُل کو اگرچہ صرف ہلکی گاڑیوں کے گزرنے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ لیکن اس کی مضبوطی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب کشمیر پر قبائلی حملہ ہوا اور جہلم ویلی روڈ پر پاکستان مکمل طور پر قابض تھا تو ہندوستانی افواج کی بھاری بھرکم گاڑیاں اور ٹینک بھی اسی پُل سے گزر کر وادی کشمیر تک پہنچ گئے۔

پیر پنچال پر پہلا ٹنل:

پیر پنچال پہاڑ پر درہ بانہال کے مقام پر سُرنگ (ٹنل) تعمیر کرنے کیلئے کئی ایک تجاویز پیش کی گئیں۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا ارادہ تھا کہ جموں اور سرینگر کے درمیان ایک ہلکی برقی ریل بچھائی جائے جس کا سروے۔ جنرل۔ ڈی۔ بوریل (General D.Borial) نے کیا تھا۔ بوریل صاحب نے ۶۱۳۰ فٹ کی بلندی پر ایک سرنگ تعمیر بھی کرنا تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ایک اور انجینئر جے۔ ایڈم (J.Adam) نے ۷۴۰۰ فٹ کی بلندی پر ڈیڑھ میل لمبی سرنگ بنانے کی تجویز رکھی۔ لیکن اسوقت ریاست کی مالی حالت اس قابل نہ تھی کہ ان تجاویز پر عمل

کیا جاتا اس لئے یہ دونوں تجاویز دھری کی دھری رہ گئیں۔ بالآخر ۹۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ۶۵۰ فٹ لمبی سرنگ تعمیر کی گئی اور اسطرح سے ۱۹۲۱ء میں دو سو میل لمبی سڑک مکمل ہوگئی۔ ۱۹۲۲ء تک یہ سڑک ایک پرائیویٹ سڑک کے طور پر تسلیم کی گئی اور کسی یورپین کو مہاراجہ کی منظوری کے بغیر اس سڑک پر سفر کرنے کی اجازت نہ تھی اور ۲ مئی ۱۹۲۲ء میں ہی یہ سڑک دربار موو پر عوام کے لئے کھول دی گئی۔

تانگوں، گھوڑا گاڑیوں اور بگیوں کا سفر:

جموں اور سری نگر کی اس سڑک پر پہلے پہل تانگے اور گھوڑا گاڑیاں چلنا شروع ہوگئے جو چار یا پانچ دن میں جموں سے سرینگر پہنچ جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد Solid tyre والی موٹر (Van) جو آٹھ سے نو سواریوں کی منی بسیں ہوا کرتی تھیں چلنا شروع ہوگئیں۔ خود مہاراجہ پرتاپ سنگھ ان کی رانیاں اور مشیر ان بگیوں میں سفر کرتے تھے۔ یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہلکی موٹر گاڑیاں بھی اس سڑک پر چلنا شروع ہوگئیں۔

موسم سرما میں سڑک کا مسدود رہنا:

موسم سرما کے دوران پیر پنچال پہاڑ پر بھاری برف باری کے سبب یہ سڑک تقریباً تین سے چار ماہ تک بند رہا کرتی تھی۔ ہر چند کہ محکمہ پبلک ورکس اپنے محدود وسائل کو بروئے کار لاکر سڑک کو چالو کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی اُن کی کوششیں پوری طرح سے بار آور نہیں ہو پاتی تھیں۔ یہ وہ ایام تھے جب جموں سے راولپنڈی (پاکستان) تک بذریعہ ریل اور راولپنڈی سے براستہ کوہالہ سرینگر تک موٹر گاڑیوں، موٹر کاروں اور تانگوں و بگیوں کے ذریعے سفر کرنا پڑتا تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد جب ملک کا بٹوارہ ہوا تو حکومت پاکستان نے جہلم ویلی روڈ آمدورفت کے لیے بند کردی اور اس کے ساتھ ہی نمک۔ پٹرول اور دیگر ضروریات زندگی کی اشیاء کی سپلائی بھی بند کردی۔ اس طرح سے ریاستی حکومت اور حکومت ہند کے سامنے ایک بڑا اور پیچیدہ مسئلہ کھڑا ہوگیا کہ وادی میں ضروریات زندگی کی اشیاء کو کس طرح سے پورے سال کے لئے بہم پہنچانا ممکن بنایا جاسکے۔ باوجود تمام کوششوں کے برف باری کے موسم میں سڑک کو ٹریفک کے لئے صاف اور کھلا رکھنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ثابت ہونے لگا۔ کیونکہ ۹۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع سرنگ کئی کئی دنوں بلکہ ہفتوں تک بند رہا کرتی تھی۔

نندہ بس سروس:

مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت میں بانہال کارٹ روڈ پر بس کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ بس جموں کے ایک مہاجن دکاندار نے اس روڈ پر چلانا شروع کی۔ بس صبح سات بجے جموں سے روانہ ہوکر رات کو بٹوت میں قیام کرتی تھی اور پھر وہاں سے دوسرے دن نکل کر شام کو بانہال پہنچ جاتی تھی۔ اس بس کے اگلے حصے میں نو سواریاں اور پیچھے پچیس من بوجھ ہوا کرتا تھا۔ اس طرح سے یہ بس تیسرے روز پھر بانہال سے سرینگر کی طرف روانہ ہوجاتی تھی۔ اس کا ذکر قدرت اللہ شہاب کے ہاں یوں ملتا ہے "نندہ ہاؤس جموں شہر میں کپڑے کی سب سے بڑی اور کشادہ دُکان تھی۔ اس میں آٹھ دس کارندے ہر وقت مصروف رہتے تھے لیکن دُکان کے مالک نندہ صاحب خود بھی بہ نفس نفیس صبح سے شام تک بڑے انہماک سے کام کرتے تھے۔ وہ بڑے فربہ تن و توش اور تیم شیم آدمی تھے

اور اپنا وزن قابو میں رکھنے کے لئے ہر روز علی الصبح باقاعدگی سے ورزش کیا کرتے تھے۔ وہ سڑک پر چہل قدمی کرتے تھے جس طرح بادبانی جہاز سطح آب پر ہچکولے کھاتا ہے۔ پھر لکڑی کے دو ڈھائی فٹ اونچی چوکی پر کھڑے ہو کر دس بارہ چھلانگیں لگایا کرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے نندہ صاحب کے کاروبار کو چار چاند لگ گئے۔ بزازی کی دُکان تو دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرتی رہی۔ اب انہوں نے لاہور سے جموں اور جموں سے سرینگر تک ایک منظم بس اور ٹیکسی سروس بھی شروع کر دی۔"[1]

جواہر سرنگ کی تعمیر:

موسم سرما کے دوران ان مشکلات پر قابو پانے کا ایک ہی ذریعہ رہ گیا تھا۔ کہ پیر پنجال پہاڑی میں کسی نچلے مقام پر ایک ایسی سرنگ کو نکالا جائے جس کو برف باری کے موسم میں کھلا رکھا جا سکتا۔ اس منصوبہ کو روبعمل لانے کے لئے حکومت ہند نے ایک جرمن انجینئرنگ کنسٹرکشن فرم کی خدمات حاصل کیں اور ان انجینئروں کی مدد کے لئے حکومت ہند اور ریاست کے انجینئر بھی معاون رکھے گئے۔ نئی سرنگ میں دُو طرفہ گاڑیوں کی آمد و رفت ممکن بنانے کی غرض سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک کے بجائے۔ دو سرنگیں تعمیر کی جائیں اور آمد و رفت میں کوئی خلل یا مشکل پیدا نہ ہونے پائے۔ اس طرح پہلے مغربی سرنگ کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا جو ۱۹۵۴ء میں شروع ہوا اور اس کے بعد مشرقی سرنگ کا کام اگست ۱۹۵۴ میں شروع کیا گیا۔ یہ دونوں سرنگیں گھوڑے کی نال کی شکل کی ہیں جن

[1] شہاب نامہ۔ قدرت اللہ شہاب

کے اندر ۱۰ فٹ ۶ انچ چوڑی سڑک اور ایک طرف ۲ فٹ چوڑا فٹ پاتھ اور دوسری طرف ۲ فٹ چوڑا فٹ پاتھ ہے۔ سُرنگ کا دائرہ ۱۸x۱۶ فٹ ہے اور سُرنگوں کے درمیان میں دو مقامات پر چوڑی جگہ رکھی گئی ہے تاکہ کسی گاڑی کے خراب ہونے کی صورت میں اُسے اس جگہ سے منتقل کیا جا سکے۔ مغربی سرنگ کی لمبائی ۲۵۴۷ میٹر اور مشرقی سرنگ کی لمبائی ۲۵۵۱ میٹر ہے۔ ان دونوں سرنگوں پر اسوقت کے تخمینہ کے مطابق ۲۵۱ لاکھ روپے کے قریب اخراجات آگئے۔ ان سرنگوں میں رسنے والے پانی کو ایک طرف لا کر نالی کے ذریعے باہر نکالا گیا اور دونوں سرنگوں میں بجلی کی موٹی تاریں بچھا کر روشنی کا باضابطہ انتظام کر دیا گیا۔ سرنگوں کی چھتوں کو اگرچہ سیمنٹ کا پلستر کر دیا گیا اور پانی کو کناروں پر لایا گیا لیکن سرنگوں میں موجود چٹانوں کی جگہ سیمنٹ کا استعمال نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان چٹانوں سے پانی بہنے لگا اور اس کی مقدار میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ۱۹۹۰ء میں ان سرنگوں میں پانی رسنے کی کثرت کے سبب گاڑیوں کی آمد و رفت میں کافی دقت کا سامنا ہونے لگا۔ اسطرح سے ریاستی سرکار نے ۱۹۹۲ء کے دوران قریباً پندرہ کروڑ روپے کی لاگت سے دونوں سرنگوں کی مرمت ایک ملکی کمپنی کے ذریعے کرائی اور دونوں سرنگوں کے پورے چھت میں سیمنٹ پلستر کرا کے پانی کے رساؤ کو بند کر دیا اور روشنی وغیرہ کو بھی پوری طرح سے بحال کرنے کے ساتھ سُرنگ کے اندر ایسے خود کار کیمرے نصب کر دیے کہ سرنگ کے اندر کے حالات اور گاڑیوں کی رفتار کا پورا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ سرنگیں اور بھی پہلے سے لاجواب طور پر کار آمد

ثابت ہو رہی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا آدمی ایک روشنی والے صاف وشفاف کمرے کے اندر سے سفر کر رہا ہے۔ گاڑیوں کے دھوئیں کے اخراج کیلئے جا بجا Exhauster لگے ہوئے ہیں اور روشنی کا پورا انتظام موجود ہے۔

قومی شاہراہ کا درجہ:

۱۹۶۰ء تک اس سڑک کی نگرانی ریاستی سرکار کے محکمہ پبلک ورکس کے سپرد تھی۔ اگست ۱۹۶۵ء کو بانہال کارٹ روڈ (B.C.Road) کو قومی شاہرہ (National Highway) کا درجہ دے دیا گیا اور اس کی دیکھ ریکھ کا کام بارڈر روڈس آرگنائزیشن (BRO) کے سپرد کر دیا گیا جو پوری ذمہ داری کے ساتھ اس کی نگرانی اور مرمت وغیرہ کا کام جاری رکھے ہوئے ہے نیز اس کی چوڑائی میں بھی وسعت لائی گئی ہے۔ بہت سارے مقامات پر چھوٹے بڑے مضبوط پل تعمیر کئے گئے ہیں اور آج کل ایک چھوٹی گاڑی صرف آٹھ گھنٹے کے اندر جموں سے سرینگر تک کا سفر طے کر سکتی ہے۔

ایک نیا باب:

حال ہی میں مرکزی سرکار نے اُدھمپور سے سرینگر تک ریل لیجانے کا منصوبہ ہاتھ میں لیا ہے (USB) یعنے ادھمپور، سرینگر، بانہال ریل پروجیکٹ کا نام دیا گیا ہے جو ریاست کو ملک کے پورے ریلوے سسٹم کے ساتھ جوڑ کر سفر میں ایک انقلابی تبدیلی کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس پروجیکٹ کی تعمیر کا کام انڈین ریلوے کنسٹرکشن (IRCON) کی وساطت سے کیا جا رہا ہے جس کی شروعات ۲۰۰۵ء میں کی گئیں ہیں۔ اس منصوبہ کے تحت پیر پنچال پہاڑ میں چریل کے

مقام پر ۱۱.۲ کلومیٹر لمبی سرنگ کو مکمل کیا گیا ہے جس سے اب بانہال سے قاضی گنڈ تک کا سفر صرف ۹ سے ۱۰ منٹ تک کا رہ گیا ہے جس میں کوئی بھی برف باری یا موسم کی خرابی رکاوٹ کا موجب نہیں بن سکتی' جبکہ یہی سفر اس وقت گاڑی کے ذریعے ایک گھنٹہ سے زیادہ مدت میں طے ہوا چاہتا ہے اور وہ بھی اُسی صورت میں جب برف باری یا موسم کی خرابی کا احتمال نہ ہو۔

اس کے علاوہ مرکزی سرکار نے قومی شاہراہ کو فور لین (Four Lane) کی صورت میں کشادہ کرنے کا منصوبہ بھی ہاتھ میں لیا ہے' جس کی رو سے شاہراہ کو زیادہ سے زیادہ مستقیم اور کشادہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے تا کہ شاہراہ پر گاڑیوں کا سفر بلا رکاوٹ اور کسی وقت کے بغیر جاری رہ سکے۔ اس منصوبہ کے تحت تھبار بانہال کے مقام پر پیر پنچال پہاڑی میں ہی قریباً ۹ کلومیٹر لمبی اور ایک سرنگ تعمیر کرنے کا کام شد ومد کے ساتھ جاری ہے جو نو یگ کنسٹرکشن کمپنی کی وساطت سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ یہ دونوں سرنگیں ملک کی سب سے لمبی سرنگوں میں شمار کی جاتی ہیں جو ملک کے رسل و رسائل کی تاریخ میں ایک سنگ میل اور انقلابی نوعیت کا باعث ہوں گی۔ جن کی بدولت جموں سے سرینگر کا سفر بہت ہی محفوظ اور کم سے کم وقت میں طے کیا جا سکتا ہے' بلکہ دہلی اور ممبئی سے نکلنے والا مسافر براہ راست' وادی کشمیر میں پہنچ سکتا ہے۔ ملک کی یہ دونوں مذکورہ بالا بڑی سرنگیں بانہال علاقہ کے مقام پر ہی موجود ہیں' جن کا مشاہدہ قابل دید ہے۔

پیر پنجال ریلوے سرنگ:

پیر پنجال پہاڑ کو بیچ میں سے چیرتی ہوئی T-80 نام کی یہ پیر پنجال ریلوے سُرنگ جدید انجینئرنگ کا ایک حیرت انگیز اور انمول کارنامہ ہے یہ ملک کی سب سے بڑی اور ایشیا کی دوسری بڑی سرنگ مانی جاتی ہے۔ یہ سُرنگ ایک نیم دائرے کی مانند ہے جس کے ایک طرف ہلکی گاڑیوں کے لئے ایک موٹر پاتھ بھی رکھا گیا ہے۔ یہ سرنگ سو فیصد واٹر پروف ہونے کے ساتھ ساتھ جدید نظام سے لیس ہے۔ پُوری ٹنل کے اندر سی، ٹی، وی کیمرے نصب ہیں اور آکسیجن کی رسائی کا انتظام بھی موجود ہے تاکہ مسافروں کو تنفس کی کوفت کا سامنا نہ ہو، اس کے علاوہ ٹنل میں آگ کو بُجھانے کا بھی پوری طرح سے بندوبست کیا گیا ہے۔ ٹنل کی تعمیر میں آسٹریا ٹنلنگ کی جدید ٹیکنالوجی (NATM) کا استعمال کیا گیا ہے، جس کا ملک میں پہلی بار استعمال ہوا ہے۔ ٹنل سے اتنا زیادہ مواد ملبے کی صورت میں برآمد ہوا ہے جس سے تقریباً ایک اور پہاڑ کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ اس سرنگ کی تعمیر میں ۷۵۰۰؍ میٹرک ٹن لوہا اور ۳؍ لاکھ ۲۸؍ ہزار مکعب میٹر کنکریٹ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس پروجیکٹ کی تعمیر میں بانہال علاقے تک ۱۶۹۱؍ کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے جس میں سے سُرنگ کی تعمیر میں ۳۹۱؍ کروڑ روپے کی لاگت بتائی جاتی ہے۔ اس سُرنگ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ۱۵۰؍ انجینئروں اور ۱۳۰۰؍ کے قریب کارکنوں نے مسلسل سات برس کے عرصہ تک روز و شب محنت کے ساتھ کام کیا۔ بارہمولہ سے بانہال تک اس ریلوے سفر میں ۳۹ کے قریب چھوٹے بڑے پُل تعمیر کئے گئے ہیں جن میں دو بڑے اور

۳۰ چھوٹے پُلوں کے علاوہ وہ پُل ایسے ہیں جو سڑکوں کے اوپر سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ بانہال سے قاضی گنڈ تک کا سفر جو ۳۵ کلومیٹر تھا اب اس سرنگ کی مدد سے گھٹ کر صرف ۱۷.۷ کلومیٹر تک کا رہ گیا ہے جس کو ریل کے ذریعے صرف ۹ سے ۱۰ منٹ تک طے کیا جاسکتا ہے۔ یہ سُرنگ ۳۴۰ کلومیٹر ریلوے پروجیکٹ کا حصہ ہے جو مشکل راستوں اور پتھریلی چٹانوں سے گزرتا ہے۔ اس ریل نیٹ ورک کو ۲۰۰۲ء میں نیشنل پروجیکٹ قرار دیا گیا۔ سرکاری طور پر اسے جموں، اودھمپور، کٹرا، بانہال، قاضی گنڈ اور بارہمولہ لنک (Jusbrl) کہا گیا ہے جو ہر موسم میں ٹرانسپورٹ کا ذریعہ فراہم کرے گا۔ یہ برصغیر کا سب سے مشکل ترین پروجیکٹ مانا جاتا ہے جس پر دریائے چناب پر ۳۵۹ میٹر کی بلندی پر دُنیا کا سب سے اُونچا ریلوے پُل تعمیر کیا گیا ہے جو کٹرا کو قاضی گنڈ سے ملاتا ہے۔ ماہرین کے مطابق یہ پُل پیرس، فرانس کے ایفل ٹاور سے ۳۵ میٹر اونچا ہے۔ ناردرن ریلوے حکام کے مطابق جموں سے بارہمولہ تک ریلوے لائن کی تعمیر کا کام ۲۰۱۷ء تک مکمل ہونے کا نشانہ مقرر کیا گیا، جس پر سُرعت سے کام جاری ہے۔

پیر پنجال ٹنل، یوم جمہوریہ پر محکمہ ریلوے کی جھانکی:

امسال ۲۰۱۴ء میں راجدھانی دہلی میں محکمہ ریلوے کی طرف سے یوم جمہوریہ کے موقعہ پر جو جھانکی پیش کی وہ بانہال قاضی گنڈ ٹنل کی طویل ٹنل ہے جو محکمہ ریلوے کا ایک عجوبہ ہے۔ جس میں ایک ریل کو وادی سے بانہال وارد ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس جھانکی میں ۱۱ کلومیٹر طویل ٹنل کا بانہال والا سرا دکھایا گیا ہے جس کے آگے ہندی میں "بھارتیہ ریل" کے الفاظ کندہ ہیں جب

کہ دائیں بائیں مسافر کھڑکیاں پکڑے کھڑے دکھائے گئے۔ نیم دائرہ شکل کے ٹنل کے دہانے پر ہندی، اردو، انگریزی میں "پیر پنچال ٹنل" کے الفاظ تحریر ہیں جب کہ ریل ڈبہ لال رنگ کا ہے، یہ اسی ڈبے کی ہو بہو عکاسی ہے جس کا افتتاح گزشتہ برس وزیر اعظم منموہن سنگھ کے ہاتھوں ہوا تھا۔ محکمہ ریلوے نے اس ٹنل کی تعمیر کو ایک اہم حصولیابی قرار دیتے ہوئے اسے یوم جمہوریہ کی جھانکی میں پیش کر کے ملک کے سامنے لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ یوم جمہوریہ پر یہ جھانکی پیش کرنے سے نہ صرف محکمہ ریلوے اپنی پیٹھ کو تھپتھپانے میں حق بجانب ہے بلکہ اس سے ریاست میں شعبہ سیاحت کو مزید فروغ حاصل ہونے کی بھی توقع ہے۔

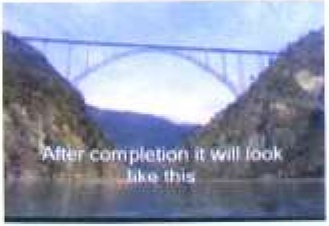
☆



دنیا کا بلند ترین ریلوے پل



بانہال اودھمپور ریلوے لائن پر زیر تعمیر پل



بلند ترین پل تکمیل کے بعد

آب وہوا، آبادی اور زرعی پیداوار

آب وہوا:

بانہال کا علاقہ ایک خوشگوار آب وہوا کا حامل ہے۔ یہاں پورے سال کے دوران ایک متوازن قسم کا موسم رہتا ہے یہاں جموں کی طرح موسم گرما کے دوران نہ سخت گرمی پڑتی ہے اور نہ وادی کشمیر کی طرح موسم سرما کے دوران کہر یا دھند چھائی رہتی ہے جس کا وہاں پر اکثر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ موسم سرما کے دوران جب ایک مسافر جواہر سرنگ کو عبور کر کے بانہال کی حدود میں پہنچ جاتا ہے تو وہ خود کو ایک صاف آسمان کے تلے اپنے آپ کو پاتا ہے البتہ موسم سرما کے دوران یہاں پر گاہے گاہے تیز قسم کی ہوائیں چلتی ہیں جو یہاں کی ایک خاص جغرافیائی خصوصیت ہے۔ دیکھا جائے تو یہی تیز ہوائیں یہاں کے آسمان کو صاف رکھنے کا موجب بھی ہیں۔ کیونکہ پنجاب سے آنے والی گرم ہوائیں بانہال پہنچکر پیر پنچال پہاڑ سے ٹکراتی ہیں اور وادی سے آنے والے بادلوں کو روک لیتی ہیں۔ جس کے سبب پیر پنچال پہاڑ کی اوپری چوٹی پر پورے جنوب

سے شمال کی سمت روئی کے سفید گالوں کی مانند بادلوں کی ایک موٹی لکیر نما تہہ دکھائی دیتی ہے جس کو یہاں کے لوگ ''واومال'' یعنے ''ہوا کی مالا'' بھی کہتے ہیں، جس کے بعد یہاں موسم صاف دکھائی دیتا ہے۔ لیکن تیز آندھیوں کے دوران یہاں پر کافی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کئی بار مکانوں کے کمزور چھت بھی اُڑ جاتے ہیں۔ بانہال کی ان تیز ہواؤں کے حوالے سے کئی کہانیاں بھی گھڑلی گئی ہیں۔ جن میں ایک فرضی کہانی یہ بھی ہے کہ یہاں لال باب صاحب نامی کسی بزرگ نے کسی زمانے میں بددعا دی ہے۔ جب کسی شبانہ دعوت میں اُن کے ساتھ بے احتیاطی برتی گئی اور وہ ناراض ہوکر وہاں سے چلے گئے جس کے بعد تیز ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں۔ لیکن یہ سب کہانیاں دورِ جہالت کی پیداوار ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

بانہال کا مرکزی علاقہ سطح سمندر سے قریباً ۵۵۸۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور آس پاس کے پہاڑی علاقے اس سے بھی زیادہ اونچے ہیں۔ یہاں کے نواحی پہاڑ دس ہزار فٹ سے بھی زیادہ اونچے ہیں دیگر مقامات کی طرح یہاں کا موسم بھی چار حصوں پر مشتمل ہے۔ موسم بہار مارچ کے وسط سے شروع ہوکر مئی کے آخر تک رہتا ہے اس کے بعد جون کے وسط سے ستمبر کے وسط تک موسم گرما رہتا ہے موسم گرما کے دوران یہاں پر ۲۰ ڈگری سے ۳۴ ڈگری تک اوسط درج کی گرمی پڑتی ہے۔ اس دوران یہاں کے بیشتر زمیندار اور گوجر لوگ اونچے پہاڑی مقامات میں اپنا مال و مویشی لیکر چلے جاتے ہیں۔ اکتوبر سے نومبر تک موسم خزاں اور دسمبر سے فروری تک موسم سرما رہتا ہے۔ موسم سرما کے دوران

یہاں پر بھی وادی ہی کی طرح سردی پڑتی ہے اور کبھی کبھی کافی برف باری ہوتی ہے۔ درجہ حرارت ۱۵ ڈگری سے نقطہ انجماد تک چلا جاتا ہے۔ اوپری پہاڑیوں پر یہ منفی ۱۵ ڈگری سے ۲۰ ڈگری تک بھی چلا جاتا ہے پیر پنجال پہاڑ پر بسا اوقات چھ فٹ سے زیادہ تک برف باری ریکارڈ کی جاتی ہے جبکہ نشیبی علاقوں میں چار فٹ سے زیادہ تک برف باری ہوتی ہے اور اُس وقت یہ علاقہ ایک خوبصورت سفید پوش وادی کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ قومی شاہراہ اس علاقے کے بیچوں بیچ سے گزرتی ہے اس لئے اشیاء رسد اور معمولات زندگی میں کوئی خاص خلل نہیں ہوتا۔ بھاری برف باری کے دوران جب قومی شاہراہ بند ہوجاتی ہے تو یہاں مسافروں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہاں کے مختلف مقامات پر مسافروں کے ٹھہرنے کیلئے شیلٹر شیڈ یا سرائیں تعمیر کی گئی ہیں جن میں مسافر مفت قیام کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقامی لوگ بھی رضا کارانہ طور پر ایسے اوقات میں مسافروں کی فراخدلانہ خاطر تواضع کرتے ہیں۔ مہو منگت، کھڑی، نیل اور پوگل وغیرہ بالائی علاقوں میں بھاری برف باری ہوجاتی ہے۔ ان میں سے بیشتر مواضعات کے لوگ دسمبر کے شروع ہوتے ہی تلاش معاش کی خاطر پنجاب اور ملک کے دوسرے علاقوں کا رُخ کرتے ہیں۔ جہاں پر یہ روزانہ اُجرت پر کام کرنے کے علاوہ شال وغیرہ بیچنے کا کام بھی کرتے ہیں اور کچھ لوگ کارخانوں میں اور دوکانوں پر بھی کام کرتے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں سے اب کئی لوگوں نے جموں میں بھی اپنے مکانات تعمیر کئے ہیں اور بیشتر لوگ موسم سرما کے دوران جموں چلے جاتے ہیں سرکاری اور غیر سرکاری مدارس کی سرمائی تعطیلات کے سبب بہت سے

طلباء بھی تعلیم اور تربیتی مہارت حاصل کرنے کے لئے جموں چلے جاتے ہیں۔ موسم سرما کے دوران برف باری کے بعد دھوپ کھل جانے کے بعد پوری وادی برف پوش دکھائی دیتی ہے اور یہ منظر قابل دید ہوتا ہے۔ یہاں کے بالائی پہاڑی علاقوں میں سرمائی کھیلوں کے لئے بھی اچھے امکانات ہیں اور یہ جگہیں توجہ کی مستحق ہیں۔

آبادی۔ ۲۰۰۹ کے اعداد شمار کے مطابق بانہال علاقے کی کل آبادی ایک لاکھ چھتیس ہزار اور اٹھتالیس نفوس پر مشتمل تھی جس میں مرد اور خواتین شامل ہیں، بانہال ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے جہاں تقریباً ننانوے فیصد مسلمان رہتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ کشمیری ہیں اس کے علاوہ گوجری اور پوگلی بولنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ ہندو لوگ جو کاروبار کی غرض سے یہاں آکر مقیم ہوگئے ہیں زیادہ تر دکانداری کا کام کرتے ہیں اس کے علاوہ پوگل، اکھڑ بال، رام سو اور چاناپاڑی وغیرہ علاقوں میں بھی ہندو لوگ بستے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ ٹھکر کہلاتے ہیں جو راجپوت خاندانوں سے اپنا تعلق بتاتے ہیں۔ پچانوے فیصد لوگ کشمیری بولتے اور سمجھ سکتے ہیں جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ یہاں پر کشمیری پنڈتوں کا صرف ایک گھر ہے جس کے مورث اعلیٰ ڈوگرہ دور حکومت میں سرینگر کے حبہ کدل بانغوان پورہ سے منتقل ہوکر یہاں متمکن ہوئے اور یہاں کے مندر میں پروہت کا کام انجام دیتے رہے۔ اُس کے بعد اُن کے بیٹے جیالال رینہ کے سپرد یہ کام ہوا۔ جیالال کا بیٹا شری مکھن لال یہاں کے واپڈ محکمہ میں ملازم ہوا اور مندر کی نگرانی بھی کرتا رہا۔ شری مکھن لال

کا یہاں اپنا مکان ہے۔ انہوں نے اب یہاں ایک پرائیویٹ سکول بھی کھولا ہے جو ہائی سکول کے درجے تک پہنچ گیا ہے۔ یہ سکول بھی مندر کے ساتھ منسلک سرائے میں تاحال چل رہا ہے۔ بانہال ایک ایسا علاقہ ہے جہاں پر کشمیری گوجری اور پوگلی یعنے (کھاہ بولی) بولنے والے لوگ عمومی طور پر ایک دوسرے کی زبان کو سمجھنے اور بولنے کی بھی کماحقہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ قصبہ بانہال مہومنگت، نیل اور کھڑی کا بیشتر علاقہ خاص کشمیری بولنے والا علاقہ ہے گوجری لوگ جو ہر ایک قریہ کے بالائی علاقوں میں رہتے ہیں گوجری زبان بولتے ہیں جس میں تقریباً ہر جگہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ پوگل پرستان، کھڑی، چاپناڑی اور آنجہال وغیرہ کے بالائی علاقوں میں بھی پوگلی بولی یا کھاہ بولی بولی جاتی ہے۔ پہاڑی زبان کا اس علاقے میں کوئی چلن موجود نہیں ہے بانہال میں ۶۰۱۱۵ افراد حق رائے دہی کا اختیار رکھتے ہیں جن میں ۳۷۰۹۸ مرد اور ۳۳۰۱۷ خواتین ووٹر ہیں جو مختلف پولنگ اسٹیشنوں کی حدود میں آتے ہیں۔ یہاں پر ایک ڈگری کالج ۶ ہائیر سکنڈری سکول ۳۰ ہائی سکول ۹۰ مڈل سکول اور ۲۳۰ کے قریب پرائمری سکول موجود ہیں اس کے علاوہ کئی پرائیویٹ تعلیمی ادارے ہیں جن میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

یہاں پر مختلف ذاتوں اور خانداں سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے ہیں جو مختلف اوقات میں یہاں آباد ہوتے رہے ہیں۔ کشمیری زبان بولنے والے لوگوں میں عام طور پر ملک، بٹ، تانترے، گنائی، راتھر، شیخ، ڈار، خان، نیاتیک، ریشی، وانی، جیلانی، سید۔ شاہ، آخون، گیری، کامگار اور دیو

وغیرہ ذاتوں کے لوگ ہیں۔ کئی ذاتوں کے ساتھ ذیلی عُرف بھی جڑے ہوئے ہیں جیسے منٹو، گگرو، مینگنو، نقصان، چرسو، شال، سہہ وغیرہ وغیرہ۔ پوگلی اور کھاہ بولی بولنے والوں میں مندرجہ بالا ذاتوں کے علاوہ، کٹوچ، بالی، پاشو، سہت، ڈوند، گوتھ، کاچرو، پسوال، بالی، اور پڑیہار جیسی ذاتوں کے لوگ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ پیشہ ور ذاتوں کے لوگ ہیں جو اپنے پیشے کے لحاظ سے معروف ہیں۔ ان میں نجار، ترکھان، کمار، چوپان اور موچی وغیرہ ذاتیں ہیں۔ اسی طرح سے گوجر طبقہ میں، چیچی، بجاڑ، چوہانڈ، گورسیانیا، گکھڑ، راوت، ٹون، دیڈڑ، برکٹ، مردیال، کوہلی، گورسی، تیڑوا، کھٹانہ، کثاریہ، گیلا، مہسی، ڈوئی، ورکڑ، سراونا، کالس، بٹانہ، بجھڑ، پملا اور ڈالو وغیرہ ذاتیں ہیں۔ اسلام میں چنانچہ ذات پات کی بدعت موجود نہیں ہے۔ اس لئے نجی امور اور رشتوں کے سلسلے میں کوئی بھید بھاو یا اونچ نیچ موجود نہیں ہے۔ یہاں پر موجود ہندووں میں جو ذاتیں ہیں اُن میں شرما ابرول۔ رینہ، گھوریہ، بالی، کٹوچ، سلاتھیا، بھوپتال، رانا، بوجمبال، انتھیال وغیرہ ذاتوں کے لوگ شامل ہیں۔

زرعی پیداوار اور خوراک:

بانہال کا علاقہ مجموعی طور پر ایک پہاڑی علاقہ ہے جہاں کا کُل رقبہ ۱۱۳۸۰۵۷ ایکڑ اراضی پر مشتمل ہے جس میں قریباً ۱۱۷۲۵۲ ایکڑ رقبہ قابل کاشت ہے اور باقی چراگاہوں اور غیر مزروعہ اراضی کی صورت میں موجود ہے۔ بیشتر آبادی پہاڑی مواضعات میں رہتی ہے جہاں مجموعی طور پر مکی کی فصل اُگائی جاتی ہے اور ربیع موسم کے دوران مال مویشی کے چارہ کے لئے گندم یا جو کی بھی

کاشت کی جاتی ہے۔کہیں کہیں سرسوں بھی اُگائی جاتی ہے لیکن تقریباً بہت ہی کم مقدار میں۔قصبہ بانہال سے لیکر نوگام تک پہاڑوں کے درمیان موجود جو وادی نما نیم میدانی پٹی ہے جو کئی مواضعات پر مشتمل ہے اس میں دھان کی کاشت ہوتی ہے۔اس کے علاوہ گند عدلکوٹ سے لیکر ڈولیگام تک اور چملواس، نیل اور کھڑی کے کم بیش زرعی رقبہ جات میں دھان بھی اُگائی ہے۔وادی کشمیر کی ہی طرح یہاں پر چاپینا اور کے ۷۸ وغیرہ اقسام کے چاول اُگائے جاتے ہیں۔
پرانے وقتوں میں یہاں سرخ قسم کے چاول بھی اُگائے جاتے تھے، جن کو (زگ) چاول کہتے ہیں۔یہ چاول عام طور پر بوئے جاتے تھے نہ کہ پنیری کی طرح لگائے جاتے تھے۔یہ چاول اگرچہ کھانے میں میٹھے ہوتے تھے لیکن اب چاولوں کی یہ قسم بالکل ناپید ہے۔اس کے علاوہ یہاں نشیبی علاقوں میں جاپان کی قسم کے چاول بھی اُگائے جاتے ہیں۔چاولوں کی یہ قسم بہت مقوی اور مٹھاس بھری ہوتی ہے جو کسی باہر کے علاقے یا ملک سے لاکر یہاں کاشت کی گئی ہے۔
لیکن دھان کی یہ قسم مقابلتاً دیر سے تیار ہوجاتی ہے اور اس پر ژالہ باری کا بھی احتمال رہتا ہے اس لئے احتیاط کے طور پر اس کی کاشت کم ہونے لگی ہے۔
شادیوں کے موقعوں پر اس چاول کی بہت مانگ رہتی ہے۔چاول کی یہ اقسام بھدرواہ اور بیلا وغیرہ جگہوں پر بھی اُگائی جاتی ہے۔ریلوے لائین کی تعمیر اور قومی شاہراہ کی چارلائین کی توسیع سے بانہال کی دھان کی زمین کافی گھٹ کر رہ گئی ہے جو بتدریج اور بھی کم ہوتی جارہی ہے۔
یہاں کے باقی ماندہ علاقوں میں عام طور پر مکی کی کاشت ہوتی ہے۔تقریباً

تمام پہاڑی علاقوں میں مکی کی فصل اُگائی جاتی ہے اور کہیں کہیں آلو کی بھی کاشت ہوتی ہے۔پہاڑوں میں آلو کی کاشت کرنے والے یہ لوگ بعد میں ان آلوؤں کو قصبہ کے زمینداروں میں دھان کے عوض فروخت کرتے ہیں جس سے ان کو اچھا فائیدہ ہوجاتا ہے۔لیکن اب یہ رواج بھی ختم ہوتا جارہا ہے۔
نیل، پوگل اور خاص کر مہومنگت کے علاقوں میں پیدا ہونے والے راجماش بہت ہی لذیز اور مقوی ہوتے ہیں جن کی صوبہ بھر میں کافی مانگ رہتی ہے اور انہیں اچھے داموں فروخت کیا جاتا ہے۔مہومنگت کے علاقے میں ایک خاص قسم کی مکی اُگائی جاتی ہے جو صرف تین ماہ کے اندر تیار ہوجاتی ہے۔اس مکی کا پودا عام مکی کے پودے سے چھوٹا اور تین سے چار فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔اس مکی کے دانے بہت ہی باریک اور آپس میں بہت نزدیک جڑے ہوتے ہیں۔یہ مکی کھانے میں از حد لذیز اور مٹھاس بھری ہوتی ہے اور اس کا آٹا بہت پسند کیا جاتا ہے۔اس کا رنگ دیکھنے میں پیلا مائل ہوتا ہے یہ مکی چھوٹے سائز کی ہوتی ہے۔یہاں پر باجرہ اور جو کی بھی کاشت کی جاتی ہے۔
وادی کشمیر کی طرح یہاں پر وہ تمام سبزیاں اُگائی جاتی ہے جن کی کاشت کشمیر میں ہوتی ہے۔ان میں کرم، ساگ، مولی، گاجر، کدو، بینگن، مرچ، ٹماٹر، کھیرے اور کریلے جیسی سبزیاں ہیں۔کم وبیش بند گوبی بھی اُگایا جاتا ہے۔پیاز اور گوبھی کی پیداوار برائے نام ہوتی ہے۔
لوگ زیادہ تر چاول کھانے کے عادی ہیں اور دوپہر اور شام کے وقت چاولوں کا استعمال کرتے ہیں۔ناشتہ کے وقت گھروں میں گندم کے آٹے کی

روٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ مکی کی روٹیاں بنانے کا رواج اب تقریباً ختم ہوتا جارہا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے والے لوگ جو عام طور پر مکی کا استعمال کرتے تھے اب رفتہ رفتہ چاول کھانے کے عادی بنتے جارہے ہیں۔ البتہ چائے کے ساتھ روٹیوں کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں پہلے ایام میں دودھ اور گھی کی کافی بہتات رہا کرتی تھی لیکن اب وہاں بھی اس میں کمی آتی جارہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر آبادی کا پھیلاو چراگاہوں پر لوگوں کے تجاوزات۔ بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر مال مویشی پالنے کے اخراجات میں اضافہ اور خاص کر نئی نسل کی بے توجہی اور سہل کوشی ہے۔ مکی کی روٹی، جنگلی سبزیاں اور دہی اور لسی کے قدرتی اور لذیز کھانے کا رواج جو اکثر پہاڑی علاقوں میں رائج تھا اب رفتہ رفتہ ختم ہوتا جارہا ہے اور اس کی جگہ بناوٹی اشیائے خوردنی کے استعمال کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔

میوے اور پھل:

بانہال کی آب ہوا سرد مرطوب اور معتدل ہے۔ یہاں کے لگ بھگ پورے علاقے میں ایک ہی طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں اخروٹ، آڑو، ناشپاتی، ناکھ، سیب، خوبانی، انار، انگور، بہی، آلو بخارہ، انجیر، ہاڑی اور املوک جیسے میوے شامل ہیں جو پرانے وقتوں سے چلے آرہے ہیں اور اب باغات وغیرہ لگانے کی طرف اچھی توجہ دی جارہی ہے۔ چند سالوں سے یہاں امرود، سنگترہ اور زیتون کے پودوں کی کاشت کے تجربے کئے جارہے ہیں جو ابھی محض تجربے کی منزل میں ہیں۔ یہاں پر زیادہ تر پیداوار اخروٹ کے پھل کی

ہوتی ہے جو یہاں کے میدانی اور پہاڑی علاقوں میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ سیب کے باغات لگانے کا عمل زیادہ پرانا نہیں ہے بلکہ صرف چالیس سال قبل کے عرصے سے اس سمت توجہ دی جارہی ہے۔ خوبانی، ناشپاتی، ہاڑی کی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ گلاس کا پھل بھی بہت کم ہوتا ہے۔ بانہال میں پیدا ہونے والا "ناکھ" اور یہاں کی مقامی "خوبانی" کے لذت کا کوئی جواب نہیں۔ گوکہ اس کا سائز زیادہ بڑا بھی نہیں ہوتا۔ آلو بخارہ اور بادام کی پیداوار بھی شوقیہ حد تک ہے البتہ اخروٹ کے درختوں کی شجر کاری میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اخروٹ کا کاروبار یہاں کا ایک خاص کاروبار ہے۔ مہومنگت علاقے کا اخروٹ شوپیان علاقے کے اخروٹ سے ملتا جلتا ہے۔ باقی اخروٹ کشمیر وادی کے اخروٹ کے مقابلے میں زیادہ معیاری نہیں ہے۔ محکمہ ہارٹیکلچر یہاں پر باغبانی کے فروغ میں زمینداروں کی خاص معاونت کرتا ہے اور زمینداروں کو درخت اور تاربندی لگانے کیلئے مفت تار بھی تقسیم کرتا ہے۔ مجموعی طور پر لوگوں کی باغبانی کی جانب رغبت بڑھتی جارہی ہے۔ پہاڑی علاقوں کی زمین کنڈی ہونے کے سبب زیادہ تر ہارٹیکلچر کے لئے موزوں ہے۔ جس کی طرف توجہ دینا زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔

جنگلات، جڑی بوٹیاں اور پھل:

بانہال کے مہومنگت، کھڑی، نیل، اور پرستان وغیرہ علاقہ جات میں کئی چھوٹے بڑے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ ان جنگلوں میں، کائیل، دیودار، بدھل، چیڑ وغیرہ کے اقسام کے درخت پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہاں عمارتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے اور بہت سی عمارتی لکڑی یہاں سے باہر بھی بھیجی

جاتی ہے۔لیکن گذشتہ چند سالوں سے لکڑی کی کٹائی پر بہت حد تک روک لگائی گئی ہے یہاں کے جنگلوں میں مختلف اقسام کی جڑی بوٹیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جن میں دھوپ، پتریس، کٹھ، پم زالن اور بُنفشہ وغیرہ شامل ہیں جو ادویات کے بنانے میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان جنگلوں سے گُچھیاں بھی برآمد ہوتی ہیں جو کاروبار کا ایک اچھا نجی ذریعہ ہیں۔لیکن یہ کاروبار کسی بڑے پیمانے پر موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر جنگلوں سے ریزن بھی نکالا جاتا ہے اور یہ کام محکمہ جنگلات کی نگرانی میں انجام دیا جاتا ہے۔ یہاں کے جنگلی علاقوں میں اور جنگلوں میں ریچھ، گیدڑ، لومڑی اور ہرن علاوہ شیر اور چیتے بھی پایے جاتے ہیں۔جن کے شکار کرنے پر اب پابندی عاید ہے۔ اس کے علاوہ ان جنگلوں میں چکور، جنگلی مُرغ، اور نیل وغیرہ قسم کے جنگلی پرندے بھی پائے جاتے ہیں۔ دیگر پرندوں میں، چیل، کوا، کبوتر، بلبل، مینہ ہدہد، چڑیا اور بہت سے ننھے منے پرندے شامل ہیں جو یہاں کے تمام علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور یہاں کی فطری خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔

☆

تاریخی اور تہذیبی پس منظر

بانہال سے مُتعلق تواریخی کُتب میں زیادہ وافر معلومات بہم نہیں ہیں البتہ کچھ ضمنی اشارے اور کچھ سیاحوں کے سفر ناموں کے کم وبیش حوالہ جات ہیں جو یہاں کے تواریخی حقائق سے متعلق کماحقہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ قطعہ ارض ہزاروں سالوں سے بیرونی سیاحوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور یہ سفر نامے بسااوقات ہمیں ایسی معلومات فراہم کرتے ہیں جن کے بارے میں مقامی تواریخ بالکل خاموش نظر آتی ہے۔

موجودہ بانہال کا لفظ بلاشبہ سنسکرت کے بانشالا یا وشلا تا لفظ سے مشتق ہے۔ یہ تنگ پہاڑی اور غیر مسطح وادی ہے' جس کے بیچوں بیچ دریائے بچھلڑی بہتا ہے' جو دریائے چناب کی ایک معاون ندی ہے' جو درہ بانہال کے دامن سے نکل کر آگے رام بن کے مقام پر دریائے چناب کے ساتھ جا ملتی ہے۔

<u>ڈینگ پال، بھاگرگا اور کرم بخش:</u>

<u>بانہال کے حکمران</u> ''بانہال کے حکمرانوں نے کلہن کے وقت میں کشمیر کے وسطی سیاسی دور میں اہم حصہ ادا کیا ہے۔ اس علاقہ میں کھش قبائل کے

سرداروں کی حکومت تھی پہلے ڈینگ پال (Deng Pal) نامی کھش حکمران ہوا اور اُس کے بعد بھاگیکا۔ (Bhagika) نام کا حکمران ہوا۔ ڈینگ پال نے اپنی لڑکی بھکشاچر کو بیاہی تھی جو کشمیری نسل تھا۔ ڈینگ پال کے بارے میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ جب اُس پر کشمیر کے راجاؤں نے حملہ کیا تو وہ چناب کو پار کر کے کول گلاب گڑھ میں مقیم ہوا اور ڈینگ بٹل پر بھی تسلط قائم کیا۔ اور یہ علاقہ ڈینگ بٹل کے نام سے مشہور ہوا۔ بھاگیکا نامی سردار کا داماد تھا۔ جو راجہ جے سنہا (۱۱۲۸۔۵۴ء) کا کھلم کھلا ایک دشمن تھا۔ قریباً (۱۰۰۱ء۔۱۱۱۱ء) کے آس پاس دشمن چکا جو اُچا چالا حکمران کا کمانڈر انچیف تھا، کشمیر کے بادشاہ کے خوف کی وجہ سے وشلاتا (بانہال) میں پناہ گزین ہوا تھا۔ لیکن بانہال میں کھش قبائل نے اُس پر دھاوا بول دیا اور اُسے جان سے ختم کر ڈالا۔ بادشاہ سُسّل (۱۱۲۰۔۲۸) جب دوسری بار تخت نشین ہوا، بہت سے قبائلی سردار جو یا تو فوج کے ہاتھوں شکست کھا چکے تھے یا سُسّل کے مخالفین کے ہاتھوں پسپاہ ہو چکے تھے انہوں نے بانہال علاقے میں پہنچ کر کھش قبائل کے ہاں پناہ حاصل کر لی۔[1]

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ بھاگیکا بانہال کا حکمران تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب کشمیری النسل بھکشاچر نے کشمیر میں تخت کو حاصل کرنے کے لئے کافی جدوجہد کی لیکن اُس کو ہر طرف سے باغیوں اور دشمنوں نے گھیر لیا اور اُس کا کام تمام کیا ہر چند کہ اُس نے اپنی شجاعت اور دلیری کا پورا مظاہرہ کیا۔ ۸۶۷۱ء میں یہاں

---

۱ Himalyan Principalities in Jammu,kangra & Bhaderwaw By Pt P.K.Koul P:26

پر کریم بخش نام کے ایک حکمران کا ذکر ملتا ہے جس کو کشتواڑ کے راجہ سوہان سنگھ نے مغلوب کر کے یہاں پر اپنا تسلط قائم کیا۔[1]

بانہال اور اس کے حکمران مختلف اوقات میں خودمختار رہے۔ لیکن بیشتر وقت تک کشمیر کے حکمرانوں سے مراعات حاصل کرتے رہے۔ کشتواڑ کی ہی طرح انہوں نے کشمیر کے کئی حکمرانوں اور قبائلی سرداروں کو پناہ دی جو مختلف اوقات میں وہاں کے مظالم اور بغاوت سے تنگ آ چکے تھے۔ انگریز مصنف اور سیاح چارلس بیٹس کا کہنا ہے ''شہنشاہ اکبر کے زمانے میں بانہال کا علاقہ ایک پرگنہ کے طور پر وادیٔ کشمیر کا ایک اٹوٹ حصہ رہا ہے اور ان روابط کے شواہد آج تک موجود ہیں۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے جو لباس، شکل وشباہت اور زبان میں کشمیریوں کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں''۔[2]

غرض یہ مجموعی طور پر ایک کشمیری علاقہ ہے اور یہاں کی زبان، طرزِ رہن سہن، بول چال اور رسم و رواج میں کشمیری تہذیب وتمدن کے اثر ونفوذ اور چھاپ کو اچھی طرح سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں سترھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایسے تاریخی شواہد بھی ملتے ہیں جن کی رو سے اس علاقے یا اس کے کچھ حصوں کو قلمرو کشتواڑ کے ساتھ منسلک ہونا ظاہر کیا گیا ہے اس لئے اس بات کا تذکرہ کیا جانا بھی ناگزیر بن جاتا ہے کہ ہم راجگان کشتواڑ کے اُن ادوار کو بھی ملحوظ نظر رکھیں، جن میں مختلف اوقات میں اس علاقے کا یا اس کے کچھ

---

۱ تاریخ کشتواڑ از حشمت کشتواڑی۔

۲ A Gazatter of Kashmir By: C.E Bates Page 137

حصوں کا اس مملکت کے ساتھ انسلاک رہا ہے۔ یاد رہے کہ مملکت کشتواڑ کی شروعات کا زمانہ نویں صدی عیسوی کے آغاز میں اُجین کے راجہ کاہن پال کے اس علاقہ پر تسلط کے زمانہ سے بتایا جاتا ہے اور یہ مملکت تقریباً ایک ہزار ایک سو سال تک ایک خود مختار سلطنت کے طور پر معرض وجود میں رہی بلکہ مصنف تاریخ کشتواڑ دونی چند شرما کے مطابق ''کشتواڑ کو مہابھارت کے وقت بھی ''لوہت منڈل'' کے نام سے جانا جاتا تھا اور اس کی ادبی اور ثقافتی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے''[1]۔ آپ نے کشتواڑ نام کا تعلق کشپ ریشی سے بتایا ہے اور اس دیو مالائی روایت کو معاون بنایا ہے کہ جس وقت کشمیر کی سرزمین ''ستی سر'' کے نام سے ملقب تھی اسوقت کشپ جی کشمیر کی طرف جا کر کوثر ناگ کی پہاڑی پر بیٹھ کر جھیل سے پانی نکالنے کیلئے تپیا کرتے رہے جس کے سبب اس سرزمین کا نام کشپ واڑ پڑا جو مرورِ ایام کے ساتھ کشتواڑ کے نام سے موسوم ہوا۔ بہر حال اس تاویل سے قطع نظر مصنف موصوف نے مملکتِ کشتواڑ کی حدود کو سترھویں صدی میں بانہال کے علاقے تک وسعت پذیر ہونا ظاہر کیا ہے۔

بقول آپ کے ''راجہ بھگوان سنگھ (۱۶۳۶۔۱۶۵۰) ایک بہادر سپاہی اور فاتح تھا۔ مغل دربار کے ساتھ اس کی رسائی نے اُسے اور قوت دانشمندی اور انتظامی ہنر مندی عطا کی تھی.......... اسلئے اس نے اپنی مملکت کو وسعت دینے کی خاطر توجہ دی۔ جیون سین اور کاہن سین نے اُسے اس مہم میں مدد کی۔ اس نے کاستی گنڈھ، لنتھی، رام بن، ڈنیگ، بٹل، پوگل، پرستان اور بانہال علاقہ کے

[1] History and Cultur of Kishtwar : By D.C Sharma

مقامی سرداروں کے خلاف مہم شروع کی اور معمولی مدافعت کے بعد ان علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اُس نے بانہال سے نالا آگے ایک پتھر کا نشان نصب کیا جس کو ''کشتواڑی پل'' یا ''کشتواڑی کنی'' کے نام سے آج تک برابر یاد کیا جاتا ہے'' (انگریزی سے ترجمہ۔ منشور) ظاہر ہے کہ یہ کشتواڑی پتھر آج بھی بانہال سے آگے ناچلانہ کے قریب نصب ہے جس سے مملکت کشتواڑ کی اُس وقت کی حدود کا تعین کیا جا سکتا ہے[1]۔

<u>بانہال کشمیر کے ایک پرگنہ کی حیثیت سے:</u>

بانہال کا علاقہ سترھویں صدی کے اوائل تک مالی اور انتظامی اعتبار سے صوبہ کشمیر کے ایک ''پرگنہ'' کے طور پر رہا ہے۔ ابوالفضل نے بانہال کو پرگنہ شاہ آباد (ویری) کے ساتھ شامل ہونا بتایا ہے جبکہ ولیم مورکرافٹ نے اسے پرگنہ بن ہل کے نام سے موسوم کیا ہے۔ نیز قاضی گنڈ گنڈ کے تیرہ مواضعات کو بھی بانہال کے ساتھ ہی مشمول دکھایا گیا ہے۔ ابوالفضل، زبان۔ جغرافیائی حالات تہذیب وتمدن اور حکومت کے اعتبار سے کشمیر کوالگ تھلگ دیس ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ''یہ دیس بانہال سے اوڑی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا حدود اربعہ مشرق میں پرستان جنوب مشرق میں بانہال اور جموں کی پہاڑیاں، شمال مشرق اور شمال مغرب میں تبت جنوب مغرب میں کھکر اور مغرب میں کھل اور کشن گنگا قرار پاتا ہے۔ اور اس کی لمبائی ۱۲۰ کوس اور چوڑائی دس سے پچیس کوس (کوس = برابر پونے تین میل) درج کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس کے چاروں طرف ہمالیہ کی

[1] History & Culture of Kashtwar :By D.C Sharma P.77

شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اُس کے بیان کے مطابق کشمیر کے دو حصے تھے مراز اور کمراز۔ مراز کے اکیس محال (پرگنے) اور کمراز کے سولہ محال (پرگنے) تھے۔
مراز کا مالیہ ۹۳۸۱۹۷ اخروار اور کمراز کا ۹۹۶۱۳۸۷ اخروار مقرر تھا۔

چغتائی بادشاہوں کے دورِ حکومت میں آصف خان نے بندوبست کے اہتمام کی جو تفصیلات مرتب کی ہیں اُس کے مطابق پرگنہ بانہال سے چھ ہزار چار سو پینتیس (۶۴۳۵) خروار آمدن کا تخمینہ سرکاری خزانے میں جمع کیا جانا ظاہر کیا گیا ہے[۱]۔ سترھویں صدی کے نصف اول کے بعد یہ علاقہ یا اس کا کچھ حصہ قلمرو کشتواڑ کے زیرِ تسلط رہا' تاوقتیکہ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اسے سکھوں کی حکومت کے زوال کے بعد صوبہ جموں کے ساتھ ملا دیا۔ جس کی توثیق تاریخ حسن کے مصنف حسن شاہ کھویہامی کے اس بیان سے عیاں یوں ہو جاتی ہے
''بانہال علاقہ: کشمیر سے ۶۳ میل دور جنوب کی سمت۔ اونچائی ۵۵۸۰ فٹ۔ یہاں مسلمان اور ہندو اکٹھے رہتے ہیں۔ زبان کشمیری ہے۔........ یہ قصبہ ہمیشہ سے کشمیر کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ سکھوں کی حکومت کے زوال کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے اسے جموں کے ساتھ ملایا[۱]'' (کشمیری سے ترجمہ۔ منشور)

آگے چل کر مصنف ''کشمیر کے صوبہ جات'' عنوان کے تحت یوں رقمطراز ہے ''جب جلال الدین اکبر نے ہندوستان کے بہت بڑے ملک کو زیرِ تسلط لایا تو اُس نے اِس کے انیس صوبے بنائے۔ جیسے شاہ جہان آباد دہلی۔ اکبر آباد جسے آگرہ کہتے ہیں۔ الہ آباد۔ اودھ۔ پٹنہ جو عظیم آباد کے نام سے مشہور ہے۔

۱۔ تاریخ حسن۔ از حسن شاہ کھویہامی۔ ص ۴۹۰۔ تاریخ حسن ترجمہ ڈاکٹر شمس الدین احمد۔ ص ۳۱۷۔

بنگال۔ اُڑیسہ۔ اورنگ آباد برار۔ خاندیس۔ مالوہ۔ اجمیر۔ گجرات۔ ملتان۔ لاہور۔ کابل۔ قندھار اور کشمیر۔ اور اس صوبہ (کشمیر) میں اٹھاون ضلعے ہیں........ چھ ضلعے مغرب اور جنوب کی سمت ہیں۔ پونچھ۔ راجوری۔ نوشہرہ۔ کھل۔ بانہال اور مڑواواڑون خاص ملک کشمیر میں ۳۸ ضلعے ہیں[۱]۔ ہر ضلع کا نام پرگنہ رکھا گیا ہے۔ اس سے پھر واضح ہوتا ہے کہ بانہال کو ایک ضلع یا پرگنہ'' کے طور پر حیثیت حاصل رہی ہے۔ جس کے تہذیب وتمدن پر کشمیر کے تہذیب وتمدن سیاسی' سماجی' اور ثقافتی عوامل کا بھرپور اثر رہا ہے' اور جنوب مشرق کے پہاڑی حصوں میں کشمیری کے ساتھ ساتھ پوگلی اور پہاڑی کلچر کی بھی آمیزش رہی ہے۔ اس لئے بانہال کا تذکرہ کرتے وقت وادی کشمیر کے اس تاریخی پس منظر کا ایک ضمنی حوالہ دینا ضروری بن جاتا ہے جس کا یہاں کی تہذیبی نشوونما کے ساتھ ایک گہرا اور اٹوٹ رشتہ رہا ہے۔ قارئین کی سہولت کے لئے اس تاریخی تسلسل کے چیدہ چیدہ ادوار کی طرف ایک اجمالی اشارہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس پیوستگی کا ایک اندازہ ہو سکے۔

کشمیر کی تہذیبی سرگزشت کا ریکارڈ قریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے ہمیں ملتا ہے۔ اوائل میں یہاں یونانیوں کے حملے ہوتے رہے اور بعد کی صدیوں' میں ہندومت اور بدھ مت نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ یونانی اور رومی فن تعمیرات کے اثرات اور مارتنڈ اور اونتی پور کے کھنڈرات کے آثار اسطرح کے ثبوت ہیں[۲]۔ ساڑھے چار ہزار سال کی طویل تاریخ کے دوران کشمیر کی سرکاری' علمی

۱۔ پٹھانوں کے دورِ حکومت میں پرگنوں کی تعداد صرف ۳۶ بتائی گئی ہے۔ ۲۔ عکسِ کشمیر۔ ڈاکٹر صابر آفاقی ص ۱۰۔۱۱

وادبی اور دینی زبان سنسکرت رہی جو شاردا رسم الخط اور بوج پتر پر لکھی جاتی تھی۔ اس عہد کے علوم وفنون پر ہندو عقائد واعتقادات کی چھاپ نظر آتی ہے۔ تالابوں چشموں اور ستونوں پر دیوتاؤں کی مورتیاں اور شبیہیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں جن کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں بقول سر والٹر لارنس اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ کشمیر اُسوقت سے ایک باقاعدہ مملکت رہی ہے جب سے تاریخ لکھنے کا رواج ہوا[۱]۔

اڑھائی ہزار قبل مسیح سے لیکر چودھویں صدی کی دوسری دہائی تک ہندو راجاؤں کا دور رہا اور اس کے بعد مسلم عہد حکومت کا آغاز ہوا۔ اس پہلے عرصہ کے دوران ان راجگان کے تقریباً بیس یا اکیس خاندانوں نے کشمیر پر حکومت کی جن میں تقریباً اٹھارہ خاندان مقامی اور باقی غیر مقامی تھے جن کی حکومت کا اثر وادی کی طرح آس پاس کے پہاڑی علاقہ جات پر بھی پڑا۔ ان خاندانوں کے حالات کے بارے میں اہم ماخذ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی ہے اور اس کے علاوہ محمد دین فوق کی ''تاریخ کشمیر'' میں بھی ان کی نشاندہی پائی جاتی ہے۔ اس عرصہ حیات کے دوران کچھ رعایا پرور حکمران بھی آئے جنہوں نے یہاں کی تعمیر وترقی کی جانب پوری توجہ کی اور درمیان میں کچھ ایسے خود پسند اور ظالم حکمران بھی مسلط ہوئے جنہوں نے عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے اور یہاں کے عوام کو مظلوک الحال بنا کر رکھ دیا۔

۱۔ سر والٹر لارنس۔ دی ویلی آف کشمیر۔

اس دور کے حکمرانوں پر یوں ایک نظر ڈالی جا سکتی ہے:

	نام خاندان	عرصہ حکومت	مدت	تعداد حکمران
۱۔	راجگان جموں	[illegible]۸۵ق م	۵۵سال	۳۵
۲۔	اوگنند خاندان	۳۱۸۵ق م ۳۰۳۶ق م	۸۵سال	
۳۔	پانڈو خاندان	۳۰۳۶ق م ۲۰۳۲ق م	۸۹۴سال	۱۲۳
۴۔	راجگان مالوہ		۱۵۴سال	۴
۵۔	گودھر خاندان		۲۶۴سال	
۶۔	راجگان جموں دوسری بار		۲۸۷سال	
۷۔	شہزادگان ترکی غیر مقامی		۳۱سال	
۸۔	خاندان گوہر (دوسری بار		۴۳سال	
۹۔	راجگان مالوہ (دوسری بار)	۱۲۱۸_۱۰۲ق م	۱۰۴سال	۱۱۷حکمران
۱۰۔	راجگان اوجین	۹۳ق م تک	۱۰۰سال	
۱۱۔	بیجے خاندان		۹۲سال	
۱۲۔	خاندان مالوہ (تیسری بار)	پہلی صدی عیسوی	۹۴سال	
۱۳۔	راجہ بکرم واتی اوجین		۱۰۲سال	
۱۴۔	راجگان مالوہ (چوتھی بار)		۵۱۵سال	
۱۵۔	کارکوٹ بنسی	۶۱۷ء۔۸۷۰ء	۲۵۳سال	

۱۶۔	تھار خاندان	۸۳ سال
۱۷۔	خاندان مالوہ (پانچویں بار)	۱۰ سال
۱۸۔	پردوگپت	۵۰ سال
۱۹۔	راجگان لوہر کوٹ	۱۶۰ سال
۲۰۔	اوپیادیو خاندان	۱۴۷ سال

راجہ او گلند:

مورخ حسن کے مطابق یہ راجہ کلجوک (یا کلیگ) سے بیس سال پہلے کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ اسی راجہ کے عہد سے راجاؤں کے حالات قلمبند کرنے کی ابتدا ہوئی۔ کچھ مصنفین اسے جموں کا راجہ کہتے ہیں اور کئی یوں کے نزدیک یہ متھرا کے ایک گاؤں اکبر آباد (آگرہ) سے متعلق تھا۔ اس خاندان کے راجاؤں نے ۸۵ برس تک کشمیر پر حکومت کی راجہ مہر کل (۷۰۴ ق م۔ ۶۳۴ ق م) راجہ وسوکل کا بیٹا تھا جو جنوبی ہندوستان اور سنگھل (لنکا) پر سخت حملہ کرنے کے بعد وہاں کسی کو اپنا جانشین بنا کر کشمیر آیا[1]۔ مہر کل بہت ہی سفاک اور ظالم راجہ تھا جو معمولی سی غلطی پر

لے ان راجاؤں کے ناموں کی تفصیل نہ راج ترنگنی میں ہے اور نہ ہی کسی مسلمان مورخ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ البتہ خواجہ اعظم دیدہ مری کے بعد تاریخ حسن کے مصنف حسن شاہ کھویہامی نے سلطان زین العابدین کے حکم سے راج ترنگنی کے فارسی ترجمہ "وقائع کشمیر" از ملا احمد کشمیری کے نایاب نسخہ کو دریافت کر کے اس میں درج گمشدہ ۳۵ راجاؤں کا ذکر اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اور ان کی تعداد ۳۵ بتائی ہے اور ان کے نام بھی درج کئے ہیں۔ جن میں پہلا راجہ ہرن دیو اور آخری راجہ کا نام پربلادہ ہے۔ راج ترنگنی کے اردو مترجم ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ نے ان راجاؤں کے نام محمد دین فوق کی تاریخ کشمیر سے نقل کئے ہیں لیکن ان میں بائیسویں راجہ سُندر سین کے بعد ناموں کا اختلاف ہے اس لئے تاریخ حسن کے مولف کے ناموں کو ہی قابل اعتبار سمجھا گیا ہے جس نے اصل متن پنڈت رتنا کر کی تاریخ سے نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ حسن۔ جلد اول ص ۱۵ اسے آگے)۔

بھی لوگوں کو قتل کر دیتا تھا۔ اس نے کئی لاکھ بے گناہ عورتوں کو اس لئے قتل کر دیا کہ وہ پاکدامن نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قندھار کی فتح کے موقع پر اس نے قریباً نو لاکھ بے گناہ لوگوں کا بہیمانہ قتل کر دیا اور تین لاکھ کو اپنی فوجوں میں غلاموں کے طور پر بانٹ دیا۔ مہر کل کشمیر کے جنوب میں ہیر پور کے سامنے والے سلسلہ کوہ کے راستے وادی کشمیر میں وارد ہوا جس کی بلندی گیارہ ہزار فٹ بتائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس درہ سے گذرتے ہوئے ایک ہاتھی لڑھک کر نیچے گر گیا اور اُس نے بہت چیخا اور چنگھاڑا۔ راجہ کو اُس کی بے بسی کا یہ منظر دل کو بھلا لگا اور اُس نے اپنے دل کو بہلانے کے خاطر اسی جگہ پر ایک سو ہاتھیوں کو بلاوجہ گرا دیا اور خود اُن بے گناہوں کی موت کے منظر کو دیکھ کر خوش ہوتا رہا جس سے اُس کی بے رحمی اور سنگدلی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ مقام اُس وقت سے "ہسی ونز" یا "ہسی ونج" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مہر کل کے ظالمانہ برتاؤ سے لوگ ٹولیوں کی صورت میں بھاگ کر پیر پنجال کے اس پار پہاڑوں میں پناہ لیتے رہے اور پونچھ سے لے کر چناب ویلی تک جگہ جگہ تک پناہ گزین ہوئے۔

للتادت مکتا پیڈ:

راجہ للتادت (۷۱۵۔۷۵۲) جو مکتا پیڈ کے لقب سے مشہور ہے ۷۱۵ء میں اپنے سخت گیر بھائی تاراپیڈ کے بعد تخت پر بیٹھا جس کے ظلم کی وجہ سے لوگ وادی سے باہر پہاڑی علاقوں میں پناہ لیتے رہے۔ للتادت نے حکومت کو انصاف اور عدالت کے ساتھ سنبھالا اور سلطنت کو منظم کرنے کے بعد ایک بھاری فوج کو لیکر پنجاب اور دہلی کو فتح کیا۔ اس کے بعد قنوج کے راجہ یشودرم

(بشودرمن) سے جنگ کی اور اُسے شکست سے دوچار کیا۔ لیکن راجہ باج گزار ہوا اور اُسے ملک واپس کر دیا۔ اس کے بعد کلنگ اور بہار کو فتح کرنے کے بعد کاویری تک پہنچ گیا۔ یہاں سے آپ نے کابل اور خراسان کا رخ کیا اور پھر سمر قند۔ تاشقند۔ کاشغر ختن ترکستان اور وسط الشیا کو پامال کر کے سائبیریا اور ترکستان تک پہنچ گیا اور بعد میں بارہ سال کے بعد کشمیر کی خوبصورت وادی کی طرف رُخ کیا۔ للتادت نے مختلف ممالک سے علماء، فضلا اور دانشوروں کو جمع کر کے علم و ادب اور فنون کو فروغ دیا۔ اُس نے کشمیر کے کونے کونے میں۔ تالاب۔ کنویں۔ غسل خانے۔ مہمان خانے اور شفا خانے تعمیر کر کے لوگوں کو راحت پہنچانے کی کوشش کی۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے پرسپور کے بُت خانوں میں ہزاروں کی تعداد میں سونے اور چاندی کے مجسمے نصب کر لئے۔ کلہن نے مارتنڈ مندر کی تعمیر کو للتادت سے منسوب کیا ہے۔ لیکن مورخ حسن نے لکھا ہے کہ اُس نے صرف اس کی مرمت کی اور اس پر کافی روپیہ خرچ کیا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ للتادت کی فتوحات کے بارے میں زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن اس بات پر سب متفق نظر آتے ہیں کہ للتادت ایک رعایا پرور اور انتظامی صلاحیتوں سے مالا مال راجہ تھا۔ لیکن کبھی کبھی جلد بازی کی وجہ سے نامناسب حرکات بھی کر لیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار اُس نے اپنے بسائے ہوئے شہر پارسپور کو جلانے کا بھی حکم دیا۔ للتادت چھتیس سال سات ماہ اور گیارہ دن تک حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ آپ سے پہلے کسی بھی راجہ نے کشمیر میں اتنے تعمیرات نہیں کئے اور نہ مندروں پر اسقدر سونے چاندی کے ملمع

چڑھائے۔ آپ کے عہد کو کشمیر میں ترقی اور سکون کا زمانہ کہا گیا ہے[1]۔

راجہ سہدیو (۱۳۰۱ء۔۱۳۲۰ء):

راجہ سہدیو کشمیر میں راجگان ہنود کا آخری حکمران تھا جس نے ۱۳۲۳ تک حکومت کی اُس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سرگرم لیکن کم قوت ارادی والا راجا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی وفات کے بعد گدی نشین ہوا اور ایک مسلمان کام سہا کی مدد سے اپنے اقتدار کو توسیع دینے میں کامیاب ہوا۔ اُس نے راجوری کے مشرقی حصے پر چڑھائی کی اور اُسے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے آخری دور میں اخلاقی گراوٹ اور بُرائیاں بہت زیادہ جڑ پکڑنے لگیں اور عوام پریشان حال ہوتے رہے۔ اُس کا وزیر رام چند بہت دانا اور قابل منتظم تھا۔ راجہ سہدیو نے چودہ سال پانچ ماہ تک حکومت کی اُس کے دور حکومت میں باہر کے مقامات سے کچھ لوگ کشمیر آئے اور راجہ کی ملازمت میں رہے جن میں وادی سوات سے شہمیر اور مغربی تبت یعنی لیہہ سے رنچن نامی شخص یہاں وارد ہوا۔ شاہمیر کے حسب ونسب سے متعلق مختلف روایتیں ہیں کچھ اُسے پانڈووں کے خاندان سے جوڑتے ہیں اور کچھ اُس کا سلسلہ نسب سوات کے حکمرانوں سے بتاتے ہیں۔ شاہ میر کے والد کا نام طاہر اور دادا کا نام وقور شاہ تھا جو بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ سہدیو نے اُسے ملازمت دی اور بارہمولہ کے پاس ایک گاؤں بھی جاگیر کے طور پر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس مہاجر مسلمان نے سہدیو کو اپنا اقتدار مضبوط کرنے میں بہت ہاتھ بٹایا۔ راجہ سہدیو کی حکومت کو ایک

---

[1] واقعات کشمیر از خواجہ اعظم دیدہ مری ترجمہ ڈاکٹر شمس الدین احمد ۵۵،۵۸۔

نقطۂ انقلاب کہا جاتا ہے' اس کے وقت میں تاتاری حکمران ذوالقدر خان جسے زلچو کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے نے کشمیر پر بہیمانہ حملہ کیا۔ ذوالقدر خان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ہلاکو خان کی اولاد میں سے تھا جو ستر ہزار سواروں کے ساتھ ترکستان سے کابل کی راہ سے آ کر بہت سے شہروں میں قتل عام کرنے کے بعد کشمیر کی جانب وار ہوا اور اپنے میان میں سے اپنی خون نوش تلوار نکال کر قتل عام کیا۔ یہ حملہ اُس نے بارہمولہ کے مغربی دروازے سے داخل ہو کر کیا اور کامراز سے لیکر مراز تک جس کو بھی پایا قتل کر دیا۔ جون راج کے مطابق ''کشمیر کے لوگ اس آگ میں کیڑے مکوڑے ہو کر رہ گئے'' اُس کی تباہی کا عالم آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ سہدیو اپنے لشکر کی طاقت کو مقابلے کے لئے مُستعد نہ پا کر کشتواڑ کی جانب بھاگ گیا۔ جاڑا آتے ہی جب کشمیر میں رسد ختم ہوا تو اُسے وہاں سے نکلنے کا خیال آیا اور ہزاروں کشمیریوں کو قیدی بنا کر درہ بانہال سے واپسی کی راہ اختیار کی قیدیوں نے اُسے بدلہ چکانے کی غرض سے گمراہ کیا اور دشوار ترین گزرگاہ سے نکلنے کا مشورہ دیا' جونہی قافلہ درّہ بانہال درے کے قریب پہنچا تو ایک خوفناک طوفان برف و باد اٹھا اور اُس نے سب کو نگل کر موت کے منہ میں دھکیل دیا''۔ اس طرح سے ذوالچو اپنی فوج اور پچاس ہزار قیدیوں کے سمیت برف میں دب کر ہلاک ہو گیا۔

☆

دورِ سلاطین

(۱۳۳۹ـ۱۵۵۳)

رینچن شاہ' جسے رینچن بھوٹی' یا رینچن تبتی بھی کہا گیا ہے' سہدیو کے دور میں کشمیر آیا اُس کے ہمراہ دوسرا آدمی شاہ میر بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رینچن نے اپنے باپ' تبت کے بادشاہ سے جھگڑا کر کے کشمیر کا رُخ کیا۔ ذوالقدر خان اب نیست و نابود ہو چکا تھا اور سہدیو کا وزیر رام چند اپنا اقتدار قائم کرنے کی سوچ رہا تھا۔ رینچن نے تبتیوں کی مدد سے رام چند کو قتل کرا دیا اور اُس کی بیٹی کوٹہ رانی سے شادی کرنے کے بعد ۱۳۲۳ء میں کشمیر کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ رینچن کسی پائیدار مذہب کو اختیار کرنا چاہتا تھا جس میں نسلی امتیاز اور تفریق نہ ہو۔ ایک روز اُس نے علی الصبح ایک شخص کو دریا کے اُس پار بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ محوِ عبادت دیکھا جس کو دیکھ کر وہ متاثر ہوا اور اُس کو اپنے پاس بلوایا۔ یہ شخص سراج الاسلام شرف الدین عبدالرحمان ترکستانی تھا جو بعد کو بلبل شاہ کے نام سے کشمیر میں مشہور ہوا اور یہی وہ بابرکت ہستی تھی جس کے طفیل کشمیر میں دین اسلام داخل ہوا[1]۔ رینچن نے اس سے ملنے کے بعد اسلام قبول کیا' اور اُنہوں

[1] سید شرف الدین بلبل کشمیر میں آخری ہندو بادشاہ سہدیو کے وقت میں تشریف لائے آپ ایک عارف کامل، سالک واصل اور باکمال متقی اور بزرگ دین تھے۔ ۱۳۲۷ء کو واصل بحق ہوئے۔

نے رینچن کا نام صدرالدین رکھا۔ دریائے جہلم کے کنارے (نوا کدل اور عالی کدل) کے درمیان اپنے مرشد بزرگوار کے لئے رینچن نے ایک خانقاہ بنوائی اور یہ پہلی خانقاہ ہے جو کشمیر میں تعمیر ہوئی جسمیں مسافروں اور باورچی خانہ کا انتظام چلانے کے لئے چند گاؤں مقرر کر لیے گئے۔ دو سال چھ ماہ تک حکومت کرنے کے بعد کشمیر کا یہ اولین بادشاہ فوت ہوا۔ صدرالدین کی وفات کے بعد راجہ سہدیو کا بھائی اودیان دیو جو پکھلی اور ہزارہ کی طرف بھاگ گیا تھا جس کو کوٹہ رانی نے واپس بلایا اور وہ اقتدار پر قابض ہوگیا۔ اُس نے صدرالدین کی بیوی سے شادی کر لی مگر اسی دوران ایک ترک حکمران اروان نے چڑھائی کی اور راجہ اودیان بھاگ گیا۔ کوٹہ رانی نے شاہ میر کی مدد کی جس نے اروان کو شکست دی اور راجہ اودیان واپس آگیا۔ اُس کی وفات کے بعد کوٹہ رانی نے تخت سنبھالا اور اپنے دو بھائیوں کی مدد سے حکومت کی (کوٹہ رانی کو کشمیری میں کوترٗانی یعنی مادہ کبوتر کے نام سے بھی پکارتے تھے)۔ دریں اثنا شاہمیر نے اُس کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہا اور فوج کشی کی۔ شاہمیر نے اس کے دونوں بھائیوں کو قتل کیا اور کوٹہ رانی کو محصور کرنے کے بعد اُسے اپنے ساتھ شادی پر آمادہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے شاہمیر کی پیش دستی کا مقابلہ نہ کرتے ہوئے ساز و سنگار سے آراستہ ہو کر بستر عروسی پر بیٹھ کر خود کو پیٹ میں چھرا گھونپا اور اپنے عاشق بالجبر کو اپنے خون سے حقارت بھرا نذرانہ پیش کیا۔ کوٹہ رانی کے بعد شاہمیر تخت نشین ہوا۔

سُلطان شمس الدین شاہ میر:

(۱۳۳۹_۱۳۴۲) کوٹہ رانی کے بعد شاہ میر تخت پر بیٹھا اور خود کو شمس الدین

کا لقب دیا۔ سلطان شمس الدین تین سال اور پانچ ماہ تک تخت نشین رہا اُس کے بعد اس خاندان کے لگا تار ۳۱ حکمران ہوئے جنہوں نے دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ شاہمیری دور کشمیر میں فارسی علم و ادب کے عروج کا زمانہ سمجھا جاتا ہے جسمیں کشمیر نے مختلف میدانوں میں کافی ترقی کی یہ دور تقریباً ۱۵۶۰ تک قائم رہا۔

شاہمیری دور میں ہی سیدالاولیا میر سید محمد حسین سمنانیؒ براستہ بہرام گلہ پیر پنچال ۱۳۵۹ء میں کشمیر میں قدم رنجہ ہوئے اور دینِ اسلام کی آبیاری کا کام شروع کیا۔

سُلطان شہاب الدین:

(۱۳۵۹_۱۳۷۹) سلطان شہاب الدین للتادت کے بعد دوسرا کشمیری حکمران تھا جو دنیا کو فتح کرنے کے ارادے سے کشمیر سے نکلا اور وہ علاقے پھر سے کشمیر کی قلمرو میں داخل کردئے جو للتادت نے فتح کئے تھے۔ آپ اپنے بھائی علاؤالدین کے بعد تخت نشین ہوئے۔ آپ نے پہلے پنجاب پر حملہ کیا اور پھر پشاور پر لشکر کشی کرکے ہندوکش تک پہنچ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے پکھلی اور سوات کو فتح کرنے کے بعد کابل، قندھار، ہرات، بدخشان اور خراسان تک اپنا تسلط قائم کیا اور آپ کی فتوحات کا بڑا غلغلہ رہا۔ آپ کی اہم ترین مہم میں دہلی کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق پر چڑھائی کرنا ہے جو بعد میں باہمی صلح و صفائی پر ختم ہوئی لیکن کچھ مورخین آپ کی ان جملہ فتوحات کی تائید نہیں کرتے البتہ آپ کی

رعایا پروری اور عدل وانصاف گیری کی سراہنا کرتے ہیں۔ سلطان شہاب الدین پہلا بادشاہ ہے جس نے شاہمیری خاندان کے کارناموں کو بام عروج تک پہنچایا۔

بانی مسلمانی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کا آپ کے ہی دور اقتدار میں پہلی بار ستمبر ۱۳۷۲ء میں یہاں تشریف لانا بتایا جاتا ہے[1]۔

سُلطان قُطب الدین (۱۳۷۸۔۱۳۹۴):

مولف تاریخ حسن کے مطابق سُلطان قطب الدین ۱۳۷۸ء میں تخت نشین ہوئے آپ نے لوہرکوٹ کے حاکم جس نے بادشاہ کے خلاف علم بغاوت لہرانے کی سازش کی تھی کو شکست سے دوچار کر دیا۔ آپ کے دور حکومت میں حضرت شاہ ہمدانؒ دوسری بار ۱۳۷۹ء میں کشمیر میں تشریف فرما ہوئے اور ایک سال تک قیام کیا اس کے بعد آپ تیسری بار یہاں تشریف لائے۔ آپ براستہ پیر پنچال وادی میں داخل ہوئے اور اپنے ہمراہ سات سو سادات اور علماء دین کو بغرض تبلیغ اسلام ساتھ لائے۔

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ جو کشمیر میں حضرت امیر کبیر "شاہ ہمدانؒ" اور علی ثانی جیسے ناموں سے مُلقب ہیں کشمیر میں دین اسلام کے بانی قرار دے جاتے ہیں۔ آپ کے والد حضرت سید شہاب الدین ہمدان کے اُمرا اور دیداروں میں شامل تھے اور اس مناسبت سے آپ بھی امیر کبیر کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

[1] (واقعات کشمیر اردو ترجمہ ڈاکٹر شمس الدین احمد: ۲۶۸۔۲۶۷)

جب آپ کشمیر میں تبلیغ دین کے لئے تشریف آور ہوئے تو آپ نے اپنے ہمراہ لائے ہوئے سادات کے اوپر ایک امیر مقرر فرما کر مختلف علاقوں میں بھیجا اور آپ خود امیر کبیر کہلائے (واللہ اعلم) آپ ۱۲ رجب ۷۱۳ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۳۱۳ء کو عراق کے شہر ہمدان میں تولد ہوئے بارہ برس کی عمر میں آپ نے جُملہ علوم میں مہارت حاصل کی اور پھر اپنے مُرشد حضرت شیخ تقی الدین سمنانیؒ کی وساطت سے ابوالمعانی شیخ محمد فروقانیؒ کی خدمت میں باریاب ہو کر مزید روحانی مدارج طے کئے۔ کہا جاتا ہے کہ امیر تیمور بادشاہ آپ کی عوامی مقبولیت کو دیکھ کر کچھ خائف ہوا اور آپ کو ہمدان سے ہجرت کرنے کی صلاح دی۔ روایت ہے کہ دریں اثنا آپ کو خواب میں پیغمبر صلعم سے یہ بشارت ملی کہ آپ کشمیر میں جا کر اشاعت دین کا فریضہ انجام دیں۔ کشمیر میں اپنی تشریف آوری سے پہلے آپ حضرت نے سید سمنانی اور حضرت تاج الدین سمنانی کو کشمیر کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا اور بعد ازاں آپ خود تشریف فرما ہوئے آپ کشمیر پہنچے تو سُلطان قطب الدین نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے مختلف علاقوں میں باضابطہ طور پر سادات کرام کو تبلیغی خدمات کے لئے روانہ کیا اور ڈھائی سال کے مختصر سے عرصہ میں تقریباً چالیس ہزار لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اگرچہ حضرت بُلبُل شاہؒ کی آمد سے یہاں دین اسلام کی شروعات ہو چکی تھی لیکن اسلامی عقاید و افکار سے لوگ بہت حد تک بے خبر تھے۔ بقول مصنف بہارستان شاہی "اگرچہ سلطان قطب دین مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا لیکن اُس کے عقد میں ایک ساتھ دو بہنیں تھیں" اور جب حضرت میر سید علی ہمدانی قدس سرہ کو اس واقعہ

کی اطلاع ملی تو انہوں نے مواعظ و نصائح سے سلطان کو اس حرکت سے باہر رہنے کی تلقین کی اور سلطان نے خود آپ جناب کے حکم کے مطابق ایک بیوی کو طلاق دی۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ خود شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور کبروی سلسلہ کے مشائخین میں شمار ہوتے تھے لیکن کشمیر میں آپ نے حنفی مسلک کو قائم رہنے دیا جو حضرت سید بلبل شاہ کی وساطت سے یہاں قائم ہوا تھا۔

جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ تین مرتبہ کشمیر آئے آپ وادی کے مختلف اطراف کے علاوہ کشتواڑ کے علاقے میں تشریف لے گئے جہاں پر آپ نے ولی کامل حضرت شیخ فرید الدین بغدادیؒ کے اُس علاقے میں آمد کی جانب بھی اشارہ دیا۔ تیسری بار آپ نے کشمیر سے حرمین شریف کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھا اور کشمیر سے پکھلی کی طرف روانہ ہوئے اور کافرستان پہنچے' یہاں پر آپ نے سلطان خضر محمد شاہ کی درخواست پر کچھ عرصہ قیام کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ کی طبعیت ناساز ہوگئی اور آپ ۶ ذی الحج ۷۸۶ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۳۸۵ء کو واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا اللہ راجعون۔ ہر چند کہ سلطان مذکور نے آپ کے جسد مبارک کو وہیں پر کنار کے مقام پر سپرد خاک کرنے کی پیشکش کی لیکن آپ کے ہم رکاب سادات نے آپ کو ختلان پہنچایا اور کولاب (تاجکستان) میں اُسی قطعہ زمین میں آسودہ خاک کردیا جس کو آپ نے اپنی حیات کے دوران ہی چن لیا تھا اور اس کے بارے میں وصیت بھی کی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ خبر امیر تیمور تک پہنچی تو وہ بہت

مغموم اور آبدیدہ ہوا۔ آپ کی رحلت کے بعد سلطان سکندر (۱۳۸۹ء۔۱۴۱۳ء) کے دور حکومت میں آپ کے فرزند ارجمند سید میر محمد ہمدانی چھ سو سادات کرام کے ساتھ کشمیر میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے والد کے پاکیزہ مشن کو مزید وسعت سے ہمکنار کردیا۔ آپ کے ہاتھوں جہاں اور بھی بیشمار لوگ دین اسلام سے بہرور ہوئے وہیں سلطان کے وزیر ملک سہہ بٹ اپنے پورے اہل وعیال کے ہمراہ آپ کے ہاتھوں دین اسلام میں داخل ہوگیا۔ سلطان سکندر نے اپنی دختر کو آپ جناب کے رشتہ ازواج میں دیا۔ حضرت شاہ ہمدانؒ نے ۱۳۹۵ء میں سرینگر میں جس خانقاہ معلی کی بنیاد ڈالی تھی' اُسے آپ نے مکمل کرکے قوم کے نام وقف کردیا۔ اسطرح سے وہ مشن جس کی شروعات حضرت شرف الدین بلبلؒ اور حضرت شاہ ہمدانؒ نے کی تھی وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ آپ ۷ ربیع اول ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۵۰ء کو عالم بقا کی طرف مراجعت کرگئے اور اپنے والد کے مرقد پُر انوار کے ساتھ ہی تاجکستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے ہمراہ جو سادات کرام کا قافلہ تبلیغ دین کے لئے یہاں آیا وہ سلسلہ بتدریج وادی کے اس پار کے پہاڑی علاقوں' بشمول بانہال' ڈوڈہ' راجوری' اور پونچھ کی طرف بھی مراجعت کرتا رہا۔

سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ (۱۴۱۲ء۔۱۴۷۲ء):

سلطان زین العابدین' سلطان سکندر کا دوسرا فرزند تھا جو اپنے بڑے بھائی سلطان علی کے بعد سریر آرائے تخت ہوا۔ سلطان علی چھ سال اور نو ماہ کی مدت تک تخت نشین رہنے کے بعد بادشاہت کو چھوڑ کر فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے

چلا گیا اور اپنے بھائی زین العابدین کے حوالے امور سلطنت کو کر دیا۔ سلطان زین العابدین ایک نیک سیرت، رحم دل اور کفایت شعار بادشاہ تھا جو اپنے اخراجات خود پیدا کرتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں رعایا ہر طرح سے خوشحال تھی اور ملک کشمیر نے ہر میدان میں بے پناہ ترقی حاصل کر لی۔ آپ کو بڈشاہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور اس دور کو کشمیر کی تاریخ کا زریں دور کہا جاتا ہے جو اہل ہنود لوگ سلطان سکندر بُت شکن کے وقت کشمیر سے بھاگ گئے تھے بڈشاہ نے انہیں واپس بُلا کر آباد کیا۔ آپ کے وقت میں بہت سے بزرگانِ دین اور مشائخین کرام یہاں مقیم رہے جن میں مُلا الدین گنج بخشؒ، سید ناصر الدین بیہقی "سید حسین منطقی" ملا کبیر اور خاص کر حضرت شیخ نور الدین ولیؒ جیسی برگزیدہ اور باکمال شخصیات ہیں۔ جن کے فیضان سے وادی کشمیر میں دین اسلام کے نور کا اُجالا چار سو پھیلا۔ سلطان زین العابدین نے قریباً پچاس سال کے طویل عرصہ تک زمام حکومت کو بحسن وخوبی سے سنبھالا اور آپ کا نام آج بھی کشمیر کے طول وعرض میں احترام سے لیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ نور الدین ولیؒ:

(۱۳۷۷۔۱۴۳۹ء) سرخیل طائفہ ریشیان کشمیر حضرت شیخ نور الدین نورانیؒ جنہیں نُند ریشی۔ علمدار کشمیر اور شیخ العالمؒ جیسے متبرک القابات سے کشمیر میں بلا امتیاز مذہب وملت یاد کیا جاتا ہے، ایک ایسے مُنارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے ذکر خیر کے بغیر یہاں کی ثقافتی ادبی تاریخ ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ آپ کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات کا اثر اتنا گہرا ہے کہ آپ کشمیر کی روحانی زندگی کے

علمبردار اور تہذیبی شناخت کے ضامن سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کے فرمودات ہماری روزمرہ کی زندگی میں ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ حضرت شیخ العالمؒ ایک ولی اکمل ہونے کے علاوہ ایک برگزیدہ سخنور اور روحانی مُعلم ہیں۔ آپ کشمیری زبان کے سربرآوردہ آفاقی اور روحانی شاعر ہیں اور آپ کے ضخیم کلام کو جو اشلوکوں اور منظومات کی صورت میں موجود ہے "کشمیری قُرآن پاک کی کشمیری ترجمانی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ العالم کے خُلفا کی تعداد تین سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ آپ نے جہاں ذاتی طور پر وادی کے اطراف واکناف میں جا کر لوگوں کو دین اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور کیا وہیں آپ نے پیر پنچال کے اس پار کے علاقوں راجوری، مہومنگت بانہال، گول گلاب گڑھ اور کشتواڑ کو بھی اپنی قدم بوسی کا شرف بخشا اور یہاں کے لوگوں کو رشد وہدایت سے فیض یاب کیا ہے۔ آپ کا کلام آج بھی وادی کشمیر کی طرح یہاں کے لوگوں کو ازبر ہے اور مساجد ومنبر میں بھی واعظان کرام اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

آپ کے چار خاص خُلفا میں دو خلیفے کشتواڑ کے علاقے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو بابا زین الدین ولی اور حضرت بابا لطیف الدین کے نام سے مشہور ہیں۔ بابا زین الدین کا اصلی نام زیا سنگھ تھا جو کشتواڑ علاقے کا ایک ہندو راجہ زادہ تھا اور حضرت شیخ کی نظر عنایت سے مشرف بہ اسلام ہوا۔ حضرت بابا لطیف الدین کا نام اسلام لانے سے پہلے لدی رینہ تھا آپ پرگنہ مڑوہ کے سردار زادگان میں سے تھے اور حضرت شیخ کے حلقہ ارادت میں آ کر حضرت بابا لطیف

الدین کہلائے۔آپ دونوں حضرات کشمیر میں آسودہ خاک ہیں۔

چک دور(۱۵۵۴_۱۵۸۶) چکوں نے تقریباً چوبیس برس تک حکومت کی اوراس خاندان کے تقریباً آٹھ بادشاہ ہوئے۔ اس خاندان کے آخری بادشاہ یوسف شاہ چک انتظامی بدنظمی کے سبب کشتواڑ بھاگ گیا،لیکن ۱۸۸۱ء میں وہاں سے واپس آکر پھر تخت نشین ہوا۔ ۱۸۸۵ء میں اکبر بادشاہ نے یوسف شاہ چک کو قید کرکے بہار میں بھیج دیا اور اُس کا بیٹا یعقوب شاہ چک کشمیر کا حکمران بن گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ بھی اپنے ناروا سلوک کی وجہ سے عوامی بے چینی کا شکار ہوا اور اکبر نے کچھ علمائے دین کی ایما پر فوج کشی کرکے اُسے شکست سے دوچار کردیا اور وہ بھی کشتواڑ کی طرف بھاگ نکلا۔ یوسف شاہ چک کو انتقال کے بعد میں بہار کے قصبہ بسوک میں دفن کیا گیا۔ اور اُس کا مقبرہ آج بھی وہاں موجود ہے۔

مغل دور حکومت:

(۱۵۸۶ء_۱۷۵۶ء) مغلوں نے پونے دوسو سال سے زیادہ عرصہ تک کشمیر پر حکومت کی۔ اس دوران کاروبار حکومت کو چلانے کے لئے پچاس کے قریب ناظم یا صوبیدار یکے بعد دیگرے مقرر کیے گے۔ مرزا علی اکبر پہلے گورنر مقرر کیے گئے۔ شہنشاہ اکبر خود بھی تین بار کشمیر آیا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کا عہد آیا وہ مغل شاہراہ کے راستے یہاں آتا رہا۔ جہانگیر نے آٹھ بار کشمیر کا دورہ کیا اور اُس کی ملکہ نور جہاں بھی اُس کے ہمراہ آتی رہی شاہ جہاں نے ۱۶۳۴ء میں دہلی میں تخت نشین ہونے کے بعد ۱۶۳۵ء میں پہلی بار کشمیر کا رخ کیا۔ اس دور میں آٹھ گورنر کشمیر میں آئے۔ اس دور میں کئی مسلم گھرانے وادی چناب کے مختلف

علاقوں میں آکر یہاں بس گئے۔ کشتواڑ میں پہلی مسجد، اسی دور میں تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد اورنگ زیب اور اُس کا بیٹا معظم خان سلطان بنا۔ مگر اب سلطنت مغلیہ کی پستی کا دور شروع ہوا تھا۔ آئے دن گورنر بدلتے رہے اور اُن کی گرفت کشمیر پر ڈھیلی پڑنے لگی۔ مُرادخان نامی گورنر نے لوگوں پر بھاری ٹیکس عائید کئے اور عطا محمد خان گورنر کے وقت میں شعیہ سُنی فسادات میں کئی بے گناہ لوگ اپنی زندگیاں گنوا بیٹھے۔ مغلوں کے دور حکومت میں کشمیر میں فنِ تعمیرات، عمارات اور نہروں کی تعمیر کے حوالے سے تواریخی نوعیت کے کام انجام دئے گئے جو آج تک بھی اپنی شان برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

افغان دور حکومت:

(۱۷۵۲_۱۸۱۹) کشمیر پر ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصہ تک پٹھانوں کی حکومت کا تسلط رہا۔ پٹھان دور حکومت کو کشمیر میں دورِ ابتلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے گورنر عبداللہ خان کی سرپرستی میں کشمیر پر پندرہ ہزار فوج بھیج کر پہلا حملہ کیا اور ۱۷۵۲ء میں اُسے یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ جو بعد میں سازش کا شکار ہوکر قتل ہوا۔ اس کے بعد یہاں کئی گورنر بھیجے گئے۔ ۱۷۷۷ء میں حاجی کریم داد نامی گورنر مقرر کیا گیا جس نے لوگوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے۔ اس دور میں بہت سے لوگ اپنی زندگیوں کو بچانے کی خاطر پنجاب، دہلی اور اُتر پردیش وغیرہ جگہوں پر پناہ لیتے رہے اور کئی لوگ بانہال، ڈوڈہ، سراج اور کشتواڑ جیسے پہاڑ کے اس طرح کے علاقوں میں آکر جان بچاتے رہے اور بعد میں یہیں مقیم ہوگئے۔

سکھ دور حکومت:

(۱۸۱۹ـ۱۸۴۶ء) مغلوں اور افغانیوں کے بعد کشمیریوں نے سکھوں کو اپنا نجات دہندہ خیال کیا لیکن بقول محمد دین فوق افغانوں کی حکومت اگر تلخ گھونٹ کے مشابہ تھی تو خالصہ بہادر زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلے۔ کشمیر پر سکھ دور حکومت کا تسلط تقریباً تیس برس تک رہا۔ ۱۸۱۹ء میں مہاراجا رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کی نگرانی میں کشمیر پر چڑھائی کی اور اسے سکھ راج میں شامل کرلیا سکھوں کی طرف سے دس گورنر بھیجے گئے جن میں پانچ ہندو تین سکھ اور دو مسلمان تھے۔ پہلا گورنر دیوان چند ایک سال تک رہا اس کے بعد موتی رام ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوا جس نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ جامع مسجد سرینگر پر تالا لگایا گیا اور اذان پر پابندی لگائی گئی لے۔ اس کے بعد سردار ہری سنگھ کو گورنر مقرر کیا گیا جس نے عوام کو قدرے راحت کی۔ ۱۸۲۲ء میں موتی رام دوبارہ گورنر مقرر ہوا۔ لوگ اقتصادی تباہی کے دہانے پر پہنچ گئے اور بھاری ٹیکسوں کے نیچے دب کر رہ گئے۔ ۱۸۲۵ء میں دیوان کرپارام کو گورنر بنایا گیا۔ اس دور میں ہیضہ کی بیماری پھوٹ پڑی اور آبادی کے ایک بڑے حصے کا خاتمہ ہوگیا۔ ۱۸۳۱ء میں کشمیر میں بے وقت برف باری ہوگئی اور قحط پڑ گیا جس کے نتیجے میں قریباً چھ لاکھ لوگ متاثر ہوگئے اور کچھ پہاڑ کے اس طرف والے علاقوں میں پناہ گزین ہوگئے اور تلاش معاش کرکے یہیں پر مقیم ہوگئے۔ اس کے بعد شیخ غلام محی الدین اور شیخ امام الدین نام کے دو گورنر یکے بعد دیگرے مقرر ہوگئے۔ انہوں نے کافی حد تک

لے کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔ ایم۔ اے۔ خان، ۴۲۔

حالات میں سدھار لایا لے۔ پچیس برس کے بعد جامع مسجد سرینگر کو دوبارہ نماز کے لئے کھولا گیا لے۔ افغان اور سکھ دور حکومت کشمیر بشمول بانہال میں اقتصادی خستہ حالی افسر شاہی اور بے گار کے لئے بدترین دور مانا جاتا ہے۔

☆

لے کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔ ایم۔ اے۔ خان، ۴۲۔

بانہال، قلمرو کشتواڑ کے ساتھ

۱۶۲۹ء میں جب راجہ جگت سنگھ مملکت کشتواڑ میں گدی نشین تھے، تو اس کا چھوٹا بھائی بھگوان سنگھ مغل دربار دہلی میں یرغمال تھا۔ اسی دوران جب بادشاہ شاہ جہاں باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دکن کی مہم پر روانہ ہوا تو بھگوان سنگھ بھی آپ کے ساتھ جانے پر تُل گیا، اور شہنشاہ شاہ جہاں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتا رہا۔ اُس کی کارکردگی اور دلیری کو دیکھ کر شہنشاہ نے بواپسی اُسے خلعت فاخرہ سے نوازا۔ دریں اثنا راجہ جگت سنگھ کی موت واقع ہوگئی اور وزیر کنشک نے کشتواڑ پر قبضہ کر لیا۔ جب بھگوان سنگھ کو اس بات کا علم ہوا تو اُس نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو حاصل کرنے کیلئے بادشاہ سے امداد طلب کی۔ شاہ جہاں نے اُس کی درخواست منظور کر کے صوبیدار کشمیر کو اُسے امداد فراہم کرنے کیلئے فرمان بھیجا۔ کشمیر پہنچ کر اُسے مغل صوبیدار ظفر خان احسن نے بارہ ہزار فوج بقول بچی دس ہزار اور بقول حشمت اللہ خان ایک ہزار فوج کی کمک دی اور وہ واڑون کے راستے بھنڈارکوٹ پہنچا اور بڑی حکمت سے وزیر کنشک کو شکست دیکر اسیر کیا اور

بعد میں اس کا سر کاٹ کر چوگان میدان میں گیند کی طرح چوگان بازی کی۔ فتح جشن کی یہ تقریب کنشک جاترا کے نام سے سالہا سال تک کشتواڑ میں منائی جاتی رہی۔ کشتواڑ کے عوام نے بھگوان سنگھ کی کامیابی پر یہاں کے چوگان میدان میں ایک بڑا جشن منایا۔ بھگوان سنگھ نے فتح کشتواڑ کی خوشی میں مغل فوجوں میں رقومات تقسیم کی اور مغل دربار کو تحائف بھیجے۔ بھگوان سنگھ ایک جری سپاہی اور فاتح تھا، مغل دربار کے ساتھ رسائی نے اُسے مزید قوت اور انتظامی ہنرمندی عطا کی۔ کشتواڑ پر قابض ہونے کے بعد اس نے اپنی سلطنت کو وسعت دینے کا عزم کیا، جس میں مغل سین اور کاہن سین نے آپ کی کافی مدد کی۔ یہ دونوں کھشتری بھائی آپ کو مغل دربار سے بطور معاونت کے دہلی سے روانہ ہوتے وقت ساتھ لے گئے تھے۔ بھگوان سنگھ نے کاتی گڑھ۔ کلنٹھی، رام بن، ڈینگ تھل، پوگل پرستان اور بانہال علاقہ کے مقامی سرداروں پر چڑھائی کی اور معمولی سے ٹکراؤ کے بعد ان علاقوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اُس نے بانہال قصبہ سے کچھ فاصلہ آگے ناچلانہ کے مقام پر ایک پتھر کو بھی نصب کیا جو آج بھی کشتواڑی پل یا کشتواڑی کُنی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پوگل اور پرستان کو تندمرگ کے درّہ سے کشتواڑ کے ساتھ ڈربیل کی طرف سے ملایا گیا۔ یہ کشتواڑ ریاست کی حدود قرار دی گئی[1]۔

راجہ بھگوان سنگھ بوڑھا ہو گیا تو اُس نے شاہجہاں سے اپنے بڑے بیٹے مہا سنگھ کو ولی عہد نامزد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسطرح سے مہا سنگھ ۱۶۵۰ء

[1] تاریخ کشتواڑ (فارسی) از شیوجی در صفحہ ۳۶۔

میں اپنے باپ بھگوان سنگھ کے بعد مملکت کشتواڑ کا راجہ بن گیا۔ وہ سنسکرت، ہندی، اُردو اور کشمیری زبانوں کا عالم تھا اور فارسی میں شعر گوئی بھی کرتا تھا۔ شاہ جہاں کے ایما پر مہا سنگھ کے دور میں کشمیری مسلمانوں کو کشتواڑ میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی اور کئی مسلم گھرانے کشمیر سے آ کر یہاں پر بس گئے۔ کشتواڑ میں پہلی مسجد تعمیر کی گئی اور اس کے ساتھ ایک جاگیر بھی منسلک کر دی گئی۔ مہا سنگھ کے بعد اس کا بیٹا جے سنگھ گدی نشین ہوا۔

حضرت شاہ محمد فریدالدین بغدادی کی آمد:

راجہ جے سنگھ کے عہد میں، سلطان العارفین ولی کامل حضرت سید شاہ محمد فریدالدین بغدادی کا کشتواڑ میں ورود مسعود ہوا جن کی بدولت اس پورے چناب خطے میں ایک نئی روحانی بیداری نے کروٹ لی۔ حضرت سید شاہ محمد فریدالدین قادری، بغداد کے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاندان میں سے تھے (۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۵۱ء) میں پیدا ہوئے، تعلیم مکمل کر کے وسیع سیاحت کرنے اور فریضہ حج کے بعد مکہ شریف میں شیخ جلال الدین المغربی سے فیضیاب ہوئے اور مصر میں شیخ محی الدین قادری سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد، بغداد سے سندھ کے لئے روانہ ہوئے۔ سندھ سے شاہ جہاں کے آخری دور حکومت میں آگرہ اور پھر دہلی پہنچے۔ راجہ جے سنگھ ۱۶۷۴ء میں کشتواڑ کا حکمران تھا تو حضرت شیخ فریدالدینؒ اپنے چار ساتھیوں، درویش محمد شاہ ابدال، سید بہاء الدین سامانی اور یار محمد کے ہمراہ ۱۶۶۴ء میں کشتواڑ میں اسلام کی تبلیغ کے لئے تشریف آور ہوئے۔" (کشمیر۔ ڈاکٹر صوفی محی الدین ۱۱۵۔۱۱۶) کہا جاتا ہے کہ

آپ ڈینگ بٹل کی راہ سے تشریف فرما ہوئے۔ ڈینگ بٹل میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سات دن قیام کیا۔ وہاں کا رئیس لشکر رائے تھا جن کے ایک لڑکی مائی روشن دل تھی۔ حضرت شاہ نے اُس سے نکاح کیا اور بعد میں ڈوڈہ پہنچے۔ وہاں سے موضع نگری میں آئے اور وہاں شاہ نور علی گاؤں کا نمبر دار تھا، جن کی دختر سے مائی ملاحت سے آپ نے عقد فرمایا۔ چند یوم قیام کے بعد پرگنہ ٹھاکرائی میں پہنچے۔ وہاں سے بھندار کوٹ کے مقام پر دریا چناب کو پار کر کے بھٹ نگر یا کشتواڑ پہنچے۔ لوگ آپ کے روحانی جلال کو دیکھ کر متاثر ہو گئے۔ راجہ جے سنگھ نے ایک دن خواب میں آپ کے روحانی کمالات کو دیکھا اور دوسرے روز دست بستہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ راجہ نے اپنے محل کے قریب ایک عمارت تعمیر کروائی جس میں شاہ صاحب تقریباً چھ ماہ تک قیام فرماتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے اپنی زوجہ اول شہزادہ بی بی کو دہلی سے یہاں بلوایا اور اس کے علاوہ مائی روشن دل اور مائی ملاحت کو بھی یہاں لایا۔ شہزادہ بی بی سے حضرت اسرارالدین ولیؒ تولد ہوئے جو ایک مادر زاد ولی تھے، جن کے ذریعہ عجب طرح کے کشف و کرامات ظاہر ہوئے اور آپ ۱۸ برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ڈھائی سال بعد مائی ملاحت بانو سے اخیارالدین نام کا ایک صاحبزادہ ہوا۔ جو بارہ سال تک ظاہری علم پڑھتے رہے اس کے بعد کشمیر چلے گئے اور چار سال تک وہیں مرشدین کی زیارت کرتے رہے۔ شہزادہ بی بی سے ایک اور لڑکا تولد ہوا جس کا نام سید انوارالدین رکھا گیا جو اڑھائی سال کے عرصہ کے بعد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ سُن کر ان کے والدین کشمیر سے واپس آئے جو تیرہ ماہ

تک یہاں قیام کرنے کے بعد بیت اللہ شریف گئے اور کافی روحانی فضیلت علم حاصل کی کچھ عرصہ بغداد میں قیام کے بعد واپس کشتواڑ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں آئے۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد پھر کشمیر چلے گئے اور حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم کی زیارت پر ٹھہرے۔ سات برس تک وہاں قیام کے بعد وہیں پر مدفون ہوئے اُس وقت راجہ کیرت سنگھ کشتواڑ میں تخت نشین تھے آپ نے خواب میں اُنہیں فرماتے دیکھا "اے راجہ کیرت سنگھ! مجھے اس جگہ سے کشتواڑ پہنچا" راجہ نے دوسرے ہی روز اپنے مصاحبوں کو کشمیر بھیجا اور آپ کے جسد کو وہاں سے لاکر آپ کے والد کے جوار میں دفن کیا گیا۔ حضرت شاہ جب کشتواڑ آئے آپ کی عمر ۳۹ سال تھی اور وفات کے دن ۹۹ سال"۔ لیکن عشرت کشتواڑی آپ کی تاریخ پیدائش کو ۱۶۱۵ قیاس کرتے ہیں آپ کے خیال میں آپ ۱۶۶۴ کو بعمر ۴۹ سال تشریف لائے اور ۱۶۹۶ کو وہیں بعمر ۸۱ برس واصل بحق ہوگئے کہا جاتا ہے کہ راجہ جے سنگھ حضرت شاہ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اورنگ زیب نے اُسے بختیار خان کا خطاب بخشا۔ حضرت شاہ کے ورود سے اسلامی تعلیمات کا چرچہ ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام سے مشرف ہوئے جس کا اثر اُودھمپور اور خطہ چناب کے تمام علاقوں تک ہوا۔ کشتواڑ کے دربار کو مغل شہنشاہوں سے وابستگی ملی سنسکرت کی جگہ فارسی نے زبان کو سرکار زبان کا درجہ دیا گیا۔ جے سنگھ کا بیٹا کیرت سنگھ جو (۱۶۸۱۔۱۷۲۸ء) تخت نشین ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ کے ہاتھوں مسلمان ہوا اور اورنگ زیب نے اُسے سعادت یار خان کے نام سے مُعنون کیا جس نے ایک طویل

مدت تک حکومت کی وہ ایک انصاف پسند اور رعیت پسند راجہ تھا جس کی مُعارف پروری کے سبب دور دور سے علماء و فضلا کشتوار میں آکر آباد ہوگئے۔

راجہ کیرت سنگھ نے سنتالیس سال کے لمبے عرصے تک حکومت کی لیکن بعد ازاں اپنے ہی ایک وزیر کرشنا پڈیار کی سازش کا شکار ہوکر قتل ہوا اور اس کے بعد وہ (کرشنا پڈیار) خود تخت پر قابض ہوا لیکن چند ماہ سے زیادہ تک نہ سکا کیونکہ جب یہ خبر مغل دربار تک پہنچی تو انہوں نے صوبیدار کشمیر کو اس بغاوت کو کچلنے کا حکم دیا جسمیں کرشنا پڈیار قتل ہوا اور امن بحال ہونے کے بعد کیرت سنگھ کا بیٹا املوک سنگھ تخت پر براجمان ہوا[1]۔ جو اپنی انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر کافی ہر دل عزیز ہوا۔ شہنشاہ دہلی نے اُسے سعادت مند خان کا لقب دیا۔ اس راجہ نے تقریباً چار دھائی سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ راجہ نے تقریباً ایک سو دس برس کی عمر میں اپنے بڑے بیٹے مہر سنگھ (۱۷۷۱۔۱۷۷۸ء) کو سلطنت کا نظم و نسق سپُرد کیا۔ مہر سنگھ کو سعید تمند خان کا لقب دیا گیا لیکن اُس نے ایک مطلق العنان راجہ کی حیثیت سے باقی ماندہ "بھائیوں سوجان سنگھ اور دلیل سنگھ کو نظر انداز کیا جس کے سبب وہ بدظن ہوکر بغاوت پر اُتر آئے۔ اس خانہ جنگی کے سبب مہر سنگھ کو راجہ بسوہلی کے ہاتھوں اقتدار سے دست کش ہونا پڑا۔ دریں اثنا مہر سنگھ کا چھوٹا بھائی دلیل سنگھ جو چمبہ میں ہجرت کرچکا تھا، نے چمبہ کے راجہ رائے سنگھ کو کشتواڑ پر چڑھائی کے لئے اُکسایا جس نے بسوہلی کے راجہ کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کیا اور نصف قصبے کو نذر آتش کردیا۔ اس دوران راجہ مہر سنگھ راجہ رنجیت سنگھ کشمیر میں

---

[1] ہچی سن اور حشمت اللہ خان نے اس کا نام املوک سنگھ اور شیوجی در اور نجم الدین نے ملوک سنگھ بیان کیا ہے۔

ڈرانی حکومت کی مدد سے دوبارہ کشتواڑ میں گدی نشین ہوگیا لیکن کچھ عرصہ بعد مانچو لا کی بیماری میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا اور کشتواڑ کا تخت پھر سے خالی ہوگیا۔ اس اثنا میں بانہال ایک آزاد علاقے کی حیثیت سے کریم بخش جرنیل کے زیر تسلط رہا۔ مہر سنگھ کا چھوٹا بھائی سوجان سنگھ جو اُسوقت جموں میں تھا اُس نے راجہ رنجیت سنگھ سے فوجی مدد حاصل کی اور کشتواڑ میں گدی نشین ہوگیا۔ سوجان سنگھ ایک عدل پرور راجہ تھا اُس نے تین ہزار فوج لیکر بانہال کے حکمران جنرل کریم بخش کو شکست دے کر قتل کیا اور اس علاقے پر پھر سے اپنا تسلط قائم کیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ سراج کے موضع کنڈی میں بیمار ہو کر دم توڑ بیٹھا۔ اس کے بعد مہر سنگھ کی بیوی رانی ولاس ماجی اپنے فرضی بیٹے پرتھی سنگھ کو تخت پر بیٹھانے میں کامیاب ہوئی (یاد رہے کہ رانی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کو اُس نے ایک کُمہارن کے بیٹے کے ساتھ خفیہ طور پر تبدیل کر دیا تھا' جسکا نام پرتھی سنگھ تھا) پرتھی سنگھ کامیاب راجہ ثابت نہ ہو سکا۔ اُس کو ایک روز اپنے چچیرے بھائی اجیت سنگھ نے بھنڈارکوٹ کے مقام پر پُل کو عبور کرتے ہوئے دریا میں دھکیل دیا جب وہ کہیں شکار کے لئے جا رہا تھا۔ اور خود اجیت سنگھ تخت پر قابض ہوگیا۔ اجیت سنگھ اپنے اس قتل کی صفائی دینے میں ناکام ہوا اور عوامی بغاوت کا شکار ہوگیا۔ جب اس بات کا علم راجہ رنجیت سنگھ کو ہوا۔ تو اُس نے اپنا ایک افسر لال دیو کشتواڑ روانہ کیا جس نے اجیت سنگھ کو گدی سے معزول کر دیا۔ لال دیو کافی ظالم ثابت ہوا جس نے عوام پر کافی مظالم ڈھائے۔ اور عوام اور دربار دونوں اس سے متنفر ہوگئے۔ محمد جان سنگھ کا بیٹا عنایت اللہ سنگھ اسوقت جموں کے باہو قلعہ میں نظر بند تھا۔ اس

اثناء میں راجہ رنجیت دیو انتقال کر گیا اور سراج کے کچھ ذی ہوش لوگ جموں پہنچے۔ جہاں سے اُنہوں نے بڑی حکمت کے ساتھ عنایت اللہ کو قید سے نکال کر کلنتھی کے مقام پر پہنچا دیا جہاں لوگ جوق در جوق اس کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ لال دیو کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ مزاحمت پر اُتر آیا لیکن سراج اور لنتھی کے لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور لال دیو ہزیمت اُٹھا کر جموں بھاگ گیا اس کے بعد عنایت اللہ سنگھ نے بانہال۔ پوگل اور پرستان کے اُمراء کی اطاعت حاصل کی اور اس کے بعد وہ ڈوڈہ پہنچ گیا' جہاں سے لوگوں کی بھاری حمایت کے ساتھ کشتواڑ کی گدی پر براجمان ہوا راجہ عنایت اللہ ایک باصلاحیت اور انصاف پسند راجہ تھا جس نے اپنی قلمرو کی اقتصادی ساخت کو چار چاند لگائے۔ لیکن وہ اپنے ایک چچازاد بھائی گلاب سنگھ اور ایک دوسرے شخص نورالدین کی سازش کا شکار ہو کر سرکوٹ کے مقام پر اس وقت قتل ہوا جب وہ وضو بنا رہا تھا۔ اس وقت اس کا بیٹا محمد تیغ سنگھ صرف دس برس کا تھا' جس کو اپنی پھوپھی نے ایک پجاری کے ہاں چھپا کر رکھا اور کسی گزند سے محفوظ رکھا۔ گلاب سنگھ ۱۸۷۴ میں اپنے چند شر پسند ساتھیوں کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ لیکن مرحوم راجہ عنایت اللہ کے چہلم کے موقعہ پر جب لوگ شہید مزار میں جمع ہوگئے تو انہوں نے ہجوم کی صورت میں آکر گلاب سنگھ پر دھاوا بول کر اُس کے ساتھیوں سمیت اُسے موت کے گھاٹ اتارا اور اسطرح سے وہ چالیس روز سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔ گلاب سنگھ کے قتل کے بعد اُس کے نو عمر بیٹے محمد تیغ سنگھ کو جس کی عمر صرف دو برس کی تھی تخت پر بٹھایا گیا اور اُس کی نگرانی اس کی پھوپھی انوار روئی (جو یوسف خان کی بیوی تھی)

کرتی رہی اور اس مدبر عورت نے بارہ سال تک حکومت کا کام چلایا اُس کو کامیاب بنانے میں پنڈت نندرام جو فوج میں بخشی اور سرکاری منتظم تھا کی بھی بھرپور مدد اور تعاون حاصل رہا۔ محمد تیغ سنگھ سیف اللہ خان کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس سے قبل سیف اللہ خان کے ایک مخالف گروپ نے صوبیدار کشمیر کو یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی کہ پنڈت نندرام کشتواڑ میں عوام کو ہندو مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور اُس نے بلا تحقیق ایک فوجی کمانڈر کو براستہ چھاترو کشتواڑ روانہ کیا جس نے وہاں کافی تباہی مچائی۔ پنڈت نندرام اس خطرہ کے پیش نظر بھدرواہ بھاگ گیا اور ساتھ میں محمد تیغ سنگھ اور اُس کے افراد کنبہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ اس دوران گلاب سنگھ کے بیٹوں انور سنگھ اور رتن سنگھ نے اُسے کچھ تحائف دیگر واپس کشمیر بھیجدیا اور خود حکومت کو سنبھالا۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ سراج، لکھتھی، پوگل، ڈینگ بٹل اور بانہال پر گنہ جات انور سنگھ کو حصے میں ملے باقی علاقے رتن سنگھ کو ملے جو کشتواڑ سے کار سرکار چلاتا رہا۔ یہ دونوں بھائی اچھی طرح سے حکومت چلانے میں ناکام ہوئے اسلئے لوگ اور جاگیرداروں کا طبقہ ان سے نالاں ہونے لگا۔ دریں اثنا پنڈت نندرام نے حکمت کے ساتھ سراج اور پوگل پرستان کے لوگوں کو متحرک کیا اور بھدرواہ سے فوج کی حمایت سے ڈوڈہ میں انور سنگھ پر دھاوا بول دیا جو وہاں سے بھاگ کر اپنے بھائی رتن سنگھ کے پاس کشتواڑ چلا گیا اور راجہ محمد تیغ سنگھ ڈوڈہ پر قابض ہو گیا۔ نندرام اور محمد تیغ سنگھ نے کشتواڑ کی طرف رُخ کیا اور بحالہ پہنچ کر انور سنگھ اور رتن سنگھ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم جنگ نہیں چاہتے بلکہ صلح کے ساتھ

سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے وہاں آنے پر دونوں کو قتل کیا گیا اور محمد تیغ سنگھ پھر سے انوار روبی کی زیر نگرانی کشتواڑ میں حکومت کرنے لگا۔ ۱۷۹۶ء میں راجہ محمد تیغ سنگھ کشتواڑ کے خود مختار راجہ کی حیثیت سے گدی نشین ہوا۔ اس کی سلطنت میں بانہال، پوگل پرستان، ڈینگ بٹل، لکھتھی، سراج، ڈوڈہ، بونجواہ اور موجودہ تحصیل کشتواڑ شامل تھے۔ یہ کشتواڑ کا آخری خود مختار راجہ ہے جس نے چھتیس برس تک حکومت کی۔ لیکن آخری ایام میں وہ عیش پرستی کے سبب حکومت کے انتظام میں لاپرواہی برتنے سے بچ نہ سکا۔ یہاں وادی کشمیر ۱۸۱۹ء میں سکھ سلطنت کا پہلے ہی حصہ بن گئی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے راجوری۔ ریاسی اور جموں کو فتح کر کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مملکت میں شامل کر دیا تھا۔ ۱۸۲۰ء میں اُس نے ڈوڈہ کا رخ کیا اور کھیلنی کے مقام پر دریائے چناب کو عبور کر کے سرمائی دارالخلافہ ڈوڈہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد راجہ محمد تیغ سنگھ کو گلاب سنگھ کے پاس پہنچایا گیا جو غیر مشروط طور پر حکومت سے دست بردار ہو گیا اور اسطرح سے ۱۸۲۱ء میں کشتواڑ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زیر تسلط آ گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے راجہ تیغ سنگھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور بھیج دیا جہاں اُس نے اُسے زیر حراست رکھا اور ۱۹۲۳ء میں وہیں پر انتقال کر گیا اور اس کے ساتھ ہی مملکت کشتواڑ کی ایک ہزار ایک سو سال پرانی مملکت کی آخری شمع ہمیشہ کیلئے بجھ گئی۔ راجہ محمد تیغ سنگھ کی دو رانیاں اور تین بیٹے تھے، جے مل سنگھ، زورآور سنگھ اور دلاور سنگھ۔ بڑے دو بیٹے آپ کے ساتھ لاہور میں تھے اور تیسرا بیٹا جو آپ کی لونڈی کے بطن سے تھا کشمیر میں تھا۔ آپ کی تین بیٹیاں، زیب النسا بانو، صنوبر بانو

اور کیا نو بانو تھیں جو مسلمانوں کے عقد میں آئیں۔ گلاب سنگھ خود کشتواڑ نہیں گیا بلکہ ڈوڈہ میں اپنی فتح کا اعلان کرنے کے بعد واپس جموں چلا گیا اور میاں چھین سنگھ (۱۸۲۱_۲۲) کو اپنا ناظم بنا دیا۔ میاں چھین سنگھ ایک ظالم ناظم ثابت ہوا اور عوامی بے چینی کا سبب بن گیا۔ جس کو برطرف کر کے ایک مقامی نوجوان مہتہ بستی رام کو کشتواڑ صوبے کا ناظم مقرر کر دیا لیکن وہ بھی عوامی خدمات اور راجہ کی وفاداری کا اہل ثابت نہ ہو سکا۔ اس طرح سے ایک فوجی جرنیل زور آور سنگھ کلہوریہ کو کشتواڑ کا گورنر بنایا گیا جس نے ایک منظم حکومت قائم کی اور مملکت کی حدود کو واڑون اور زانسکار تک بڑھایا۔ زور آور سنگھ کے انتقال کے بعد میاں جبار سنگھ ۱۸۴۲ء میں کشتواڑ کا گورنر مقرر ہوا اور اُس کے زمانے میں یہاں زمین کا بندوبست بھی عمل میں آیا۔ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو برطانوی سرکار اور لاہور کی ریاست کے درمیان ایک معاہدہ طے قرار پایا جس کی رو سے گلاب سنگھ کو جموں وکشمیر کا خود مختار راجہ تسلیم کیا گیا۔ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو انگریزوں اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان عہد نامہ امرتسر کے نام سے ایک معاہدہ طے ہوا جس کی رُو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو پچھتر ہزار نانک شاہی روپیہ کے عوض جموں وکشمیر کا ۸۴۴۷۱ مربع میل رقبہ کا سارا علاقہ فروخت کیا گیا جو بقول قدرت اللہ شہاب ۱۵۵ روپیہ فی مربع میل یا موجودہ زمانے کے ایک پیسہ میں تقریباً ۲۷۰ مربع گز پڑا تھی۔ اُس وقت کی آبادی سے انسانوں کی قیمت تقریباً سات یا سوا سات روپے فی کس پڑی۔

☆

بزرگان دین کی آمد
اور
اشاعت اسلام

بزرگانِ دین کی آمد اور اشاعتِ اسلام

بانہال کے علاقے میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے آثار قرائین کا سلسلہ سولہویں صدی عیسوی کے اوائل سے ہی اُس وقت سے شروع ہوتا ہوا نظر آتا ہے جب یہاں سے دینی بُزرگوں کی آمد و رفت ہوتی رہی ہے۔ بانہال کے وسط میں اور یہاں کے قرب وجوار میں ایسے آثار موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں مختلف اوقات میں اولیا اللہ اور بزرگانِ دین تشریف لاتے رہے ہیں جن کے طفیل یہاں اسلامی تعلیمات وعقائید کی اشاعت ہوتی رہی ہے۔ ان اولیاے کرام کے تفصیلی سوانح حیات اگرچہ محفوظ نہیں ہیں لیکن یہ ایک امر واقعی ہے کہ ان کا تعلق بھی کسی نہ کسی طرح سے اہل سادات کے اُسی قافلہ کے ساتھ جُڑا ہوا رہا ہوگا جو بانی اسلام کشمیر حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے ہمراہ آکر وادی کے اطراف و اکناف اور پھر کچھ عرصہ بعد اس قافلہ کے چند کس بزرگ پیر پنچال کے اس پار پہاڑی علاقوں میں دینی خدمات کے سلسلے میں قدم رنجہ ہوتے رہے۔ اس کے بعد سترھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں حضرت شاہ فرید الدین بغدادیؒ کے وادی چناب میں ورود مسعود سے یہاں پر اور بھی

ایک نئی روحانی بیداری اور اسلام نوازی کا سلسلہ شروع ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

سولہویں صدی عیسوی کے اوائل میں وادی کے نامور عالم دین اور روحانی بُزرگ حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفیؒ کا گُزر اُس وقت یہاں سے ہوتا ہے جب آپ مزید روحانی مدارج طے کرنے کی غرض سے کشمیر سے ایران کی طرف وہاں کے خوارزم شہر میں رہنے والے مشہور روحانی بُزرگ حضرت شیخ حسین خوارزمیؒ کی خدمت میں شرف نیاز مندی اور حصول تربیت کی غرض سے رخت سفر باندھنے کا ارادہ کرتے ہیں[۱]۔ جس کے بارے میں آپ کو ایک غیبی اشارہ اور ارشاد سفر ملا ہوا ہوتا ہے جس کی تفصیل میں آپ عزم سفر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اُس وقت سرما کا موسم ہوتا ہے اور برف باری کے موسم کے پیش نظر آپ کے والدین آپ کو اجازت دینے پر پہلے آمادہ نہیں ہوئے لیکن آپ کے روحانی اشتیاق کو دیکھکر چار عقیدت مند رُفقاء کو آپ کے ہمراہ دیکر آپ کو رخصت کر لیتے ہیں۔ آپ براستہ بانہال اس سفر سعید پر ایران کے لئے روانہ ہوتے ہیں، جس کا ذکر آپ کے ایک خاص خلیفہ حبیب اللہ خمی نوشہری کے ہاں آپ کے رسالہ "مقامات مُرشد" میں یوں مرقوم دکھائی دیتا ہے[۲]۔

یک برادر شدہ است ہمراہ او
شاہ نوروز مرد نام نکو

ایک مرید زادہ جس کو اپنے نیک اوصاف کی بناء پر شاہ نوروز کہا جاتا تھا بھی آپ کے ساتھ اس سفر میں ہمراہ ہو لیا۔

۱۔ واقعات کشمیر خواجہ اعظم دیدہ مری۔ ۲۔ اعما عبدالرحیم مونوگراف۔ مرغوب بانہالی۔

دیگر آں بوٹہ صوفی و درویش
کی صفاکیش بود نیک اندیش

دوسرا ساتھی بوٹہ صوفی بنا (جو اصلاً لداخی تھا) وہ بہت ہی نیک خصلت اور تجربہ کار شخص تھا۔

دیگرے آں محمد کاکا
ہمرش بودہ است بہر خدا

ایک اور ساتھی محمد صوفی تھا جس کو "محمد کاکہ" کہتے تھے آپ کے ہمراہ نکلا۔ وہ صرف رضائے الٰہی کا متوالا تھا۔

دیگر آں کو کہ اش یوسف نام
کہ نکو بخت بود نیک انجام

چوتھا ساتھی آپ کا رضائی بھائی تھا جس کا نام یوسف تھا جو ہر لحاظ سے نیک بخت جانا جاتا تھا۔

ایں ہمہ چار و پیرما پنجم
پیرما آفتاب شان انجم

یہ چار ساتھی لیکر ہمارا پیر روانہ ہوا۔ گویا وہ پانچواں شخص تھا یا یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارا پیر (صرفیؒ) آفتاب کی مانند تھا اور یہ چار آدمی اُس کے ہمراہ تاروں کی مانند تھے۔

خواجہ ؒ بانہال پہاڑ کو عبور کرتے وقت بوڈ صوفی کے لڑھکنے اور برف کے تودوں کے نیچے دب جانے اور حضرت صرفیؒ کے اُن کو برف سے کرشماتی طور

نکالنے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

لیک کرد اختیار از کشمیر — سخت راہے ز راہ ہا! آں پیر
کہ راہ بانہال نامش بود — چوں فلک کوہسارو در شمود
برف جنیدہ شد ازاں غلطاں — بوٹہ صوفی درو شدہ پنہاں

کہا جاتا ہے کہ حضرت ایشانؒ بانہال پہنچے تو یہاں کے لوگ آپ کی شخصیت اور خیالات سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے اُنہیں دین اسلام کے بارے میں متعارف کیا۔ دینی بزرگوں کی آمد کا یہ سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہا۔ اٹھارویں اور اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط تک کئی ایک ولی خدا یہاں آتے رہے ہیں جن میں کئی ایک حضرات آخری وقت تک رہ کر یہیں پر واصل بحق ہو گئے اور اُن کے مرقد آج بھی یہاں پر موجود ہیں۔ ان میں ایسے حضرات بھی شامل ہیں جو صوفیا کے اُس گروہ سے متعلق ہیں جو دُنیاوی علایق سے دور رہ کر گمنام طریقے سے ریاضت اور تزکیہ نفس کرتے رہے ہیں اور بعد ازاں لوگ اُن کے مختلف طرح کے کشف و کمالات سے متاثر ہو کر اُن کے گرویدہ ہوتے رہے ہیں۔ اس علاقے میں جن دینی بزرگوں یا صوفیا کی آمد کے شواہد موجود ہیں۔ اُن میں محمود شاہ غازیؒ، معصوم شاہؒ، مقصود شاہ قلندر بغدادیؒ، حبیب شاہؒ، عالم شاہؒ، سید ظہور الدینؒ، شاہ اسرف شاہ بغدادیؒ اور سید سرور سمنانیؒ جیسے روحانی بزرگوں کے نام شامل ہیں اور اس کے علاوہ کچھ بزرگان دین کے نوادرات بھی یہاں پر موجود ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان میں سے کئی ایک ولی خدا ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

زیارت دستگیر صاحبؒ:

بانہال کے کراوہ گاؤں میں زیارت دستگیر صاحب کے نام سے ایک زیارت گاہ موجود ہے جہاں پر اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کے کچھ تبرکات موجود ہیں۔ یہاں پر پہلے ایک چھوٹی سی مسجد شریف تھی جس کے عقب میں ساتھ ہی یہ نوادرات بہ حفاظت رکھے گئے تھے۔ لیکن اب یہاں پر ایک عالیشان مسجد شریف تعمیر کی گئی ہے جس کے ملحقہ ایک جگہ پر یہ نوادرات حفاظت کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک موئے شریف۔ حضرت شاہ ہمدان امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اورادِ فتحیہ کے تقریباً آٹھ اوراق کے قلمی نمونے (جو خوشنویسی کا اعلیٰ نمونہ ہیں) اور امام حضرت ابو حنیفہؒ کا ایک سادہ وضع کا کُلاہ مبارک موجود ہے۔ ہر سال ۱۱ ربیع الثانی یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے یوم ولادت پر ان جُملہ نوادرات کی نشاندہی کرائی جاتی اور عرس منایا جاتا ہے۔ جس میں دوسرے فرقوں کے بہت سے لوگ بھی شرکت کرتے ہیں۔ ان نوادرات کے ساتھ فارسی رسم الخط میں لکھی ہوئی ایک سند بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوادرات وادی کشمیر سے لاکر یہاں پر رکھے گئے ہیں۔ عرس کی اس تقریب سے پہلے یہاں تقریباً دس روز تک نمازِ فجر کے بعد قرآن خوانی کی جاتی ہے اور ایصالِ ثواب کی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ عرس کے موقعہ پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی کمالات اور دینی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے اور درود و اذکار کا ورد ہوتا رہتا ہے۔

حضرت محمود شاہ غازیؒ:

آپ ایک صوفی منش روحانی بزرگ گزرے ہیں جن کا یہاں اٹھارویں صدی عیسوی کے دوران وارد ہونا بتایا جاتا ہے۔ آپ کچھ عرصہ گایوں کا پالن کرتے رہے اور پورا دن جنگلوں میں گزارا کرتے تھے اور لوگوں کو ذکر الٰہی کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ اپنی عجیب طرح کی پیشینگوئیوں سے لوگوں کو متوجہ اور حیران کرتے تھے۔ ڈولیگام بانہال کے گاؤں میں آپ کا مقبرہ اور خانقاہ موجود ہے۔ کچھ عرصہ ناگام کے ملحقہ موڑہ میں بھی رہے۔ لیکن بیشتر وقت ڈولیگام ہی میں گزارا اور یہیں مدفون ہوئے۔ آپ کے مقبرہ کے بغل میں ایک بہت بڑا چنار اور تناور الس (برین) کا درخت موجود تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آپ نے خود اپنے ہاتھ سے لگالے ہوئے تھے۔ مقبرہ کی دیوار میں سنگِ سیاہ پر فارسی زبان میں کندہ کیا ہوا ایک خوبصورت کتبہ تھا جس پر ''حضرت محمود شاہ صاحب غازیؒ'' لکھا ہوا تھا اور آپ کی تاریخ وفات درج تھی۔ لیکن کچھ عرصہ قبل اس خانقاہ کی نئی تعمیر کے دوران وہ کتبہ ٹوٹ کر کہیں تلف ہوگیا۔

حضرت معصوم شاہؒ:

معصوم شاہؒ نام کے یہ روحانی بزرگ محمود شاہ غازیؒ کے برادر اکبر بتائے جاتے ہیں۔ جو اس گاؤں (ڈولیگام) میں مقیم ہو کر ساری عمر یہیں پر رہے اور بعد میں یہیں مدفون ہوئے۔ یہاں کی جامع مسجد کے باہر آپ کا مقبرہ موجود ہے، جس کے اردگرد دیوار تعمیر کی گئی ہے۔ معصوم شاہؒ کو ایک مست خمار ولی خدا کہا گیا ہے جو اپنے ضبطِ نفس اور مکاشفات سے لوگوں کو متاثر کرتا رہا ہے۔ لوگ

آپ کے سامنے بہت ہی احتیاط اور احترام کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی دُعا بہت جلد قبول ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت مقصود شاہ قلندر بغدادیؒ

بانہال کے ناگام گاؤں میں مقصود شاہؒ کے نام اس ولی خدا کے یہاں آنے کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ آپ شاید بغداد سے آئے ہوئے تھے جو یہیں پر بعد میں رحلت کر کے مدفون ہوئے۔ آپ کے نام کا ایک مقبرہ یہاں موجود ہے۔ آپ کے مقبرہ کے ساتھ فارسی زبان میں ایک خوبصورت تختی پر آپ کی تاریخ ولادت اور وفات لکھی ہوئی تھی جو مقبرہ کے ساتھ ایک بید کے درخت کے ساتھ آویزاں رکھی گئی تھی۔ لیکن اب وہ ضایع ہوگئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مقبرہ پر جب بھی دیوار تعمیر کی گئی وہ گرتی رہی۔ لوگوں کو اس ولی خدا کے ساتھ کافی عقیدت رہی ہے۔

حضرت عالم شاہ صاحبؒ

عالم شاہؒ کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہیں۔ آپ کا اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں یہاں آنا بتایا جاتا ہے۔ آپ کچھ عرصہ یہاں کے شیخ پورہ ناگام میں مقیم رہے۔ گاہے گاہے اپنی من مرضی سے لوگوں کا ساتھ بھی نبھاتے رہے۔ لیکن کچھ ایسے مکاشفات بھی کیے کہ لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ بعد میں رحلت کر گئے اور یہیں مدفون ہوئے۔ قصبہ بانہال میں بوائیز سکنڈری سکول کے متصل پہاڑی کے دامن میں آپ کا مقبرہ موجود ہے۔ جس کی تعمیر یہاں کے ایک بزرگ شخص چوہدری اللہ دتہ نے کی تھی اور حال ہی میں اسے دوبارہ تعمیر کیا

گیا ہے۔ جس کے اوپر ایک گُھمند نما چھت ہے۔ لوگوں کو اس ولی خدا کے ساتھ عقیدت رہی ہے۔ لوگ یہاں چڑھاوا بھی چڑھاتے ہیں۔ مرحوم غلام خان اس زیارت کا متولی تھا اور اب اس خان محلّہ کے لوگ اس زیارت کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں۔

سید ظہیر الدین المعروف سعد صاحبؒ:

اس ولی خدا کا بھی سادات کے بزرگوں کے ساتھ تعلق بتایا جاتا ہے جو اٹھارویں صدی کے اواخر میں یہاں تبلیغ دین کی خاطر آئے۔ کراوہ کے دیوان پورہ موڑہ میں آپ کے نام پر ایک چھوٹی سی خانقاہ موجود ہے جہاں آپ مدفون ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو اس بزرگ کے ساتھ بہت عقیدت رہی ہے۔ متبرک ایام میں آج بھی یہاں پر تلاوت و اذکار ہوتے رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت سید ظہیر الدینؒ ولی کی آمد کے وقت یہاں پر اُدر پڈر نامی ایک برہمن تھا جو آپ کے طفیل مشرف بہ اسلام ہوا، اور جس نے بعد میں یہاں کراوہ میں ایک مسجد کو تعمیر کیا۔ جس کو بعد میں دوسری مرتبہ ملک خاندان کے ایک بزرگ ملک عبداللہ نے تعمیر کیا جس کا بیٹا نامدار ملک گزرا ہے اس بارے میں یہاں ایک کتبہ بھی موجود تھا جو اب تلف ہو چکا ہے۔ جس پر عبارت رقم تھی۔

کرد تعمیر اول اُدر پڈر   بعد او بہ جنت الماوا گور
کرد تعمیر دوم عالی نسب   نامش اورا ملک عبداللہ لقب

محکمہ مال کے ریکارڈ میں اس بزرگ کے نام "جوئے ظہیر الدین" کا حوالہ بھی

ملتا ہے اور پانی کا یہ چشمہ پینے کے لئے اور آبپاشی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

حضرت سید اشرف شاہ بغدادیؒ:

بانہال کے کسکوٹ گاؤں میں اس ولی خدا کے نام پر ایک روضہ موجود ہے جہاں ایک چھوٹی سی خانقاہ تعمیر کی گئی ہے جہاں یہ مدفون ہیں۔ شاہ سید اشریف الدین بغداد کے رہنے والے بتائے جاتے ہیں جو یہاں پر تبلیغ دین کی خاطر آئے اور یہیں پر متمکن ہو کر بعد میں رحلت فرما گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی آمد کے وقت یہاں کنشک نام کا غیر مسلم سردار رہا کرتا تھا جس کے نام پر اس گاؤں کا نام کنسکوٹ اور بعد میں کسکوٹ پڑا۔ سردار مذکور نے یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تعمیر کیا ہوا تھا۔ اُس کے ہاں ایک جادوگر تھا جو لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتا تھا۔ لیکن جب شاہ موصوفؒ کے ساتھ اُس کا سامنا ہوا تو وہ بُری طرح سے ناکام ہوا اور بعد میں ہلاک ہوا۔ اس کے بعد لوگ شاہ صاحب کے حلقہ ادارت میں آتے گئے اور یہ پوری بستی مشرف بہ اسلام ہوگئی۔ لوگوں کو اس ولی خدا کے ساتھ کافی عقیدت رہی ہے۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے عقیدت گزار منور شاہ نامی نے اپنی ملکیتی اراضی کو آپ کی آرام گاہ کے لئے وقف کیا ہے۔

حضرت باقر محمد شاہؒ

ایک اور ولی خدا باقر محمد شاہؒ کی آمد کے بارے میں یہاں شواہد موجود ہیں جو بانہال کے درشی پورہ موڑہ میں مقیم رہے ہیں اور یادالٰہی کرتے رہے ہیں۔ بعد ازاں یہاں سے کسی دوسرے مقام کی طرف چل دئے یہاں کے لوگوں نے آپ کے نام پر آپ کی نشست گاہ کو دیوار بندی سے محفوظ کیا ہے۔

حضرت طاہر محمود شاہ صاحب منطقیؒ

طاہر محمود شاہؒ نام کے یہ ولی خدا بانہال کے ٹھہار گاؤں میں آ کر بہت وقت تک مقیم رہے ہیں اور عبادت الٰہی کرتے رہے ہیں۔ بعد ازاں اپنے کچھ تبرکات چھوڑ کر یہاں سے چلدے۔ لوگوں نے آپ کے نام پر ایک خانقاہ تعمیر کی ہوئی ہے جو عین قومی شاہراہ کے متصل موجود ہے۔ شاہراہ پر سے گزرنے والے لوگ اکثر یہاں چڑھاوا بھی چڑھاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت سید حسن منطقیؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کا روضہ اونتی پورہ کشمیر میں ہے۔

حضرت سید سرور سمنانیؒ

سید سرور سمنانیؒ نام کے یہ ولی خدا، سمنان سے آکر کشمیر کے کولگام علاقے میں آگئے اور وہاں سے آکر 'نوگام' بانہال میں قیام کیا، جہاں آپ عبادت الٰہی اور تبلیغ دین کرتے رہے اور بعد ازاں یہاں سے پھر سے کشمیر وادی کی طرف چلدئے۔ یہاں کے لوگوں نے از راہ عقیدت آپ کے نام پر ایک خانقاہ تعمیر کی ہوئی ہے جس کے اندر آپ کے کچھ تبرکات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اس بزرگ کے نام پر یہاں ایک بڑا قطعہ اراضی بھی وقف کیا گیا ہے۔ جو اب بھی یہاں پر موجود ہے اور لوگوں نے یہاں پر ایک دینی درسگاہ قائم کرنے کا منصوبہ بھی رکھا ہوا ہے۔

حضرت حبیب شاہ صاحبؒ

حبیب شاہ صاحبؒ نام کے یہ ولی خدا بانہال کے پنچلو گاؤں میں آکر مقیم ہوئے اور بعد ازاں یہیں پر رحلت کر کے مدفون ہوئے۔ آپ کے نام پر یہاں

ایک خانقاہ موجود ہے۔ لوگوں کو اس ولی خدا کے ساتھ کافی عقیدت رہی ہے۔ آپ کے مقبرہ کے متصل مسجد شریف بھی تعمیر کی گئی ہے، جس کے ساتھ ہی الس (برہن) کا ایک بہت بڑا ہی تناور درخت ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آپ نے خود ہی بویا ہوا تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ قریباً دوسو سال قبل یہاں پر تشریف لائے ہیں۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک ادھ جلی لکڑی کو زمین میں گاڑا، جو درخت کی صورت میں اُگ آیا۔

پیر حسن شاہ صاحبؒ

پیر حسن شاہ ایک نیک ولی خدا گزرے ہیں جو ایک تنہا پسند عبادت گزار تھے۔ آپ کشمیر کے کھل ناڑواو کولگام کے علاقے سے قریباً ایک سو تیس برس قبل مہو منگت کے پہاڑوں میں مسکن پذیر رہے اور بعد ازاں یہیں پر انتقال کر گئے اور منگت کے کٹ جی نام کی ایک جگہ پر مدفون ہیں۔ جہاں آپ کا مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ یہاں کے لوگ آپ کی روحانی قوت کے کافی معتقد رہے ہیں۔ آپ کا ایک ہی بازو کام کر رہا تھا لیکن آپ سے کئی عجیب مکاشفات صادر ہوتے رہے ہیں۔

☆

ڈوگرہ راج (۱۸۴۶ء-۱۹۴۷ء)

ڈوگرہ عہد حکومت کا آغاز جموں کے ڈوگرہ خاندان کے سالار اعلیٰ مہاراجہ گلاب سنگھ کی تخت نشینی سے ہوتا ہے۔ گلاب سنگھ ۱۷۹۲ء میں جموں میں پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کی شہرت اُس کی بہادری کی وجہ سے ہوئی۔ اپنے باپ کے ساتھ کسی بات پر خفا ہونے پر آپ نے ایک بڑے جاگیردار دیوانی خشونت رایے کے ہاں ملازمت اختیار کی۔ گلاب سنگھ کی جوانمردی کی شہرت رنجیت سنگھ کے دربار تک پہنچ گئی اور اُس نے اُسے بلا کر اپنے ہاں ملازمت میں شامل کر دیا۔ کشمیر پر حملہ کے وقت گلاب سنگھ اور اس کے بھائی دھیان سنگھ نے بہادری کا بھرپور مظاہرہ کیا اور انعام میں اُسے پھندیا، کھروٹی اور بھول کے علاقے بطور جاگیر کے دیئے گئے۔ اس کے بعد ملتان پر حملہ کے بعد اُسے ریاسی کا علاقہ بھی دیا گیا۔ دوبارہ کشمیر پر حملہ کے بعد اُس کے والد راج کشور سنگھ کو جموں بطور اجارہ ملا۔ کشتواڑ کو فتح کرنے کے بعد مہاراجہ نے آپ کو جموں کی حکمرانی اور راجے کا خطاب دیا۔ مہاراجہ نے اُسے ۱۶ جون ۱۹۲۲ء کو اپنی صدارت میں اکھنور کے مقام پر راجہ نامزد کیا اور اُسے اپنے ہاتھ سے راج تلک لگایا جس کے دوسرے روز گورنر

کی مہر تصدیق حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد جاگیر کشتواڑ بھی صوبہ جموں کا ایک حصہ بن گئی۔ رام نگر چینی اور بھدرواہ وغیرہ راجواڑے بھی ڈوگر سلطنت میں شامل ہو گئے۔ گلاب سنگھ نے لداخ اور اسکردو کے علاقے بھی فتح کئے اور بعد ازآں زورآور سنگھ کی قیادت میں تبت (مہاسہ) پر بھی حملہ کیا لیکن ناکام رہا اور زورآور سنگھ سمیت فوج تباہ ہوگئی۔ ۱۸۳۹ء میں مہاراج رنجیت سنگھ کی موت کے بعد خالصہ حکومت بدنظمی کا شکار ہوگی اور باہمی خونریزی ہوتی رہی۔ راج گلاب سنگھ بھی لاہور میں گرفتار ہوا۔ دریں اثنا انگریزوں اور خالصہ سرکار کے درمیان تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس دوران مہاراجہ گلاب سنگھ کو درمیانہ داری کا موقعہ ملا اور اُس نے دونوں کے درمیان صلح کرائی اور اپنے لئے جموں وکشمیر بطور انعام کے حاصل کرنے کی استدعا کی۔ ۹/ مارچ ۱۸۴۶ کو انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اس کی ۱۵ دفعات تھیں۔ دفعہ ۱۲ کے تحت انگریزوں نے سکھوں سے تحریری طور اقرار کردیا کہ جموں وکشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کیا جائے گا۔ اس طرح سے ۱۶/ مارچ ۱۸۴۶ کو انگریزوں اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان عہد نامہ عہد نامہ امرتسر کے نام سے وہ بدنام زمانہ معاہدہ طے پایا جس کی رو سے مہاراج گلاب سنگھ کو جموں وکشمیر کا ۸۴۴۷۱ مربع میل کا رقبہ "پچہتر ہزار نانک شاہی روپیہ کے عوض فروخت کیا گیا جو بقول" قدرت اللہ شہاب ۱۵۵ روپیہ فی مربع میں یا نانک شاہی روپیہ کی قیمت کے مطابق ایک پیسہ میں ۲۷۰ مربع گز پڑا تھی تھی[1]۔ اُس وقت کی آبادی سے انسانوں کی قیمت تقریباً سات

[1] شہاب نامہ۔ قدرت اللہ شہاب

روپے یا سوا سات روپے فی کس پڑی اور اس طرح سے مہاراج گلاب سنگھ ریاست جموں وکشمیر کا آزاد اور خود مختار حکمران بن بیٹھا[1]۔

مہاراج گلاب سنگھ (۱۸۴۶۔۱۸۵۸ء)

مہاراج گلاب سنگھ نے بارہ برس تک حکومت کی۔ مہاراج نے اگرچہ افغانوں اور سکھوں کے لوگوں پر ڈھائے گئے مظالم کو کم کرنے کی کئی اقدامات کئے۔ لیکن اُس کے مقرر کردہ گورنروں اور اہلکاروں کے ذریعہ جبر وزیادتیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لوگوں کی اقتصادی بدحالی میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک جاگیردار اپنے علاقے میں تمام معاملات میں اپنے اختیارات کا استعمال کرتا تھا اور شرمناک حد تک اپنی حدود میں اپنی دسترس کا حق جتاتا تھا۔ جبری مزدوری اور بیگار کے علاوہ مختلف اجناس کے رسوم اور دالوں، پھلوں اور گھی وغیرہ پر اپنی حدود میں جبری رسومات عاید کئے جاتے تھے۔ ریاست کی اکثریتی مسلم آبادی جہالت، پسماندگی اور غربت کی شکار تھی۔ شال بافوں پر ٹیکسوں کی زیادتی عائد کرنے کی وجہ سے بہترین کاریگر تلاش معاش کی خاطر وادی سے نکل کر پہاڑی علاقوں میں پناہ لینے لگے۔ مہاراج نے تمام غیر حصہ جاگیروں کو اپنے نام کیا اور مالکان یا کرایہ داروں کو صرف کاشتکاری کے حقوق دے گئے۔ ۱۸۵۱ء میں آپ نے جموں کے رگھوناتھ مندر کی تعمیر کی بنیاد رکھی اور اس کے علاوہ راجوری کے ایک ولی خدا بابا غلام شاہؒ کی زیارت کے ملحقہ زمین کو وہاں کے لنگر کے نام وقف کردیا۔ فروری ۱۹۵۶ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی زندگی کے

[1] کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔ ایم۔ اے۔ خان ص ۴۲۔۴۳

دوران ایک تقریب کا انعقاد کر کے میاں رنبیر سنگھ کو اپنا مورث اعلیٰ مقرر کر دیا اور ایک پٹہ کے ذریعہ اس کو مہاراج کا خطاب دیا۔ ۲ اگست ۱۸۵۷ کو مہاراج گلاب سنگھ رام باغ سرینگر میں انتقال کر گیا اور مہاراج رنبیر سنگھ گدی نشین ہو گیا۔

مہاراج رنبیر سنگھ (۱۸۵۷۔۱۸۸۵ء)

رنبیر سنگھ ۱۸۳۰ میں رام گڑھ جموں میں پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے والد سے انتظامی صلاحیت اور فوجی مہارت حاصل کی۔ رنبیر سنگھ علم وادب کا شیدائی تھا اور عوام کی خوش حالی کا بھی خیال رکھتا تھا۔ اُس کے دور میں سرینگر اور جموں میں پہلی بار دو کالج کھولے گئے۔ جموں میں کئی مندروں کی تعمیر کی گئی اور مساجد کو بھی تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔ ریاست میں مال کا محکمہ اور عدالتیں قایم کی گئیں۔ جموں اور سرینگر میں صدر عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے علاوہ ۳۰ کے قریب ذیلی عدالتیں قائم کی گئیں۔ بندوبست اراضی کا محکمہ قائم کیا گیا اور قوانین فوجداری مرتب کے گئے ڈوگری زبان کو جاننا سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے ضروری قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو بھی فروغ حاصل ہوتا رہا۔ افغان دور حکومت میں ’’ترکی‘‘ نام کا ٹیکس عائد تھا جس کی رو سے ایک کسان کو دو خروار فصل سے صرف گیارہ ترک اناج ملتا تھا باقی سرکاری گودام میں چلا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سات سو سال سے ’’زرنکاح‘‘ لیتے شادی کا ٹیکس عائد تھا اور آپ نے ان دونوں ٹیکسوں کے قوانین کو منسوخ کر دیا۔ جموں سرینگر سڑک (B.C.road) یعنے بانہال کارٹ روڈ کی تعمیر کا کام بھی مہاراجا رنبیر سنگھ کا کارنامہ ہے۔ ڈاک اور پوسٹل سروس کا آغاز ہوا۔ سرینگر اور دلی کے

درمیان ۴۷ر گھنٹے تک ڈاک پہنچ جاتی تھی راولپنڈی اور سرینگر کے درمیان ٹیلیگراف لائین بچھائی گئی پھر یہ سلسلہ لداخ اور گلگت تک پہنچایا گیا۔ ۱۸۷۰ء میں کوہالہ پُل کی تعمیر کی گئی وادی کشمیر کو وزارتوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور انتظامی سہولیات کو بہتر بنایا گیا۔ البتہ اس دور میں ایک زبردست قحط پڑا اور مہاراجہ نے خوراک بہم رکھنے کی سہولیات پر خاص توجہ دی۔ آپ نے ریشم کی صنعت کو بھی بڑھاوا دیا۔ اٹھارہ برس تک حکومت کرنے کے بعد آپ زیابیطس کی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۲ ستمبر ۱۸۸۵ کو فوت ہوئے اور آپ کا پہلا بیٹا پرتاپ سنگھ گدی نشین ہو گیا۔

انگریزوں کے ماتھے پر بدنما داغ معاہدہ امرتسر ہے، جس کے ذریعے کشمیر گلاب سنگھ کو منتقل ہوا۔ کشمیر کی تاریخ جدید کی بنیاد چونکہ یہ معاہدہ ہے، اس لئے اسے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

☆

عہد نامہ امرتسر (۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء)

یہ وہ عہد نامہ ہے جو حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ آف جموں کے درمیان قرار پایا، جس میں ایک طرف حکومت برطانیہ کے نمائندے فریڈرک کری صاحب اور بریوٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس (زیر احکام رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی (ممبر پریوی کونسل عالیہ حضرت ملکہ برطانیہ) گورنر جنرل مقررہ آنریبل کمپنی بہادر برائے انصرام امور کمپنی در شرق الہند) اور دوسری طرف مہاراجہ گلاب سنگھ بنفس نفیس شامل ہوئے۔

دفعہ اول:

حکومت برطانیہ وہ تمام کوہستانی علاقہ (مع ملحقات آں) جو دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے وادی کے مغرب کی طرف واقع ہے، (بشمول چمبہ و باستثنائے لاہور) اور جو اس علاقے کا ایک حصہ ہے، جو حکومت لاہور نے معاہدہ لاہور مورخہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کی دفعہ ۴ کے منشا کے ماتحت حکومت برطانیہ کے سپرد کر رکھا ہے مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے جملہ مذکور وارثوں کے خود مختار قبضے میں منتقل کرتا ہے۔

دفعہ دوم:

جو علاقہ دفعہ اول کے مطابق مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضے میں منتقل کیا جا رہا ہے، اس کی مشرقی سرحد کا فیصلہ وہ کمشنر کریں گے، جنہیں حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اس مقصد کیلئے مقرر کریں گے اور یہ سرحد بعد پیمائش و مساحت ایک علیحدہ دستاویز میں معین کی جائے گی۔

دفعہ سوم:

مذکورہ بالا دفعات میں منتقل شدہ ملک کے عوض پچاس لاکھ نانک شاہی تو معاہدے کی تصدیق پر دیا جائے گا اور باقی پچیس لاکھ نانک شاہی سال رواں ۱۸۴۶ء کی یکم اکتوبر کو یا اس سے پیشتر ادا کیا جائے گا۔

دفعہ چہارم:

مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حدود کسی وقت بھی حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر تبدیل نہ کی جائیں گی۔

دفعہ پنجم:

اگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور حکومت لاہور یا کسی اور ہمسایہ سلطنت کے درمیان کوئی جھگڑا یا مسئلہ پیدا ہو گا تو مہاراجہ اس کو حکومت برطانیہ کی ثالثی کی سپرد کرے گا اور حکومت برطانیہ کے فیصلے کا پابند ہو گا۔

دفعہ ششم:

مہاراجہ گلاب سنگھ اپنی اور اپنے وارثوں کی طرف سے عہد کرتے ہیں کہ اگر

کبھی برطانوی فوج ان کے مقبوضہ ملک کے ملحقہ علاقے یا کوہستان میں مصروف کار ہوگی تو وہ اپنی ساری فوج سمیت برطانوی فوج کے ساتھ شامل ہوں گے۔

دفعہ ہفتم:

مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ منظوری کے بغیر وہ برطانیہ یا کسی یورپی یا امریکی سلطنت کی رعایا کے کسی آدمی کو اپنے ماتحت ملازم نہ رکھیں گے۔

دفعہ ہشتم:

منتقل ہونے والے علاقوں کا جہاں تک تعلق ہے، وہ حکومت برطانیہ اور دربار لاہور کے درمیان علیحدہ علیحدہ مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۸۴۶ء کی بجایت ۵۔۶۔۷ کے منشا کا احترام کریں گے۔

دفعہ نہم:

حکومت برطانیہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں امداد بہم پہنچائے گی۔

دفعہ دہم:

مہاراجہ گلاب سنگھ حکومت برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس تسلیم کی نشانی کے طور حکومت برطانیہ کی خدمت میں ہر سال ایک گھوڑا اچھی نسل کا بارہ پشمی بکریاں (چھ بکرے چھ بکریاں) اور تین جوڑی کشمیری دوشالوں کو

پیش خدمت کیا کریں گے۔

یہ عہد نامہ، جس کی دس دفعات میں آج کی تاریخ پر فریڈرک کری صاحب اور بریوٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس زیر ہدایت رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل نمائندگان حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ (بنفس نفیس) کے درمیان قرار پایا اور اس معاہدہ پر آج کی تاریخ کی رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل نے مہر تصدیق ثبت کی۔

قرار یافتہ بمقام امرتسر مورخہ ۱۶ر مارچ ۱۸۴۶ء مطابق ۱۷ر ربیع الاول ۱۲۶۲ ہجری۔

گلاب سنگھ

ایچ ہارڈنگ

ایف کری، ایچ ایم لارنس[1]

☆

[1] ترجمہ ہفت روزہ "نصرت" لاہور، ۱۹۴۰ء ص ۲۹۷ر اصلی انگریزی متن "گزٹیر" ملاحظہ کیا۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔ اور ابتدائی تعلیم فارسی، اور ڈوگری زبانوں میں حاصل کی۔ روس کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے پیش نظر مہاراجہ رنبیر سنگھ کی حیات کے دوران میں حکومت برطانیہ نے اُنھیں اس بات پر مجبور کیا تھا۔ کہ ریاست میں ایک ریذیڈنٹ کی تقرری کو عمل میں لایا جائے تاکہ حکومت برطانیہ کو یہاں کے حالات سے پوری طرح باخبر رکھا جائے اور پہلی بار ۱۸۸۵ء میں جموں وکشمیر میں ایک ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ سر اولیور سنیٹ جان پہلا ریذیڈنٹ مقرر ہوا جو پہلے یہاں پر بطور ایک نمائندہ کے تعینات تھا[1]۔ اس طرح سے ملکہ وکٹوریہ کی منظوری کے بعد ۵ر ستمبر ۱۸۸۵ کو پرتاپ سنگھ گدی نشین ہوا۔ لیکن راج تلک کی رسم ۹ر مئی ۱۸۸۶ کو انجام دی گئی۔ ۱۸۸۶ میں دوسرا ریذیڈنٹ پلوڈن مقرر کیا گیا جس نے پرتاپ سنگھ پر کئی الزام تراشیاں کیں اور اُنھیں روس کے ساتھ مراسم رکھنے کا دوشی ٹھہرایا۔ ۱۸۸۹ء میں مہاراج کے اختیارات لگ بھگ چھین کر ایک کونسل آف ریذیڈنس کا قیام عمل میں لایا گیا اور پرتاپ سنگھ کے بھائی امر سنگھ کو اس کا صدر بنایا گیا۔ یعنے اُس کے اپنے بھائی

[1] کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔ از ایم۔ اے خان

امر سنگھ کو اس کے خلاف بدظن کر کے کھڑا کر دیا گیا۔ اس غیر منصفانہ اقدام پر عوام میں ناراضگی پھیل گئی اور مہاراجہ نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی بالآخر مہاراجہ کو کونسل کا صدر اور امر سنگھ کو اس کا نائب صدر بنایا گیا۔ اس طرح سے پرتاپ سنگھ نے دوبارہ (۱۹۰۵۔۱۹۲۵ء) تک عنان حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی۔ اس کے بعد پہلی جنگ عظیم میں جموں وکشمیر کی افواج نے انگریزوں کی حمایت کی اور اس کارگزاری کے عوض لارڈ چیمسفورڈ نے مہاراجہ کو ایک آزاد اور خودمختار حکمران تسلیم کیا۔ ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ کا انتقال ہو گیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ (۱۹۲۵ء۔۱۹۴۷ء) ہری سنگھ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا وہ اپنے والد امر سنگھ کا واحد اکلوتا بیٹا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی اولاد نہ تھی اور اس کا بھائی امر سنگھ اس کی زندگی کے دوران ہی ۱۹۰۹ء میں انتقال کر گیا تھا۔ اس لئے مہاراجہ نے اُس کے انتقال کے بعد اپنے بھتیجے ہری سنگھ کو ولی عہد نامزد کیا[1]۔ اُس کی عمر اُس وقت صرف ۳۰ برس کی تھی۔ چنانچہ راجہ امر سنگھ جاگیر بھدرواہ کا وارث تھا اس لئے اس کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا پوری ریاست کا حکمران بن بیٹھا۔ ہری سنگھ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اُس نے راجستھان کے کالج میں داخلہ لیا اور وہ انگلستان میں بھی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ پھر ڈیرہ دون کالج سے فوجی تربیت حاصل کی حکومت برطانیہ کی طرف سے اُسے خطابات بھی دئے گئے اور وہ ریاستی فوج کا کمانڈر انچیف بھی مقرر کیا گیا۔ جب ۱۹۲۲ء میں سٹیٹ کونسل بن گئی وہ اس کا بھی ایک سینئر ممبر تھا اور امور مملکت میں پہلے ہی سے ماہر تھا۔ ہری

[1] کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔ از۔ ایم۔ اے خان

سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی یہ فرمان جاری کیا کہ ریاست میں برطانوی پرچم نہ لہرایا جائے۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک میانہ روی کی پالیسی اختیار کی۔ اُسے برصغیر کے بدلتے ہوئے حالات کا اندازہ تھا۔ جہاں عوام نے حکومت برطانیہ کو مراعات دینے کیلئے مجبور کیا ہوا تھا۔ ۱۹۰۲، ۱۹۰۹ اور ۱۹۱۹ ایکٹوں کی رو سے لوگوں کو یہ شنوائی کا حق دیا گیا۔ کہ اُنہیں عدلیہ اور انتظامیہ میں شرکت کے مواقع دیئے جائیں۔ نئی برطانوی تعلیمی پالیسی کے تحت یہاں کے نوجوانوں کو بھی ملک کی دوسری دانشگاہوں میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کی سہولیت دی گئی۔ جنہوں نے وہاں سے فارغ ہو کر اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے آواز اُٹھانا شروع کی۔ ۱۹۳۰ء میں کشمیر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے ''ریڈنگ روم پارٹی'' کے نام سے فتح کدل سرینگر میں ایک نشست گاہ کا قیام عمل میں لایا۔ جو آگے چل کر یہاں کی سیاسی سرگرمیوں کا محرک بن گئی۔ شیخ محمد عبداللہ اور مفتی جلال الدین اس کے بانی کارممبروں میں سے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر مہاراجہ ہری سنگھ نے کئی مراعات اور اصلاحات کو عملانے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے سولہ برس سے کم عمر میں تمباکو نوشی پر روک لگانے کے علاوہ کم سن لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی اور عورت فروشی پر روک لگادی۔ ہندو بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت۔ ہریجنوں کو مندروں میں جانے کی اجازت دینا، لداخ میں رائج ایک بیوی کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ بھائیوں کی شادی پر روک لگا دینا۔ ٹھاکور ذات کے لوگوں کو بیگار سے مستثنیٰ قرار دینا۔ سکولوں کی تعداد میں اضافہ کرنا، بنوت بھدرواہ روڈ

کی تعمیر اور مستقل باشندہ ریاست کے قانون کا نفاذ وغیرہ آپ کے اقدامات میں شامل ہے۔ مہاراجہ نے ایک انتظامی کونسل کو تشکیل دیا جو مہاراجہ کو انتظامی امور میں مُفید مشورے فراہم کرتی۔ یہ کونسل چھے تجربہ کار اشخاص پر مشتمل تھی۔ ۱۹۲۹ء میں مہاراجہ نے عدلیہ عالیہ کو تشکیل دیا جو چیف جسٹس اور دو ججوں پر مشتمل تھی اس کے علاوہ ایک جوڈیشل ایڈوائزری بورڈ بھی قائم کیا جو مہاراجہ کی خدمت میں پیش ہونے والے مقدمات میں اُنہیں اپنے مشورے وقف کرسکتا۔ زراعت کے میدان میں مہاراجہ نے کئی اصلاحات عمل میں لائیں۔ محکمہ زراعت اور دیہی ترقی کے محکمہ جات بنائے گئے تاکہ عوام کو سہولیت ہو سکے۔ اس کے علاوہ ہسپتالوں کا قیام، میونسپل حدود میں پانی کی سہولیات کی فراہمی اور اساتذہ کی تربیت کیلئے سرینگر اور جموں میں تربیتی اداروں کا قیام وغیرہ جیسے اقدامات اُٹھائے گئے۔ لیکن یہ تمام اقدامات لوگوں کے اُن مجروح جذبات کو مُندمل کرنے کیلئے کافی نہ تھے جو اُنہیں ماضی کے حکمرانوں کے ہاتھوں دلوں پر لگ چکے تھے۔ مہاراجہ عموماً شکار اور کھیل کے مشغل کے حوالے سے بیشتر وقت باہر ہی گزارتے تھے اور عوام کو اپنے صلاح کاروں کے رحم کرم پر چھوڑ دیتے تھے جو ان اقدامات کو پوری طرح سے عملانے میں پس و پیش کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں سیاسی امور کے مشیر سر ایلین بینرجی نے یہ کہہ کر اپنا استعفےٰ پیش کیا کہ اکثریتی مسلم آبادی ناخواندہ اور پسماندگی کا شکار ہے۔ عوام اور مہاراجہ کے درمیان تال میل کا فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی عرضیاں مہاراجہ کی خدمت میں پیش کرنے سے اور انصاف حاصل کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ انگریز مشیر کے

اس بیان سے لوگوں کے حوصلہ کو اور بھی تقویت حاصل ہوگئی اور وہ اپنے حقوق کی حصولیابی کیلئے متحد ہونے لگے۔ ۱۹۳۰ء میں لاہور میں آل مسلم کانفرنس کا ایک اجتماع ہوا جس میں کئی سرکردہ رہنماؤں نے حصہ لیا اور اس کے بعد قاضی گوہر رحمان، اللہ رکھا ساغر، غلام حیدر غوری اور مولوی غلام حیدر شاہ نے پہلی بار ''ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن'' کے نام سے جموں میں ایک تنظیم قائم کی جو عوامی تحریک کی قیادت کرنے لگی۔ تعلیم یافتہ نوجوان ''ریڈنگ روم پارٹی'' سرینگر میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ مرحوم غلام محمد عشائی اور دیگر سرکردہ مسلم نوجوان رہنما اس میں شریک ہوتے رہے۔ ان ہی ایام میں مرحوم شیخ محمد عبداللہ علی گڈھ سے ایم، ایس، سی کر کے لوٹے۔ آپ پہلے ایک سرکاری مدرس تعینات ہوئے لیکن بعد ازاں پارٹی مصروفیات کی بناء پر نوکری کو خیر باد کیا اور ہمہ تن سیاسی سرگرمیوں میں جٹ گئے۔ مرحوم مرزا محمد افضل بیگ، خواجہ غلام محمد صادق، مولانا مسعودی اور چوہدری غلام عباس وغیرہ اُن کے ساتھ ہو گئے۔ بخشی غلام محمد کو تنظیم کا سربراہ بنایا گیا۔ مختلف مقامات پر عوامی اجتماعات منعقد ہوتے رہے اور احتجاج ہوتے رہے۔ بے چینی کی یہ لہر پونچھ اور راجوری تک پھیل گئی اور عوام اور مہاراجہ کے درمیان کشمکش کی خلیج بڑھتی گئی۔ دوسری طرف سے مہاراجہ اور انگریزوں کے درمیان بھی چپقلش بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ مہاراجہ نے ریزیڈنٹ کشمیر کو ریاست سے چلے جانے کا حکم دیا۔ اسی عرصہ کے دوران جموں کے سنٹرل جیل میں قرآن شریف کی توہین کا واقعہ پیش آیا اور عیدگاہ جموں میں عید نماز کے موقعہ پر بے حرمتی کی گئی۔ جس پر کافی احتجاج ہوا۔ مہاراجہ نے جموں سے سات مسلم

نمائندے اور سرینگر سے دس نمائندے بلا کر ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا۔ لیکن یہ ممبران صورت حال کے پیش نظر کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے۔ مہاراجہ نے انہیں بغاوت کا مورد جانا اور گرفتار کیا جس کے سبب وادی میں زبردست احتجاج ہوا اور انہیں رہا کرنا پڑا۔

یوم شہدا ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء:

۲۱ر جون ۱۹۳۱ء کو حسب معمول سرینگر میں لوگوں نے اپنا کام کاج کرنا شروع کیا اور دکانیں کھولیں۔ اسی روز خانقاہ معلی میں اُتر پردیش سے تعلق رکھنے والے عبدالعزیز نامی شخص جو ایک انگریز سیاح کے ساتھ اُس کے باورچی کی حیثیت سے سرینگر آیا ہوا تھا اور ہاؤس بوٹ میں قیام پذیر تھا نے عوام کے حق میں ایک آتش فشاں تقریر کی اور لوگوں کو مہاراجہ کے شخصی راج اور مظالم کے خلاف متحد ہونے کے لئے تحریک دی۔ اُس کی تقریر کو سرکار کے خلاف بغاوت سمجھ کر حکومت نے اُسے گرفتار کیا اور ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو اُسے تین سال کی قید بامشقت سُنائی۔ سزا کی یہ کارروائی سنٹرل جیل سرینگر میں عمل میں لائی گئی۔ عوام نے اس خبر کو سنتے ہی سنٹرل جیل کا گھیراؤ کیا اور داخل ہونے کی کوشش کی۔ پولیس نے گولیاں چلائی اور ۷ر اشخاص شہید ہو گئے۔ لوگوں نے لاشوں کو اٹھا کر جامع مسجد میں لے جانا چاہا جہاں اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ ڈیوٹی پر تعینات پولیس ہجوم پر قابو نہ پا سکی اور دوبارہ گولی چلائی جس کے نتیجے میں ۱۰ر اشخاص اور شہید ہو گئے۔ لوگوں نے زبردست قوت کا مظاہرہ کیا اور ۱۷ر شہدا کو زبردستی اٹھا کر زیارت نقشبند صاحبؒ کے احاطہ میں تدفین کی۔ زخمیوں کی ایک بڑی

تعداد کو مہاراج گنج ہسپتال سرینگر پہنچایا گیا۔ راستے میں ایک ہندو تاجر کے نامناسب کلمات پر ہجوم نے اُسے لوٹ لیا اور حالات مزید کشیدہ ہو گئے۔ بے بس ہو کر مہاراجہ نے شہر کو فوج کے حوالے کر دیا اور ہزاروں کارکن جیل بھر دیے گئے اس کے بعد ایک چیف جسٹس کی نگرانی میں ایک تحقیقاتی کمیشن مہاراجہ نے مقرر کیا تا کہ معاملے کی چھان بین کی جائے۔ لیکن لوگوں نے اس پر عدم اطمینان کا مظاہرہ کر کے تعاون دینے سے گریز کیا۔ حکومت برطانیہ نے مہاراجہ کو ایک آزادانہ انکوائری کرنے کا مطالبہ کیا اور پنجاب سے مسلم کانفرنس کے ایک وفد کو داخل ہونے کی اجازت دینے کو کہا جو اس بارے میں اپنی رائے دے سکتی۔ مہاراجہ نے اسے توہین کے مترادف کہا۔ تاہم ویک فیلڈ نامی انگریز وزیر کو برخاست کر کے ہری کرشن کول کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ وزیر اعظم نے عوام کے نمائندوں کو بلا کر ایک راضی نامہ کیا۔ ہڑتال ختم کر دی گئی اور حکومت نے قیدیوں کو رہا کرنے اور مقدمات واپس لینے کا یقین دلایا۔ دریں اثنا ریاست سے باہر کشمیر کمیٹی کے نام سے سر شیخ محمد اقبال، حسرت موہانی اور مرزا بشیر الدین وغیرہ مسلم رہنماؤں نے ایک کمیٹی تشکیل دی جنہوں نے ۱۴ راگست ۱۹۳۱ء کو یوم کشمیر منایا اور دہلی، بمبئی، کلکتہ، جموں اور شملہ وغیرہ مقامات پر احتجاج کیا اور کشمیر کے لوگوں کے حقوق کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔ مذکورہ کمیٹی نے وزیر اعظم ہری کرشن کول اور کشمیری لیڈر شپ کے درمیان معاہدے کو بے معنے قرار دیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے ساتھیوں نے جدوجہد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ شیخ صاحب دیگر ساتھیوں کے ہمراہ گرفتار ہوئے اور ایک ریاست گیر تحریک شروع ہو گئی۔

ہری کرشن کول نے بھی ۷۔۱۹ کے تحت ایک نوٹیفکیشن نکالا اور کئی معصوم لوگوں کو گرفتار کر کے اذیت پہنچائی گئی۔ حالات کی ابتری کے پیش نظر برٹش انڈیا حکومت نے مہاراجہ کے نام چوبیس گھنٹے کا نوٹس جاری کیا کہ وہ عوامی خواہشات کا احترام کر کے مساجد میں اذان اور خطبات پر پابندی کو ہٹائے۔ قیدیوں کو رہا کرے اور برطانیہ کے ایک سول آفیسر کو وزیر اعلیٰ مقرر کرے۔ اس طرح سے مہاراجہ نے ۷۔۱۹ نوٹیفکیشن کو منسوخ کیا اور انکوائری کمیشن مقرر کرنے پر آمادہ ہوا۔ اس طرح سے یہ پہلی عوامی فتح تھی جس نے شخصی حکومت کو اپنی قوت کا اعتراف کرایا۔ ریاست سے باہر ہندوستان کی مجلس امرا جیسی مسلم تنظیموں نے بھی کشمیریوں کے ساتھ ہمدردی کا زبردست مظاہرہ کیا۔ شیخ محمد عبداللہ عوام کے ایک غیر متنازعہ رہنما کی حیثیت سے سامنے آئے۔ مہاراجہ نے حکومت برطانیہ اور عوامی دباؤ کے تحت راجہ ہری کرشن کول کو پرائم منسٹر کے عہدہ سے برخواست کر کے اس کی جگہ E.J.D.Coluni کو نیا وزیر اعظم تعینات کر دیا۔ ۱۳ رجولائی اب ہر سال یوم شہدا کے طور پر پورے سرکاری اعزازات کے تحت منایا جاتا ہے۔ ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو حکومت ہند کے سیاسی اور خارجی امور کے ایک آفیسر بی جے گلانسی کی قیادت میں ایک کمیشن کا تقرر عمل میں آ گیا۔ پریم ناتھ بزاز، چوہدری عباس، غلام احمد عشائی اور لوک ناتھ شرما دیگر چار غیر سرکاری ممبر بھی کمیشن میں شامل کیے گئے تا کہ عوام کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور اُن کی شکایات کا ازالہ کیا جا سکے۔ نیز کمیشن نے مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں میں مناسب نمائندگی دینے کی بھی سفارش کی جن کی شرح تا حال بہت کم تھی اور ان

سفارشات کی ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو مسٹر کولن پرائم منسٹر نے منظوری دی۔ گلانسی کمیشن کی سفارشات کے پیش نظر ریاست میں ایک اسمبلی کا قیام عمل میں آیا جس کا خاص کام صرف حکومت کو مشورہ دینے تک محدود تھا۔ اس کے ۷۵ رکن اسمبلی میں ۴۲ ممبر نامزد کیے جاتے تھے باقی ۳۳ ممبران نمبرداروں، جاگیرداروں اور وظیفہ خوار سرکاری اہل کاروں کے ذریعے منتخب ہوتے تھے جو آبادی کا صرف چھ فیصد حصہ تھے۔

مسلم کانفرنس کا قیام:

اکتوبر ۱۹۳۲ء کو سرینگر کی پتھر مسجد میں ایک بڑے عوامی اجتماع کا انعقاد ہوا اور اسی روز مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ شیخ محمد عبداللہ اس تنظیم کے صدر اور چوہدری غلام عباس جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے۔ پہلا اجلاس ۱۴۔۱۶ اکتوبر تک ۱۹۳۲ء کو شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں منعقد ہوا اس کے بعد میر پور، سوپور، پونچھ میں بھی اجلاس ہوتے رہے۔ شیخ محمد عبداللہ مہاراجہ کی حکومت کے خلاف اپنی بے باک تقریروں اور جرأت بیانی کی وجہ سے شیر کشمیر کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ مسلم کانفرنس گلانسی کمیشن کی سفارشات کو لاگو کرانے کے لئے جدوجہد کرتی رہی جس میں، اظہار آزادی، ناجائز ٹیکسوں کی منسوخی، مذہبی آزادی اور مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے سرکاری نوکریاں فراہم کرانا تھا۔ لیکن یہ تنظیم بہت جلد دھڑا بندی کا شکار ہوگئی اور میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ نے آزاد کانفرنس کے نام سے اپنی تنظیم تشکیل دی۔ دونوں جماعتوں کے مابین زبردست ٹکراؤ ہوتا رہا۔

نیشنل کانفرنس کا قیام:

مارچ ۱۹۳۸ء میں جموں میں تنظیم کا ایک اجلاس زیر صدارت شیخ محمد عبداللہ ہوا جنہوں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کی تجویز رکھی اور اس سلسلے میں اپنے کچھ دلائل پیش کیے۔ بالآخر ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کو ایک جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت غلام محمد صادق نے کی اور آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کو آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا۔ ایک ورکنگ کمیٹی تشکیل دی گئی اس میں ہندو اور سکھ فرقہ کے لوگ بھی شامل کیے گئے۔

مسلم کانفرنس کا دوبارہ احیا:

اس اجلاس کے کچھ عرصہ بعد چوہدری غلام عباس اور مولانا محمد یوسف شاہ نے مسلم کانفرنس کو بحال رکھنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مسلم کانفرنس کے نیشنل کانفرنس میں ادغام کو ناپسندیدگی سے دیکھنے لگے اور وہ بھی ان کے حامی ہوگئے۔ بقول چوہدری عباس، میر واعظ محمد یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے سیاسی مستقبل اور تشخص کو قائم کرنے کیلئے باعث نقصان سمجھنے لگے[1]۔ ۱۹۳۹ء میں جب شیخ محمد عبداللہ اور چوہدری عباس اپنے کچھ اور ساتھیوں کے ساتھ جیل سے رہا ہوئے تو اُن کے مابین پھر سے روابط پیدا ہوئے۔ اسی دوران جب قائداعظم علی محمد جناح کشمیر کے دورے پر آئے تو مسلم کانفرنس نے اُن کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا اور دونوں رہنماؤں نے اُن کا خیر مقدم کیا اور آپ نے دونوں کے مابین مفاہمت پیدا

۱۔ کشمکش از چوہدری عباس۔ ۱۲۸۔

کرنے کی کوشش کی۔ کچھ عرصہ بعد جب اسمبلی میں اسمبلی ایکٹ کی منظوری دی گئی جس کی رُو سے غیر مسلموں کو اسلحہ رکھنے کی اجازت دی گئی تو ان دونوں رہنماؤں کے مابین پھر سے کشیدگی پیدا ہونے لگی۔

۱۹۴۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح اپنی ہمشیرہ فاطمہ جناح کے ہمراہ کشمیر کے دورے پر آئے۔ نیشنل کانفرنس اور مسلم لیگ دونوں نے اُن کے اعزاز میں تقریبات کا اہتمام کیا اور اُن کو اپنے سپاسنامے پیش کئے۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے ساتھ کچھ نظریاتی اختلافات کی بناء پر وہ دل برداشتہ ہوگئے۔ نیشنل کانفرنس نے مجاہد منزل میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس میں ہندو مسلم کے ایکتا کے موقف پر زور دیا گیا اور شیخ صاحب نے یہ مثال پیش کی کہ گاندھی جناح کے اتحاد سے ہی آزادی کی سمت پیش رفت ہو سکتی ہے۔ اس دوران مہاراجہ ہری سنگھ نے دو وزیروں کی تقرری کی منظوری دی جس میں مرزا محمد افضل بیگ اور گنگا رام کو وزیر بنایا گیا۔ لیکن نیشنل کانفرنس اس مرحلے آزادی پر متفق نہ ہوسکی۔ بیگ صاحب مستعفی ہوگئے لیکن ان کی جگہ احمد یار خان نے لی جس سے نیشنل کانفرنس کو دھچکہ لگا اور اُنہوں نے احمد یار خان کو بنیادی رُکنیت سے خارج کردیا اس کے بعد مہاراج نے پنڈت رام چند کاک کو ریاست کا وزیر اعظم تعینات کیا۔

کیبنٹ مشن کی آمد:

برطانوی وزراء کا ایک وفد ۱۹۴۶ء میں ہندوستان میں پہنچا۔ اس وفد کے تین اراکین سرینگر بھی آئے اور مہاراج کے مہمانوں کے طور پر رہے۔ جہاں

نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس اور کشمیری پنڈت سجاد وغیرہ تنظیموں نے انھیں اپنی یاداشتیں پیش کیں۔

کشمیر چھوڑ دو تحریک:

دہلی میں ایک عوامی کانفرنس میں شرکت کے بعد جب شیخ صاحب سرینگر پہنچے تو آپ نے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو مادسمہ سرینگر میں ایک زوردار تقریر کی جس میں آپ نے لوگوں کو آزادی کے لئے متحد ہونے کو کہا اور نوابوں اور راجوں کی غلامی سے چھٹکارا پانے کا عزم ظاہر کیا۔ مہاراج کی حکومت نے بھوکھلاہٹ میں آکر سیاسی سرگرمیوں اور پریس پر پابندی عائد کردی اور بغیر مقدمہ چلائے نیشنل کانفرنس کے کئی ایک زعما کو قائد تنظیم شیخ محمد عبداللہ کے سمیت حراست میں لیا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر سرکردہ رہنما چوہدری عباس اور اللہ رکھا ساغر وغیرہ کو بھی نظر بند کیا گیا۔ تاہم بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق اور محی الدین قرہ نے خود کو حراست سے بچالیا اور اُنہوں نے زیر زمین ایک جنگی کونسل سیل تعمیر کیا۔ تشدد کے حالات پوری وادی میں بھڑکنے لگے۔ مجاہد منزل کو فوج نے اپنے تصرف میں لیا۔ شیخ صاحب کو مہاراجہ کے خلاف بغاوت کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ یہ اقدام ہندوستان کے نیتاؤں کو ناگوار گزرا۔ پنڈت نہرو خود شیخ صاحب کی حمایت میں مہاراجہ سے ملنے کی خاطر آئے۔ لیکن دومیل کے مقام پر آپ کو حراست میں لیا گیا جس پر ملک کے بھی رہنما برہم ہوگئے۔ مولانا آزاد نے ہری سنگھ کے نام ایک مراسلہ لکھا جس میں لکھا گیا کہ اس وقت جب کہ ملک کی قسمت کا فیصلہ داو پر لگا ہوا ہے اور پنڈت نہرو کی خدمات کی زیادہ ضرورت ہے۔ مہاراجہ نے

پنڈت جی کو واپس دہلی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن شیخ صاحب کا مقدمہ التوا میں نہ رکھا۔ ۱۹؍ستمبر ۱۹۴۶ء کو شیخ صاحب کو تین سال کی قید کا فیصلہ سُنایا گیا۔ سردار بودھ سنگھ اور مولانا مسعودی کو ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی قید کا حکم ہوا۔ اس دوران جب نیشنل کانفرنس کے تقریباً سبھی زعما اور کارکن حراست میں تھے حکومت نے پرجا سبھا کے لئے انتخابات کی مہم تیز کردی لیکن نیشنل کانفرنس نے اس انتخاب میں ۸۰؍فیصد نشستیں جیت لیں۔ البتہ حکومت نے اس تنظیم پر پابندی عائد کردی اور کئی اور اراکین کو حراست میں لیا۔ دوسری طرف قومی سطح پر سیاسی سرگرمیاں جاری تھیں اور ملک کی تقسیم کر کے ہندوستان اور پاکستان کو برطانیہ کی حکومت کی طرف اقتدار کی منتقلی عمل میں لائی جارہی تھی۔ مہاراجہ اپنی خود مختار حیثیت کو برقرار رکھ کر دونوں ممالک کے ساتھ اپنے مراسم قائم رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن حکومت ہند نے اُسے دہلی میں بلا کر اپنا لائحہ عمل مُرتب کرنے کو کہا۔ ۱۲؍اگست کو ریاست کے وزیر اعظم نے حکومت پاکستان کے نام ایک مراسلہ لکھا جس میں ریاست کو دونوں ممالک کے ساتھ ”جوں کا توں“ صلح نامہ Stand still agreement کی تجویز پیش کی۔ لیکن کوئی تصفیہ نامہ طے نہ ہو سکا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں مہاتما گاندھی جی سرینگر پہنچے اور شیخ صاحب کی اہلیہ بیگم اکبر جہاں سے حالات کی آگاہی حاصل کرلی اور پھر مہاراجہ ہری سنگھ اور اُس کے وزیر اعظم رام چند کاک کے ساتھ صورت حالات پر بات چیت کی۔ آپ نے مہاراجہ کو دو ٹوک الفاظ میں یہ بات ذہن نشین کرائی کہ اُن کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ نیشنل کانفرنس کے ساتھ مفاہمت کرلیں۔ ۱۰؍اگست ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ نے رام چند کو برخواست کر کے عام مفاہمت کا اعلان کردیا اور نیشنل کانفرنس کے تمام

زعما کے خلاف وارنٹ واپس لئے۔ ۱۴/۱۵؍اگست کو ملک آزاد بھی ہوا اور دو حصوں میں تقسیم بھی ہوا۔ آزادی کے قبل ہی ملک فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آگیا اور خون کی ندیاں بہنے لگیں جس کا اثر جموں پر بھی پڑا۔ وادی کشمیر میں اسی دوران راولپنڈی، مظفرآباد اور مغربی سرحدی صوبہ سے تقریباً اڑھائی ہزار رفوجی وادی میں پہنچے جن کو یہاں کے لوگوں نے تحفظ دیا اور خاطر تواضع بھی کی۔ کچھ دنوں بعد یہاں پر قیام کے بعد وادی کے ٹانگے والوں نے ان کنبوں کو بانہال کارٹ روڈ کے راستے جموں میں اپنے گھروں تک پہنچایا لیکن بواپسی اُن ٹانگے والوں کو شرپسند فرقہ پرست عناصر نے جموں کے نگروٹہ کے مقام پر تہہ تیغ کردیا اور ٹانگوں کو اپنے قبضہ میں لیا۔ اس کے ساتھ مسلمان آبادی کو بھی گولیوں اور تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ وادی کے ہندوؤں کی حفاظت کے لئے شیخ محمد عبداللہ کی امرجنسی حکومت نے غیر مسلموں کو پورا تحفظ دیا جس کیلئے نیشنل کانفرنس کو دُنیا بھر کے سربراہان نے سراہا[1]۔ قریباً ۱۹ سال کی طویل جدوجہد کے بعد ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔ لیکن دو قومی نظریے کی بنیادوں پر ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ لاکھوں لوگوں کا بہیمانہ قتل ہوا۔ دوشیزاؤں کی عصمت تار تار ہوگئی اور لاکھوں بچے یتیم اور بے سہارا ہو کر رہ گئے۔

شیخ صاحب کو بھدرواہ جیل سے منتقل کردیا گیا جہاں وہ ۲۹؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو رہا ہو کر براستہ بانہال سرینگر پہنچے۔ آپ نے حضرت بل درگاہ میں ایک بھاری اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے باہمی دوستی پر زور دیا اور کہا کہ کشمیری عوام خود اپنی مرضی کے مطابق مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ آپ نے ہندو مسلمان فسادات

۱۔ کرشن دیو سیٹھی۔

کے بارے میں سنگر ''پیس برگیڈ'' کے نام سے ایک فوجی دستہ ترتیب دیا تا کہ ایسے واقعات کا انسداد ہو سکے۔ اسی اثنا میں انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنے اپنے مشیر کشمیر میں شیخ صاحب کے پاس بھیجے تا کہ وہ ان کے ساتھ الحاق کرے۔ بریگیڈر جیت اور محمد دین تاثیر وغیرہ کئی اور مشیر جن کا تعلق کشمیر سے تھا وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کی پیشکش کرتے رہے۔ لیکن شیخ صاحب نے کشمیر کے شخصی راج سے پوری طرح آزاد ہونے تک کسی حتمی فیصلہ کے بارے میں اپنی رائے نہ دی۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ نے اپنے ایک قریبی دوست اور ماہر قانون شری مہر چند مہاجن کو ریاست کا وزیر اعظم تعینات کیا، لیکن اس کے دوسرے ہی دن شیخ صاحب اچانک دہلی روانہ ہوا اور ہفتہ بھر وہاں قیام کیا اسی دوران آپ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو مولانا آزاد، رفیع احمد قدوائی اور سردار بھ والا بھائی وغیرہ لیڈران سے ملے۔ اسی دوران مہاراجہ کی جانب سے الحاق نامہ کی دستاویز زیر بحث آئی جو مہاراجہ نے ایک اعلیٰ ہندوستانی سرکاری افسر مسٹر وی۔ پی۔ مینن کے ذریعہ بھیجی ہوئی تھی۔ جسمیں دفاع، مواصلات اور خارجی امور سے متعلق الحاق کرنا مقصود تھا۔ مینن گورنر جنرل آف انڈیا لارڈ ماونٹ بیٹن کا چیف ایڈوائزر رہ چکا تھا اور الحاق سے متعلق کئی ریاستوں کے الحاق کے ضمن میں کلیدی کردار ادا کر چکا تھا۔ دریں اثنا ۲۳ر اکتوبر کو جنرل آسکن نے جو ہند پاک مشترکہ افواج کا سپریم کمانڈر تھا نے حکومت ہند کو مطلع کیا کہ جنرل گریس جو افواج پاکستان کا چیف کمانڈر تھا نے اُسے ایک مراسلہ کے ذریعہ مطلع کیا ہے کہ قریباً ۵۰۰ سو کی تعداد میں ایک قبائلی گروہ نے کشمیر پر دھاوا

بول دیا ہے۔ پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کو یہ خبر سُنائی اور دونوں کے مابین بحث و تمحیص ہوئی جس کے بعد الحاق کی دستاویز کو قابل قبول سمجھا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک فوجی طیارے کے ذریعہ سرینگر لوٹے۔ پاکستان نے سیالکوٹ سے جموں تک ریلوے لائین کو کاٹ دیا تھا اور رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں۔ ۲۴ر اکتوبر کو سرینگر میں خبر پہنچی کی قبائلی سرینگر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ ۲۳ اور ۲۴ر اکتوبر کے درمیان قریباً دو ہزار پٹھان قبائیلوں نے دومیل پُل پر ڈوگرہ فوج پر دھاوا بول دیا۔ ۲۴ر اکتوبر کو حملے کی خبر سرینگر پہنچی اور بریگیڈیر راجندر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی موت کی خبر سُنائی گئی۔ موہرا کا بجلی گھر بھی قبائیلوں نے اپنی تحویل میں لیا اور اس رات پورا شہر ۹ بجے رات سے ہی اندھیرے میں ڈھوب کر رہ گیا۔ جب مہاراجہ اپنے محل میں دسہیرا منا رہا تھا۔ ۲۵ر اکتوبر کو مسٹر مینن حالات کا جائزہ لینے کیلئے طیارہ کے ذریعے سرینگر پہنچا اور مہاراجہ سے ملاقات کی۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر انہوں نے مہاراجہ کو اپنے اہل وعیال کے سمیت جموں چلے جانے کو کہا اور خود دوسرے روز دہلی کے لئے اُڑان کی۔ مہاراجہ جونہی جموں پہنچا تو فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اُٹھے۔ مہاراجہ نے فوج کو پونچھ روانہ کیا۔ جہاں اکثریتی فرقہ کے لوگوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا گیا۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کا الحاق کچھ شرائط کے تحت ہندوستان کے ساتھ ہو گیا اور ہندوستانی فوج کے دستے کشمیر میں اُترنا شروع ہو گئے۔

☆

عوامی راج کا قیام

۱۹۶۴ء سے قبل ریاست کے وزرائے اعظم



شیخ محمد عبداللہ



بخشی غلام محمد



خواجہ شمس الدین

مارچ ۱۹۶۵ء کے بعد مختلف اوقات میں ریاست کے گورنر



ڈاکٹر کرن سنگھ



بھگوان سہائے



لکشمی کانت جھا



براج کمار نہرو



شری جگموہن



شری کے، وی کرشنا راو



گریش چندر سکسینہ



ایس کے سنہا



این، این ووہرا

فروری ۱۹۶۴ء کے بعد ریاست کے وزراء اعلیٰ



خواجہ غلام محمد صادق



سید میر قاسم



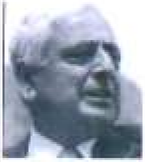
شیخ محمد عبداللہ



ڈاکٹر فاروق عبداللہ



غلام محمد شاہ



مفتی محمد سعید



غلام نبی آزاد



عمر عبداللہ

ڈوگرہ حکومت کا خاتمہ

اور عوامی سرکار کا قیام:

الحاق دستاویز کے ساتھ ہی ۳۰/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستانی سرکار کو مطلع کیا کہ شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی میں ایک عبوری حکومت کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے جس کی مرکزی سرکار نے منظوری دی۔ اس طرح سے مہاراجہ نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ کو ہنگامی حالت پر قابو پانے کیلئے انتظامیہ کے سربراہ کے طور حلف دینا قبول کیا۔ جس کیلئے پنڈت نہرو دلی طور پر خواہاں تھا۔ اس طرح شیخ محمد عبداللہ کو ایمرجنسی حکومت کے سربراہ کے طور پر حلف دلایا گیا لیکن رام چند مہاجن ابھی بدستور وزیراعظم برقرار رہے۔ جن کو بالاخر ۱۱ردسمبر ۱۹۴۷ء کو رخصت کیا گیا۔ مرزا محمد افضل بیگ، بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق عبوری حکومت کے خاص مشیروں میں شامل رہے۔ ۵ر مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاراجہ نے اعلان نامہ جاری کیا جس کی رو سے شیخ محمد عبداللہ کو عبوری سرکار کا وزیراعظم بنایا گیا۔ جون ۱۹۴۹ء میں مہاراجہ کو شیخ محمد عبداللہ کے دباو اور صحت کی ناسازی کے ملے جلے وجوہات کی بناء پر ریاست کو چھوڑ دینے کے لئے آمادہ کیا

گیا اور سردار ولبھ بھائی پٹیل بھی آپ پر دباؤ ڈالتا رہا۔ اس طرح سے مہاراجہ نے ۲۰/ جون ۱۹۴۹ء کو اپنے اختیارات اپنے جانشین پسر یوراج کرن سنگھ کو تفویض کردئے۔ ۲۷/ جولائی ۱۹۴۹ء کو اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہندوپاک کے درمیان جنگ بندی لائن کا تصفیہ ہوا اور حالات قدرے ڈگر پر آنے لگے۔

زرعی اصلاحات، لینڈ ریفارم کمیٹی کا قیام:

چنانچہ ۲۵/ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلے ہی حکومت نے یہ ارادہ دہرایا تھا کہ ریاست کی ۹۶ فیصد آبادی کسانوں پر مشتمل ہے اس لئے اُن کی حالت سُدھارنے کیلئے اقدامات کئے جائیں اور ۱۲/ اپریل ۱۹۴۹ء کو مرزا محمد افضل بیگ وزیر مال کی قیادت میں لینڈ ریفارم کمیٹی کو تشکیل دیا گیا۔ غلام محمد صادق، گرداری لال ڈوگرہ وزیر خزانہ ٹھاکر کرتار سنگھ اور سلر کے زیلدار اس کے دیگر ممبر نامزد کئے گئے۔ اس کا مدعا بڑے زمینداروں اور چکداروں سے زمین حاصل کرکے بے زراعت کسانوں اور کاشتکاروں میں تقسیم کرنا تھا۔ ۲۸/ مئی ۱۹۴۹ء تک جاگیرداروں اور چکداروں کو اپنی شکایات اور تجاویز پیش کرنے کی مہلت دی گئی۔ ساتھ ہی خالصہ اور خالی زمین کو بھی زیر کاشت لانے کی تجویز رکھی گئی۔ جس میں شاہی محلات کے قریب مہاراجہ کے دوہزار کنال رقبہ اراضی کو بھی بلا معاوضہ کاشتکاروں میں تقسیم کرنا شامل تھا اور رقبہ ہائے شاملات پر کاشتکاروں کے قبضہ کو تسلیم کرنا بھی شامل تھا۔

دادرساں مقروضاں:

۱۰/ اپریل ۱۹۴۹ء کو ایک آرڈی نینس دادرساں مقروضاں جاری ہوا جس

کی رُو سے تین ارب روپے کے قرضے جو سود در سود واجب الادا تھے منسوخ کرنے کی سفارش رکھی گئی۔ جس نے بعد میں قانونی شکل اختیار کی۔

بازیافتگی جائیداد مرہونہ:

ساہوکاروں نے اپنی سودکاری کو محفوظ بنانے کیلئے مقروضاں کی زمینوں، مکانوں اور ہاؤس بوٹوں اور دوسری املاک کو اپنے نام ہبہ کرانے کے انوکھے طریقے ایجاد کئے تھے۔ نئے آرڈی نینس کے تحت اگر مرتہین کی جائیداد کا فائیدہ اصل زر سے بڑھ گیا ہو تو اُن مرہونہ دستاویزات کو منسوخ کرانے کے احکامات صادر کئے گئے۔

قانون مزارعان:

چنانچہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران جو لاکھوں مسلمان اپنا سب کچھ چھوڑ کر سرحد عبور کر کے چلے گئے تھے ان میں سے جو واپس آیا اس کی زمین اُس کی نہیں رہی تھی، سینکڑوں ریاستی اور غیر ریاستی باشندوں نے اُن پر قبضہ کیا اور اصل مالکوں کو انگوٹھا دکھانا شروع کیا۔ سرکار نے قانون مزارعان کا نفاذ عمل میں لا کر ایسے جابر لوگوں کو روکا اور قبضہ واگزار کرایا۔

خاتمہ چکداری، انقلابی قدم:

۱۰ر جولائی ۱۹۵۰ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ لیا کہ جن زمینداروں کے پاس ایک ہزار کنال سے زیادہ زمین ہے اس کے پاس ۱۶۰ر کنال زمین مستثنیٰ رکھ کر باقی ماندہ اراضی کو کاشتکاروں میں مُفت تقسیم کی جائے۔ غیر حاضر زمینداروں کی ملکیت میں ۱۰ر کنال پیداوار ۸ر کنال صحن اور

چار کنال مکان بنانے کے لئے بھی رکھے گئے جس سے وہ بھی ۱۸۲ر کنال کے مالک قرار دئے گئے۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۵۰ء کو وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے سرینگر لال چوک میں خاتمہ چکداری کا اعلان کیا۔ ایسے زمینداروں کی تعداد پونے چار سو کے قریب تھی جن میں چھینی کا راجہ دیوان بدری ناتھ، وزیر رام سرن، وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے چکدار تھے۔

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری (۱۹۵۳ء۔۱۹۶۴ء) ڈاکٹر شاما پرشاد مکرجی بھارتیہ جن سنگھ کے صدر تھے اور اکثر و بیشتر شیخ محمد عبداللہ کی زوردار تقریروں کو الحاق کے حوالے سے شک کی نظروں سے دیکھتے تھے مرکزی سرکار کے سامنے شیخ صاحب کو حدف تنقید بناتے رہتے تھے وہ بار بار پنڈت نہرو کو شیخ عبداللہ کی مخالفت میں مکتوب لکھتے رہے۔ ۱۳ر مئی ۱۹۵۳ء کو جب وہ بغیر پرمٹ کے ریاست میں داخل ہوئے تو انہیں مادھوپور میں گرفتار کر کے نشاط باغ کے قریب ایک عالیشان محل میں نظر بند کیا گیا۔ جس پر جموں میں کافی سیاسی ہل چل پیدا ہوگئی۔ مکرجی کو دل کا دورا پڑنے کی وجہ سے موت ہوگئی اور اس کی لاش کو کلکتہ بھیج دیا گیا۔ جموں میں کافی توڑ پھوڑ ہوگئی۔ پرجا پرشید کے جموں میں احتجاج اور شیخ عبداللہ کی آر، ایس پورہ جموں میں دئے گئے ایک متنازعہ بیان اور غیر یقینی حالات کو جواز بنا کر صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ نے حکومت ہند اور ریاستی کونسل کے بعض وزراء خاصکر غلام محمد بخشی، شام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرہ سے مشورے کے بعد ۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کر کے انہیں کُد کے جیل میں نظر بند کرنے کے احکامات صادر کرلئے۔ اس وقت شیخ محمد عبداللہ اپنی بیگم اور بچوں کے سمیت سیاحت کی غرض سے ایک ہوٹل

میں مقیم تھے۔ بخشی غلام محمد کو اُن کی جگہ نیا وزیر اعظم بنا کر حلف دیا گیا۔ اس گرفتاری کے نتیجے میں ریاست گیر پیمانے پر احتجاجی جلوس اور ہڑتالیں ہوئیں اور غم و غصے کی زبردست لہر دوڑ گئی۔ پولیس نے طاقت کے استعمال سے تحریک کو دبانے کی سعی کی اور سینکڑوں لوگ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ضلع ڈوڈہ سے کئی لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں بانہال کے خواجہ سکندر ملک بھی شامل تھے۔ خواجہ عبدالغنی گونی بھدرواہی، مولانا عطاء اللہ سہروردی، سید میر بادشاہ، محمد ابراہیم شیخ، عبدالعزیز بٹ، محمد یوسف باغوان، عبدالحی خطیب، مست فریدی، ولی محمد باغوان، عشرت کشتواڑی، وغیرہ خطہ چناب کے دیگر سرکردہ اشخاص تھے۔ عبدالغنی گونی اور میر بادشاہ بانہال کے میر اسداللہ اور محمد ایوب خان بخشی صاحب کی نیشنل کانفرنس میں شامل ہوگئے۔ جبکہ شیخ غلام محمد بھدرواہی، بشیر احمد کچلو اور عبدالرشید مولوی آل جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کے ساتھ منسلک رہے۔ جس کی سربراہی مرزا محمد افضل بیگ کر رہے تھے۔

محاذ رائے شماری کی بنیاد:

۱۹۵۵ء میں جب مرزا محمد افضل بیگ جیل سے رہا ہوئے تو ۹ راگست کو انہوں نے اس تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اُن کی گرفتاری کے بعد عبدالغنی گونی قایم مقام صدر رہے۔ لیکن بخشی غلام محمد نے اُسے جیل میں ہی شیشے میں اُتارا اور رہائی کے بعد اپنی وزارت میں شامل کرلیا۔

بخشی غلام محمد برسر اقتدار:

بخشی غلام محمد اگر چہ کم پڑھے لکھے تھے لیکن انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور ادراک رکھتے تھے جس کی بدولت انہوں نے کشمیریوں کو اپنی طرف موڑ لیا۔

اُنہوں نے پیس برگیڈ کے نام سے ایک ٹاسک فورس تشکیل دی اور شیخ صاحب کے حامیوں کو دبانے کی کوشش کی۔ اس فورس کو بے پناہ اختیارات دیے گئے جنہوں نے کئی لوگوں کو گولیوں کا بھی نشانہ بنایا۔ ۶ رفروری ۱۹۵۴ء کو بخشی غلام محمد نے آئین ساز اسمبلی کے ذریعے ہندیونین کے ساتھ الحاق کی تصدیق کر لی جس کے نتیجے میں صدر جمہوریہ ہند نے دفعہ ۳۷۰ کے تحت ۱۴ رفروری ۱۹۵۴ء کو آئین ہند کا اطلاق کچھ ترامیم کے ساتھ ریاست جموں وکشمیر پر کیے جانے کے احکامات صادر کر لئے۔ بخشی غلام محمد نے دو سالوں کے اندر حالات پر وقتی طور پر قابو پالیا۔ اُنہوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد پہلی بار قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کرائے جس میں بخشی غلام محمد کی نیشنل کانفرنس کو ۷۵ میں سے ۶۷ نشستیں حاصل ہوئیں۔ ۵ نشستوں پر پرجا پرشد اور ایک پر آزاد امیدوار کامیاب ہوا اور ایک سیٹ مہاسبھا کو مل گئی۔ لیکن انتخابات کے کم ہی بعد نیشنل کانفرنس دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ غلام محمد صادق گروپ جس میں گرداری لال ڈوگرہ، سید میر قاسم، ڈی پی دھر اور غلام رسول رینزو وغیرہ شامل ہوگئے۔ نیشنل کانفرنس کا یہ نیا دھڑا بخشی غلام محمد کی پالیسیوں کا لگاتار نکتہ چینی کرتا رہا۔ یہاں دوسری طرف سے عالمی دباو بڑھتا رہا اور پنڈت جواہر لال نہرو شیخ صاحب کو زیادہ دیر تک حراست میں رکھنے کے حق نہ میں تھے۔ اس طرح سے اُنہیں جنوری ۱۹۵۷ء میں رہا کیا گیا اور حکومت کی رکاوٹوں کے باوجود اُن کا جگہ جگہ پر تپاک استقبال کیا گیا۔ بخشی غلام محمد کے دست پناہ غلام قادر گاندربلی نے نیشنل کانفرنس کے حمایتیوں کو ناقابل برداشت اذیتیں دی۔ کشمیر سازش کے تحت شیخ محمد عبداللہ پر مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت بل میں موئے مقدس کی گمشدگی کا واقعہ پیش آیا اور شیخ محمد عبداللہ کو پھر

سے گرفتار کیا گیا۔ ڈی۔ این۔ سی گروپ نے بخشی سرکار کو حدف ملامت بنایا۔ بالآخر پنڈت نہرو کی مداخلت سے کچھ مفاہمت ہوئی اور ڈی۔ این۔ سی گروپ کے چار ممبروں کو کابینہ میں شامل کرلیا گیا۔ اس کے بعد فروری ۱۹۶۲ء میں ریاستی اسمبلی کے چناؤ ہوئے اور ان میں بھی ۱۹۵۷ء کے چناؤ کی طرح غیر شفافیت کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس چناؤ میں بانہال سے میر اسد اللہ اور گول ارناس سے محمد ایوب خان پھر سے کامیاب قرار دئے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں جب موئے مقدس کی گمشدگی کا واقعہ پیش آیا تو پوری وادی بلکہ ریاست میں حالات کشیدہ ہو گئے۔ بالآخر بخشی غلام محمد کو مرکزی سرکار کے ایک خفیہ منصوبہ "کامراج پلان" کے تحت استعفےٰ دینے کو کہا گیا اور ان کی توقع کے خلاف اُسے منظور کیا گیا اور بخشی صاحب نے خواجہ شمس الدین کو ریاست کا وزیر اعظم نامزد کیا۔

خواجہ شمس الدین:

خواجہ شمس الدین (۱۹۶۳ء۔۱۹۶۴ء) کی وزارت عظمیٰ کا عرصہ ایک سال کی مدت سے بھی کم وقت پر موقوف رہا اور اُن کے بعد ڈی۔ این۔ سی کی دھڑ والی کانگریس کے صدر خواجہ غلام محمد صادق فروری ۱۹۶۴ء میں برسر اقتدار آ گئے۔ غلام محمد صادق نے نیشنل کانفرنس کو کانگریس میں ضم کرلیا جس سے پرجا پریشد کی قوت گھٹ گئی۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے پرانے حامی اپنی پارٹی کے ساتھ ہی اپنے ایام گزارتے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں شیخ محمد عبداللہ کو رہا کیا گیا تو لوگوں نے جواہر ٹنل سے سرینگر تک قومی شاہراہ کے دونوں جانب چراغاں کرکے اُن کا استقبال کیا جو پہلا بڑا تاریخی استقبال تھا۔

وزیر اعظم سے وزیر اعلیٰ:

۳رستمبر ۱۹۶۴ء کو ریاستی آئین میں ایک ترمیم عمل میں لائی گئی جس کی رو سے آئین ہند کی دفعات ۳۵۶ اور ۳۵۷ کا اطلاق ریاست جموں وکشمیر پر بھی لاگو کرانا قرار پایا۔ مارچ ۱۹۶۵ء میں صدر ریاست اور وزیر اعظم کے مناصب کو گورنر اور وزیر اعلیٰ کے طور پر معنوں قرار پایا، نتیجے کے طور پر ڈاکٹر کرن سنگھ کو گورنر اور غلام محمد صادق کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ لیکن اس تبدیلی سے ڈاکٹر کرن سنگھ کو بطور گورنر کے کام کرنے میں لذت محسوس نہ ہوئی جبکہ صادق صاحب نے دہلی والوں کو رنجیدہ خاطر نہ کرتے ہوئے اس پیش کش کو بخوشی قبول کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر کرن سنگھ کو مرکزی کابینہ میں شہری ہوابازی کا قلمدان تفویض کردیا گیا اور شری بھگوان سہائے کو ریاست کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جنہوں نے ۱۵رمئی ۱۹۶۷ء کو یہ چارج سنبھالا۔ ۱۸رجون ۱۹۶۶ء کو مرکزی سرکار نے ایک آرڈی نینس کے ذریعے محاذ رائے شماری یا اس طرح کی دیگر تنظیموں کو غیر آئینی قرار دیا اور اس طرح کے پبلک اجتماعات پر پابندی عائد کردی۔ اس دوران مولانا محمد سعید مسعودی اور مولانا فاروق کو بھی حراست میں لیا گیا، جبکہ شیخ عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ پہلے ہی نظر بند تھے۔ اس طرح سے صادق صاحب کے راستے میں تمام بڑی رکاوٹوں پر روک لگ گئی۔ دراصل ان محرکات کے پیچھے جس شخص کا ہاتھ تھا وہ، شری ڈی۔ پی دھر تھے جو کسی وقت ریاست کے ہوم منسٹر تھے اور ریاست اور مرکز کے تعلقات کو قریب لانے میں اہم رول ادا کرچکے تھے جس کے عوض انہیں بعد میں مرکزی کابینہ میں شامل کیا گیا تھا اُس نے سوویت

یونین اور شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند کو قریب لانے میں بھی اہم حصہ ادا کیا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد غلام محمد صادق اور ڈی۔ پی دھر کے مابین اختلافات پیدا ہوئے جس سے حکمران کانگریس میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ مسٹر دھر کے حامیوں میں سید میر قاسم، غلام رسول کار، مفتی محمد سعید اور کئی سرکردہ رہنما تھے جنہوں نے مسٹر دھر کے توسط سے دہلی میں اپنا اچھا اثر رسوخ پیدا کیا ہوا تھا۔ فروری ۱۹۶۳ء ریاستی اسمبلی کے انتخابات عمل میں آئے اور صادق صاحب والی کانگریس جماعت نے ۵۹ نشستوں پر برتری حاصل کی جبکہ نیشنل کانفرنس والوں کے حق میں ۸ نشستیں چلی گئیں۔ جو ابھی تک شیخ عبداللہ کے دل ہی دل میں طرفدار تھے۔ ۳ نشستیں جن سنگھ نے اور دو آزاد امیدواروں نے حاصل کی۔ اس طرح سے صادق صاحب دوسری بار بھی وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائیز ہوا۔ اس انتخاب میں، بانہال حلقہ انتخاب سے محمد اختر نظامی الیکشن جیت گئے جنہوں نے پھر سے انگڑائی لینا شروع کر دی اور لوگ پرانی اُمیدوں کی جانب آس لگانے کی سوچنے لگے۔ ۱۹۷۱ء میں خواجہ غلام محمد صادق کا انتقال ہو گیا۔

سید میر قاسم:

سید میر قاسم (۱۹۷۱ء.....۱۹۷۵ء) غلام محمد صادق کی وفات کے بعد سید میر قاسم برسر اقتدار آگئے جو فروری ۱۹۷۵ء تک وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائیز رہے۔ اس دوران بہت سی سرکاری اسامیوں کو پُر کیا گیا خاصکر زرعی اصلاحات کا بل پاس ہوا جس کی رُو سے زمین پر درمیانہ داری کا سلسلہ ختم ہوا اور ۱۹۷۱ کے کاشت کو اہمیت دی گئی اور دفعہ ۴ اور ۸ کے تحت کاشتکاروں کو انتقال اراضی کے حقوق دیے جانے

لگے۔ ۱۹۷۲ء میں "سہائے کمیٹی" کے نام سے ایک تعلیمی بل کا مسودہ پاس ہوا جس کی رو سے ۱۰+۲+۳ کا تعلیمی نظام کا فارمولا مزید مستحکم کیا گیا اور تین لسانی فارمولا کو تعلیمی اداروں میں رائج کرنے کے احکامات صادر کیے گئے۔

شیخ محمد عبداللہ دوبارہ برسر اقتدار:

۱۹۷۴ء میں مرکزی سرکار اور شیخ عبداللہ کے درمیان نامور سیاسی رہنما پارتھا سارتھی اور مرزا محمد افضل بیگ کی درمیانہ داری سے شیخ محمد عبداللہ کو پھر سے حکومت سونپنے کے بارے میں بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا اور "کشمیر اکارڈ" کے نام سے وزیر اعظم ہند اندرا گاندھی اور شیخ عبداللہ کے مابین ایک معاہدہ طے پایا۔ جس کو "اندرا عبداللہ ایکارڈ" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے ریاست کا ملک کے ساتھ الحاق کو برقرار رکھتے ہوئے ریاست اور مرکز کے تعلقات کا دفعہ ۳۷۰ کے تحت برقرار رکھنے کی بھی حامی بھر لی گئی اور ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست میں نافذ شدہ یا زیر تجویز قوانین کی نظر ثانی کے اختیارات حکومت کشمیر کو دیے گئے اور آئین میں وضاحت کردہ شقوں کو ترمیم کرنے میں صدر جمہوریہ ہند کی توثیق ہونا بھی لازمی قرار دیا گیا۔ وزیر اعلیٰ اور گورنر کے ناموں کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا بھی اقرار کیا گیا۔ اس طرح سے شیخ صاحب اپنی اولین پوزیشن کو برقرار نہ رکھ سکے۔ سید میر قاسم جو اُس وقت ریاست کے وزیر اعلیٰ تھے ایکارڈ کے نفاذ سے قبل ہی اپنی کرسی سے علیحدہ ہو گئے اور اُن کی موجودگی میں ہی کانگریس کے اراکین کی حمایت سے شیخ صاحب دوبارہ ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو دوبارہ برسر اقتدار آکر ریاست کے وزیر اعلیٰ بن گئے انہوں

نے اپنی کابینہ میں اولاً صرف چار وزیر شامل کر لئے۔ جن میں غلام محمد شاہ، الداغ سے سونم نربو، بھدرواہ سے شیخ غلام محمد اور بانہال سے ٹھاکر دیوی داس تھے جو اس وقت ہائیکورٹ کے جسٹس تھے اور مستعفی ہوکر وزارت میں شامل ہو گئے۔ اس سیاسی تبدیلی کو عام کشمیری لوگوں نے اور محاذ رائے شماری کے حامیوں نے اقتدار ہوس اور یو ٹرن کے مترادف قرار دیا بلکہ اسے کشمیریوں کے حق خودارادیت کی تحقیر کہا گیا۔ فروری ۱۹۷۵ء میں شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ نے محاذ رائے شماری کو تحلیل کر کے نیشنل کانفرنس میں ضم کر دیا جس پر اس تنظیم کے دیرینہ کارکن برہم ہوکر علیحدہ ہوکر خاموش بیٹھ گئے۔ بانہال میں خواجہ سکندر ملک کا نام بھی ایسے کارکنوں میں شامل ہے۔ جو بعد میں لب بستہ ہوکر یاد الٰہی کرتے رہے۔

ڈوڈہ میں سنگل لائن ایڈمنسٹریشن:

دسمبر ۱۹۸۶ء میں شیخ عبداللہ نے ڈوڈہ ضلع کیلئے سنگل لائن ایڈمنسٹریشن کے لائحہ عمل کا اعلان کر دیا۔ اختیارات کو مرکوز کر کے ضلع ترقیاتی کمشنروں کو زیادہ اختیارات تفویض کر دئے گئے اور بعد ازاں ترقیاتی بورڈوں کو ضلع سطح پر تشکیل دے کر انہیں وسعت سے ہمکنار کر دیا گیا جس سے ترقی کے کاموں میں تیزی کے امکانات پیدا ہو گئے۔ بعد میں اس تجربہ کو اور بھی وسعت دی گئی۔ اگست ۱۹۷۶ء میں کانگریس کے دس ممبران کا ایک ٹولہ عبدالغنی لون کی سربراہی میں علیحدہ ہو گیا جو بعد میں نیشنل کانفرنس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ۲۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو کانگریس نے شیخ صاحب سے حمایت واپس لینے کی کوشش کی وہ جنتا پارٹی سے

ملکر کانگریس سے علیحدہ ہوئی۔ شیخ صاحب کی سفارش پر اس وقت ریاست کے گورنر ایل، کے جھا نے اسمبلی کو تحلیل کر کے نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ اس دوران شیخ صاحب بیمار ہو گئے اور ان کی خرابی صحت کے چرچے ہونے لگے۔ لوگوں کی ہمدردی اُن کی طرف بڑھنے لگے اور کئی جگہوں پر سینکڑوں کی تعداد بھیڑ بکریوں کو ذبح کیا گیا اور اُن کی صحت یابی کے لئے نذرانے پیش کئے گئے۔

شیخ عبداللہ کا تیسری بار حصول اقتدار:

(۱۹۷۷ء۔۱۹۸۲ء) جولائی ۱۹۷۷ء میں اسمبلی کے انتخابات کے نتائج برآمد ہوئے اور شیخ صاحب کی جماعت کو ۷۶ میں سے ۴۷ نشستوں پر سبقت حاصل ہوگئی اور وہ بلا شرکت غیرے اپنی حکومت بنانے کے اہل ہو گئے۔ اس انتخابات میں بانہال سے مولوی عبدالرشید نے کانگریس کے اپنے مدمقابل محمد اختر نظامی کو بھاری شکست سے دوچار کر دیا۔ اس وقت وہ نیشنل کانفرنس کو چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہو گئے تھے۔ کانگریس وادی کشمیر میں ایک بھی سیٹ حاصل نہ کر سکی اور شیخ صاحب کے سامنے کوئی بھی ٹک نہ سکا۔

کچھ عرصہ بعد شیخ عبداللہ کے خلاف مرکز میں دبی آواز میں کچھ چہ میگوئیاں ہونے لگی۔ دریں اثنا شیخ صاحب اور آپ کے دیرینہ ساتھی مرزا محمد افضل بیگ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور خلاف توقع چار دہائیوں تک ساتھ دینے کے باوجود بیگ صاحب کو پارٹی سے علیحدہ کیا گیا۔ جس نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ شیخ صاحب نے سرکاریہ کمیشن کے نام کی تقرری عمل میں لائی تا کہ ریاست میں طبقاتی نابرابری بے روزگاری کے ضمن میں سفارشات کو

پیش کیا جائے۔ اس طرح سے پہلی بار اس کمیشن کی سفارشات پر ریاستی ملازموں کی تنخواہوں کو مرکز کے ملازموں کی تنخواہوں کے برابر کردیا گیا اور مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں بھی قرضہ جات کو کئی گناہ زیادہ کردیا گیا[1]۔ ۱۹۸۰ء میں لوک سبھا کے انتخابات عمل میں لائے گئے۔ اُدھمپور پارلیمانی حلقہ سے ڈاکٹر کرن سنگھ کانگریس کی ٹکٹ پر ٹھا کر دیوی داس کو ہرانے میں کامیاب ہوگئے۔ کرن سنگھ بھی علاقائی نابرابری کی پشت پناہی کرتا رہا اور لوک سبھا میں زوردار بیانات داغتا رہا۔ اندرا گاندھی اور شیخ عبداللہ کے درمیان دوریاں بڑھنے لگیں۔ شیخ صاحب اب ضعیف ہوچکے تھے انہوں نے اپنی خرابی صحت کے پیش نظر اپنے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو پارٹی کا صدر مقرر کیا اس پر آپ کے داماد غلام محمد شاہ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور اُنہوں نے اپنا ایک الگ گروپ تیار کیا جو آگے چل کر اقتدار پر کانگریس کی حمایت سے قابض ہوگیا۔ شیخ صاحب ۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو رحلت فرما گئے۔ اس دن آپ کے دیرینہ کارکنوں نے ایک میٹنگ کی اور فاروق عبداللہ کو جو اب تنظیم کے صدر تھے ریاست کے وزیر اعلیٰ بنائے گئے۔ شیخ صاحب کی موت کی خبر آناً فاناً پھیل گئی اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ ریاست گیر پیمانے پر آکر اُن کے نماز جنازہ میں شریک ہوگئے۔ کئی عورتوں نے اپنے گریبانوں کو چاک کیا اور چھوٹے بچے کالے بلے لگا کر جلسوں کی صورت میں ماتم کناں ہونے لگے۔ صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ اور وزیر اعظم اندرا گاندھی دونوں تعزیت کی تقریب میں پہنچے اور شیخ صاحب کو سرکاری اعزاز کے ساتھ شام کے پانچ بجے

---

[1] تاریخ وثقافت بھدرواہ۔ از شیر بھدرواہی ۵۳۹)

حضرت بل میں سپرد خاک کیا گیا۔ پہلی بار ملک میں اس موقعہ پر دو انتظامی سربراہ ایک ساتھ دالخلافہ سے باہر رہے۔ اپنی وفات سے قبل جولائی ۱۹۸۱ء میں شیخ صاحب نے پہلی بار بانہال میں ایک بورڈ میٹنگ کا انعقاد کیا اور یہاں کے کئی تعلیمی اداروں کو ترقی دی گئی نیز نیابت ٹھاٹھری کو تحصیل کا درجہ دیا گیا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ برسر اقتدار:

(۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء۔ ۲ر جولائی ۱۹۸۴ء) ریاست کے گورنر بی۔ کے نہرو نے ۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف دلا دیا اور آپ نے اپنی کابینہ کو اپنے طور پر تشکیل دیا۔ اس پر کچھ پرانے کھلاڑی ڈاکٹر فاروق کو زیادہ فوقیت دینے میں کچھ کڑواہٹ محسوس کرتے رہے اور اُسے حدف تنقید بنانے کے درپے ہوگئے۔ جون ۱۹۸۳ء میں وزیر اعلیٰ کی سفارش پر گورنر نے اسمبلی کو برخواست کردیا اور نئے انتخابات کا اعلان کردیا۔ جون کے آخر میں نتائج کا اعلان ہوا جس میں نیشنل کانفرنس نے ۸۳ میں سے ۴۷ نشستوں پر برتری حاصل کرلی صوبہ جموں میں کانگریس کو ۲۶ نشستیں مل گئیں۔ باقی جماعتیں کوئی خاص کارکردگی نہ دکھا سکیں۔ اس انتخابات میں بانہال سے نیشنل کانفرنس کے مولوی عبدالرشید پھر سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگئے اور اپنے حریف ثناء اللہ بانہالی اور متحدہ محاذ کے عبدالاحد مسرور اور کچھ آزاد اُمیدواروں کو ہرایا۔ ۱۳ جون ۱۹۸۳ء کو فاروق عبداللہ اور اس کے دس وزرا نے اپنی اپنی وزارتوں کا حلف لیا۔ اس دوران مفتی محمد سعید ریاستی کانگریس کے صدر تھے۔ اُنہوں نے الیکشن میں انتخابی دھاندلیوں کا الزام لگایا۔ اندریں حالات وادی

کشمیر میں عسکری کاروائیوں کے اِکے دُکے واقعات رونما ہونے لگے اور تذبذب کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ مرکز نے ریاست کے گورنر بی، کے نہرو کی جگہ مسٹر جگ موہن جیسے سخت گیر گورنر کی ریاست میں تقرری کے احکامات صادر کئے تاکہ شدت پسند عناصر کا خاتمہ کیا جاسکے۔ دوسری جانب سے غلام محمد شاہ جو شیخ صاحب کے فرزند نسبتی بھی تھے نے اندر ہی اندر سے ایک ۱۳ افرادی گروپ تیار کیا اور ایک کنونشن بلا کر فاروق عبداللہ کی جگہ اپنی اہلیہ خالدہ شاہ کو پارٹی کا صدر مقرر کیا اور گورنر کو عدم اعتماد کا ایک مراسلہ بھیجا۔ گورنر جگموہن نے فاروق عبداللہ کو اکثریت دکھانے کا موقعہ دیئے بغیر آپ کی سرکار کو ۲؍ جولائی ۱۹۸۴ء کو برخاست کردیا اور غلام محمد شاہ کو کانگریس کے ۲۶ ممبران کی حمایت سے غیر آئینی وزیر اعلیٰ بنانے کا اعلان کردیا جس پر ملک اور بیرون ملک بڑی مذمت کی گئی۔ بانہال علاقے سے شری ٹھاکر دیوی داس شاہ سرکار میں شامل ہوکر نائب وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز کئے گئے اور غلام محمد بھدروہی شہری ترقی کے وزیر بنائے گئے۔ فاروق عبداللہ نے جگہ جگہ جاکر اس غیر آئینی حکومت کی مخالفت کی۔ آپ ملک کے چند سرکردہ رہنماؤں کو بھی اپنا ہم آواز بناتے رہے۔

دریں اثنا وادی میں حالات روز بروز بگڑتے گئے۔ ۱۹۸۴ء میں اسمبلی کے اجلاس سے قبل ہی قریباً ۱۳۰ افراد پولیس کی گولیوں سے موت کا نشانہ بنے۔ غلام محمد شاہ بار بار کرفیو کا نفاذ عمل میں لاتے رہے، بلکہ آپ "گل کرفیو" کے نام سے پکارے جانے لگے۔ جموں میں بھی حالات خراب ہونے لگے اور یہاں پر بھی کرفیو لگانا پڑا۔ غلام محمد شاہ کی "لنگڑی حکومت" حالات پر قابو پانے میں ناکام

ہوگئی اور آپ نے ۷؍ مارچ ۱۹۸۶ء کو اپنا استعفےٰ پیش کیا اور ریاست میں گورنر راج کا نفاذ کیا گیا جو مارچ ۱۹۸۶ء سے نومبر ۱۹۸۶ء تک برابر جاری رہا اور اس کے بعد ریاست میں صدر راج کو لاگو کیا گیا۔ چنانچہ مرکز میں راجیو گاندھی کی سرکار جموں وکشمیر میں صدر راج کو زیادہ دیر تک قایم رکھنے کے حق میں نہ تھی اس لئے انہوں نے فاروق عبداللہ کو کانگریس کے اشتراک سے سرکار بنانے پر آمادہ کیا اور یہ مفاہمت "راجیو فاروق" ایکارڈ سے معروف ہوئی۔ جس کی رو سے ۷؍ نومبر ۱۹۸۶ء میں فاروق عبداللہ کی قیادت میں ایک ملی جلی سرکار قایم ہوگئی۔ مارچ ۱۹۸۷ء میں قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کرانے کا بھی فیصلہ کیا گیا اور صدر راج اپنے اختتام کو پہنچا۔ جب مارچ ۱۹۸۷ء میں پھر انتخابات کو عمل میں لایا گیا اس میں این سی نے ۳۹ نشستیں حاصل کیں کانگریس کو صوبہ جموں میں ۲۴ نشستیں اور وادی میں ۴ نشستیں مل گئیں۔ مسلم فرنٹ کو ۴؍ اور بی جے پی کو جموں سے ۲ نشستیں حاصل ہوئیں۔ فاروق عبداللہ نے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف لیا۔ لیکن یہ گٹھ جوڑ زیادہ دیر تک قایم نہ رہ سکا۔ بانہال سے این سی کے مولوی عبدالرشید نے اپنی نشست کو پھر سے تیسری بار برقرار رکھا۔

عسکری سرگرمیوں کی شروعات:

جولائی ۱۹۸۸ء کے آغاز میں ہی وادی کشمیر میں بم دھماکوں کے کچھ واقعات پیش آئے جس کی ذمہ داری جے، کے، ایل، ایف نے قبول کی۔ یوم آزادی کے موقعہ پر کئی جگہوں پر پاکستانی پرچم کھمبوں اور دیواروں پر چڑھائے گئے۔ نوجوانوں اور پولیس کے مابین مختلف جگہوں پر تصادم آرائی ہوئی اور

جانیں تلف ہونے لگیں۔ ۱۸ ستمبر کی درمیانی شب کو ڈی، آئی، جی پولیس مسٹر وٹالی علی محمد کی رہائش گاہ پر ایک گروپ نے گولیاں برسائیں اور لبریشن فرنٹ کا ایک جوان چل بسا۔ حالات کو بے قابو دیکھکر کچھ جماعتوں نے حکومت کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ ادھر جموں میں بھی سکھ فرقے کے ایک جلوس پر سنگ باری کی گئی جس میں بارہ اشخاص کی موت ہوگئی سو کے قریب لوگ زخمی ہوگئے۔ ۱۱ر فروری ۱۹۸۹ء کو مقبول بٹ کو پھانسی دینے کے بعد ایک سال بعد اُس کی پہلی برسی کے موقعہ پر وادی بھر میں ہڑتال رہی۔ فاروق عبداللہ دست کش ہوگئے اور این سی کے کئی عہدیداروں نے استعفےٰ دینا شروع کئے جس سے ایک سیاسی خلا پیدا ہونے لگا۔ آئے دن ہڑتالوں اور بم دھماکوں کی وارداتیں رونما ہونے لگیں۔ علحیدگی پسند رہنما شبیر شاہ عسکری سیاست پر چھانے سے لگے۔ وادی میں بی، جی، پی کے ٹی، ایل ٹپلو کو جنگجوؤں نے گولی کا نشانہ بنایا۔ مقبول بٹ کیس کی شنوائی کرنے والے جج، این، کے گنجو کو ہلاک کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۸۹ء میں پارلیمانی انتخابات عمل میں لائے گئے لیکن وادی میں ووٹوں کا تناسب ۲ سے ۵ فیصد تک رہا۔ تاہم این سی نے وادی کی تینوں سیٹیں حاصل کیں۔ آئے دن وادی میں کرفیو کا نفاذ ہوتا رہا۔ شراب خانے اور سینما ہال بند کرادئے گئے اور بہت سرکاری جائیدادیں آگ کی وارداتوں میں خاکستر ہوکر رہ گئی ہیں۔ اس دوران مفتی محمد سعید مرکزی سرکار میں شری وی پی سنگھ کی سرکار میں بطور ہوم منسٹر تعینات کئے گئے۔ حالات کی بگڑتی ہوئی صورت کو دیکھکر جگموہن کو پھر سے ریاست کا گورنر تعینات کیا گیا اور انتخابات کو ملتوی کردیا گیا۔ وادی کشمیر کے حالات کا اثر

بانہال، چناب ویلی، راجوری اور پونچھ کے علاقوں کو بھی یکساں طور پر متاثر کرنے لگا۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۸۹ء کو شبیر شاہ اور اُس کے ساتھی نعیم خان کو رام بن کے مقام پر ریاستی پولیس نے گرفتار کیا جب وہ ایک ٹرک میں سفر کررہے تھے۔ شاید وہ پونچھ کے راستے سرحد کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ اس واقعہ سے وادی کے مختلف علاقوں میں حالات بگڑ گئے اور تصادم ہوئے اور شبیر شاہ کو نظر بند کیا گیا۔

<u>غلام نبی آزاد ممبر راجیہ سبھا منتخب:</u>

۳۰ر نومبر ۱۹۸۹ء کو مسٹر غلام نبی آزاد نیشنل کانفرنس کی حمایت سے راجیہ سبھا کیلئے بحیثیت ممبر پارلیمان منتخب ہوئے اور بعد میں آل انڈیا کانگریس کے جنرل سیکریٹری کے امتیازی عہدے پر فائیز ہوئے۔

حالات کی ابتری کے پیش نظر جگموہن کو جنوری ۱۹۹۰ء میں ریاست کا دوبارہ گورنر تعینات کیا گیا جس کے احتجاج میں فاروق سرکار نے اپنا استعفےٰ پیش کیا۔

<u>گورنر جگموہن کا دوسرا دور</u>

(جنوری ۱۹۹۰ء۔ مئی ۱۹۹۰ء) جگموہن نے نقص امن کی صورت حال کو بحال کرنے کی غرض سے عسکریت پسندوں کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا۔ گھر گھر میں تلاشیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ناکہ بندی اور کریک ڈاون جیسے واقعات نے لوگوں کی زندگی کو دوبھر کردیا۔ لوٹ مار اور عصمت دریوں کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ ڈوڈہ اور ادھمپور ضلعوں کیلئے ایک خصوصی پولیس کمشنر اور ڈی، آئی، جی پولیس کی تعیناتی عمل میں لائی گئی۔ وادی کے متعدد مقامات پر بے گناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ فلاح عام ٹرسٹ

کے تحت چلنے والے کئی مدارس کو بند کر دیا گیا۔ کئی لوگوں کو انٹروگیشن سنٹروں میں پہنچایا گیا۔ حالات کی حد سے زیادہ ابتری کو دیکھ کر جگموہن کو مئی ۱۹۹۰ء میں مستعفی ہونا پڑا اور اُن کی جگہ نئے گورنر کی تعیناتی عمل میں لائی گئی۔

گریش چندر سکسینہ بطور گورنر:

(مئی ۱۹۹۰ء سے ۱۲مارچ ۱۹۹۳ء) مئی ۱۹۹۰ء میں گریش چندر سکسینہ ریاست کے نئے گورنر مقرر ہوئے لیکن عسکری تنظیموں کی کاروائیوں میں آئے دن اور بھی اضافہ ہونے لگا۔ ضلع ڈوڈہ میں اقلیتی فرقہ کے کچھ لوگوں کو حفاظت کی خاطر حفاظتی کمیٹیاں بنائی اور انہیں ہتھیار بانٹ دئے گئے جس سے دوسرے فرقے کے لوگوں میں شبہات بڑھنے لگے۔ ضلع ڈوڈہ کے دوسرے مقامات کی طرح بانہال کا پورا علاقہ بھی ملی ٹینسی کی زد میں آگیا۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں میرواعظ عمر فاروق کی صدارت میں ''حریت کانفرنس نامی تنظیم کو عمل میں لایا گیا۔ وادی میں بہت سے جنگجو اور عام لوگ مارے گئے اور خوف ودہشت کا ایک سنگین ماحول پیدا ہوگیا۔ ریاست کے نامساعد حالات کے پیش نظر ۱۲مارچ ۱۹۹۳ء کو شری کرشناوی کے راؤ کو مسٹر سکسینہ کی جگہ گورنر تعینات کیا گیا اور اکتوبر ۱۹۹۶ء تک اسی عہدے پر رہے۔ اس کے بعد صدر راج کا نفاذ کیا گیا۔ وادی کی طرح خطۂ چناب کے مختلف علاقوں میں قتل وتصادم کے واقعات رونما ہوتے رہے۔ ۱۹۹۳ء میں پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما شبیر شاہ نے ضلع ڈوڈہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا اور ''اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے'' کے حق میں نعرے بلند کرائے۔ تاہم عسکری تنظیموں میں آپسی

اختلافات بھی رونما ہونے لگے۔ مرکزی حکومت نے بیرونی اور اندرونی جمہوریت پسند عناصر کے دباؤ میں اب زیادہ دیر تک صدر راج برقرار رکھنا مناسب نہ سمجھا اور عسکری تنظیموں کے ساتھ بات چیت کرنے کی مختلف سطحوں پر کوشش کا آغاز کیا۔ جس کے نتیجے میں کچھ نام نہاد تنظیموں کے کئی نام نہاد کمانڈروں نے خفیہ طور پر ہتھیار ڈال کر سیاسی حلقوں میں شمولیت کرنے کی ٹھان لی اور عسکری کاروائیوں میں توڑ پیدا ہونے لگا اور رفتہ رفتہ عسکری کاروائیوں کا گراف نیچے آنے لگا۔ ۱۹۹۶ء میں ریاست میں چھ پارلیمانی نشستوں کے لئے چناؤ کرائے گئے اور صدر راج کی مدت میں مزید جنوری ۱۹۹۷ء تک توسیع کر دی گئی۔ تاہم ستمبر ۱۹۹۶ء میں قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کے لئے تیاریاں شروع ہونے لگیں اور اس انتخاب میں نیشنل کانفرنس کو بھاری اکثریت مل گئی۔ ہر چند کہ عسکری تنظیموں کی طرف سے ووٹ نہ ڈالنے کی اپیلیں بھی ہوتی رہیں۔ یہ انتخاب کڑے فوجی پہرے میں عمل میں لائے گئے۔ اس انتخاب میں نیشنل کانفرنس کو ۵۷ نشستیں حاصل ہوگئیں۔ اس انتخاب میں بانہال حلقہ اسمبلی سے آزاد امیدوار محمد فاروق میر کامیاب ہوئے اور نیشنل کانفرنس کے عبدالرشید اور کانگریس کے عبدالحمید خان ریاست کے ریٹائرڈ ٹیرایڈوائیزر الیکشن ہار بیٹھے۔ بی جے پی کو ۸ کانگریس کو سات جنتادل کو ۵، بہوجن سماج پارٹی کو ایک، سی پی ایم اور پنتھرس پارٹی کو ایک سیٹ ملی۔ گریز کے آزاد امیدوار بعد میں نیشنل کانفرنس کے ساتھ مل گئے۔

فاروق عبداللہ دوبارہ برسر اقتدار:

(۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء ـ ۱۷/اکتوبر ۲۰۰۲ء) ۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر

فاروق عبداللہ کی سربراہی میں ریاست کی نئی حکومت نے حلف اُٹھایا اور اس طرح سے تقریباً آٹھ سال کے لمبے عرصے کے بعد پھر سے عوامی حکومت نے اپنا کام کاج سنبھالا۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو نئے سرے سے تشکیل دیا گیا اور ایک ڈیولپمنٹ کمشنر کی جگہ ایک وزیر کو بورڈ کا چیرمین مقرر کیا گیا۔ حکومت نے ترقیاتی کاموں میں کئی ٹھوس اقدامات کئے اور ملی ٹنسی کی وارداتوں میں خاکستر شدہ عمارتوں کو تعمیر ومرمت کی طرف خاصی توجہ دی۔ لیکن عسکری کاروائیوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۱۹۹۷ء میں ۱۰۹۷ عسکریت پسندوں کو ہلاک کردیا گیا۔ ڈوڈہ اور اُدھمپور کے اضلاع میں ہی فوجوں اور عسکریت پسندوں کے درمیان تقریباً (۳۵۵) جھڑپیں ہوئیں جن میں اکہتر کے قریب جنگجو مارے گئے[1]۔ ضلع ڈوڈہ میں ہی ۱۰۷ جھڑپیں ریکارڈ کی گئیں جن میں ۵۴ کے قریب جنگجو مارے گئے۔ دسمبر ۱۹۹۷ء میں ریاست میں پانچویں تنخواہ کمیشن کو لاگو کیا گیا جس سے تین لاکھ ملازمین کو فائدہ ہوا۔

سکسینہ دوبارہ بطور گورنر تعینات:

۲ رمئی ۱۹۹۸ء کو گریش چندر سکسینہ کو دوبارہ ریاست کے گورنر کے طور پر تعینات کیا گیا اور اس وقت ڈاکٹر فاروق عبداللہ ریاست کے وزیراعلیٰ کے طور کام کررہے تھے۔ ۲۷ جنوری ۱۹۹۷ء کو ریاست کے معتبر سیاست دان اور نیشنل کانفرنس کے تجربہ کار رہنما مولانا عطاءاللہ سہروردی کا ارتحال ہوا اور پورے ضلع میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔ اس دوران کئی ہلاکت کے واقعات پیش آئے۔

۱۔ بھدرواہ کی تاریخ وثقافت از بشیر بھدرواہی ۶۹۔۶۸ص۔

ٹھاٹھری ڈوڈہ کے مقام پر ایک ہی کنبہ کے پندرہ افراد کو بڑی بے رحمی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جنوری ۱۹۹۰ء سے دسمبر ۱۹۹۹ء تک ۵۹۱۹ مقامی اور غیرملکی عسکریت پسند مختلف کاروائیوں میں مارے گئے۔ ۲۱۷ کے قریب مختلف پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے سیاسی کارکنوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ۳۶۸۵ لوگوں کو جن میں آفیسر، سیاسی اہل کار وغیرہ شامل ہیں لاپتہ ہوگئے یا اغوا ہوگئے۔ ۶۱۱ سکول عمارتیں ۳۳۰ پل اور ۱۰۹۳ سرکاری عمارتیں جلا کر خاکستر ہوگئیں۔ تقریباً ۳۰۰۳ ملی ٹنٹوں نے ہتھیار ڈال دیئے[1]۔ سال ۲۰۰۰ء میں امریکی صدر بل کلینٹن کے بھارت دورے کے دوران اننت ناگ چھٹی سنگھ پورہ میں سکھ فرقے کے ۳۵ رافراد کو بندوق برداروں نے بے رحمی سے قتل کردیا۔ جس کے بعد میں ایک سیاسی شعبدہ بازی سے تعبیر کیا گیا اور کسی تنظیم نے اس واقعہ کی ذمہ داری قبول نہ کی۔ اسی دوران بانہال کے پوگل پرستان وغیرہ علاقوں میں تقریباً ۲۹ لوگ گولیوں کا نشانہ بنے جن میں وی ڈی سی کے ۸ راشخاص بھی شامل تھے۔

مفتی محمد سعید کی نئی پارٹی پی، ڈی، پی کا قیام:

جولائی ۱۹۹۹ء میں مفتی محمد سعید نے کانگریس پارٹی سے کنارہ کشی کرکے ریاست میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام عمل میں لایا۔ ۲۶ راگست ۲۰۰۱ء کو ضلع ڈوڈہ کے سینیر سیاست کار بشیر احمد کچلو جو خوراک کے محکمہ کے وزیر تھے مختصر سی علالت کے بعد انتقال کرگئے اور اسی سال بھارتی جنتا پارٹی کے مقتدر لیڈر ویشیودت کی بھی موت ہوگئی۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں فاروق سرکار کی جانب سے ایک

۱۔ بھدرواہ کی تاریخ وثقافت از بشیر بھدرواہی ۶۹۔۶۸ص۔

غیر انسانی قانون ''پوٹا'' کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ جس کے ذریعے فوج کو وسیع اختیارات تفویض ہوئے۔ جن کی حقوق انسانی کے حمایتوں کے اور وکلا نے بہت مخالفت کی ایک غیر سرکاری تخمینے کے مطابق عسکری کاروائیوں کے شروعات سے ۲۰۰۱ء کے اواخر تک قریباً ساٹھ ہزار لوگ مارے گئے۔[1]

غلام نبی آزاد پردیش کانگریس کے صدر:

۲۷ مارچ ۲۰۰۲ء کو جناب غلام نبی آزاد کو پردیش کانگریس پارٹی کے صدر کے طور پر منتخب کیا گیا تاکہ کانگریس میں ایک تازہ دم روح پھونکی جاسکے۔ اس دوران حریت کانفرنس کے لیڈر عبدالغنی لون کا نامعلوم بندوق برداروں نے قتل کیا۔

عمر عبداللہ نیشنل کانفرنس کے نئے صدر:

جون ۲۰۰۲ء کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے فرزند عمر عبداللہ کو بطور جوان سال صدر نیشنل کانفرنس کے طور پر دستار بندی کی گئی اور ستمبر ۲۰۰۲ء میں ریاستی اسمبلی کے آئندہ انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ ہر چند کہ حریت کانفرنس اور دیگر علیحدہ پسند تنظیموں نے اس عمل سے دور رہنے کا تہیہ کیا۔

وادی میں حریت کانفرنس کی کال پر ہڑتال کی گئی۔ حکومت نے کئی گرفتاریاں عمل میں لائیں۔ انتخابات مرحلہ وار طریقے پر کرائے گئے لیکن کئی حلقوں میں بہت کم ووٹ پڑے۔ حب کدل سرینگر میں صرف ایک فیصد ووٹ پڑے۔ جموں میں ۵۶ فیصد اور بڈگام میں صرف ۵۷ فیصد ووٹ ڈالے گئے۔ ۱۰ر اکتوبر کو ووٹوں کی گنتی کی گئی اور نیشنل کانفرنس کو زبردست ناکامی کا سامنا کرنا

[1] بھدرواہ کی تاریخ وثقافت از بشیر بھدرواہی ۶۹۔۵۶۸۔

پڑا۔ اسے صرف ۲۸ نشستوں حاصل ہوگئیں۔ کانگریس کو ۲۰ نشستیں اور نووارد پی۔ڈی۔پی کو ۱۶ نشستیں حاصل ہوگئیں۔ پنتھرس پارٹی کو ۴ بی جے پی کو بہوجن سماج، عوامی لیگ اور سٹیٹ مورچہ کو ایک ایک سیٹ ملی۔ سی پی ایم کو ۲ اور ۱۲ سیٹیں آزاد امیدواروں کے حق میں چلی گئیں۔ اس انتخاب میں بانہال حلقہ سے مولوی عبدالرشید کامیاب ہوئے جو نیشنل کانفرنس سے ناراض ہوکر آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اُترے تھے۔ آپ نے نیشنل کانفرنس کے محمد فاروق میر اور کانگریس کے محمد ایوب خان کے علاوہ کئی آزاد امیدواروں کو بھی شکست سے دوچار کردیا۔ حکومت سازی کیلئے کانگریس پارٹی نے مفتی محمد سعید کی پارٹی سے ہاتھ ملایا اور نیشنل کانفرنس حذب مخالف کے طور پر اپنا رول ادا کرتی رہی۔ چیف منسٹر کے عہدہ کے لئے کچھ روز تک تعطل رہا اور کافی گفت شنید کے بعد ''کم سے کم مشترکہ پروگرام'' کے تحت مفتی محمد سعید کو پہلے تین سال کیلئے بطور چیف منسٹر حلف دینے کے فیصلے پر اتفاق ہوا اور باقی تین سالوں کے لئے غلام نبی آزاد کو وزارت اعلیٰ پر فائز رہنے پر اتفاق ہوا۔ فاروق عبداللہ کے انکار پر کہ وہ میعنہ تاریخ کے بعد بحیثیت وزیر اعلیٰ کام کرنا پسند نہ کریں گے اس لئے اسمبلی کو التوا میں رکھ کر ۱۷ر اکتوبر کی درمیانی رات سے ریاست میں گورنر راج کا نفاذ کیا گیا جو ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۲ء تک برقرار رہا اور اس طرح سے فاروق عبداللہ کی سرکار نے اپنے چھ سال کی مدت کو مشکل حالات میں پورا کیا۔ آپ کی پارٹی کی ناکامی کے کئی وجوہات جتلائے گئے جن میں مرکز کے ساتھ آپ کا غیر فطری گٹھ جوڑ بھی ایک وجہ ثابت ہوگئی اس کے علاوہ رشوت ستانی وغیرہ اسباب بھی اس شکست کا

موجب بن گئے۔

مفتی محمد سعید بحیثیت وزیر اعلیٰ:

۲نومبر ۲۰۰۲ء۔ ۱نومبر ۲۰۰۵ء) کانگریس اور پی ڈی پی کے مابین ۳۱ نکات پر مشتمل ایک معاہدے کے تحت ۳۰را کتوبر ۲۰۰۲ء کو کانگریس کے صدر غلام نبی آزاد نے گورنر کو اُن تمام اراکین بشمول آزاد ممبران اسمبلی کی فہرست پیش کی جو مفتی محمد سعید کے حامی قرار پائے اور جس کے نتیجے میں ۲رنومبر ۲۰۰۲ء کو گورنر نے مفتی صاحب کو حلف ٔداری اور حکومت سازی کی دعوت دی۔ اس مخلوط سرکار کو ۵۲رممبران اسمبلی کی حمایت حاصل رہی جس میں کمیونسٹ پارٹی اور پنتھرس پارٹی کے ممبران بھی شامل حمایت رہے۔

مفتی محمد سعید نے ''زخموں پر مرہم کرنے'' ہیلنگ ٹچ کی پالیسی کے تحت اور ''ہندو پاک'' باہمی دوستی کے دو اہم امور پر خاصی توجہ دی۔ جس پر مرکز نے فراخدلانہ امداد کی پیش کش کی اور حفاظتی امور سے متعلق معاملات میں بدلاو لانے پر زیادہ زور دیا گیا۔ لوگوں نے کافی حد تک راحت کی سانس لی اور اپنے آپ کو قدرے محفوظ محسوس کرنے لگے۔ ہر چند کہ عسکریت پسندوں کے خلاف زیادہ موثر کاروائیاں بھی جاری رہیں۔ مفتی محمد سعید نے ایس او جی کو غیر مسلح کردیا جس سے عام لوگوں کو پریشانی سے چھٹکارا ملا اور لوگ آزادی کے ساتھ گھومنے پھرنے لگے۔

اقتصادی طور پر ترقی کا احساس پیدا ہونے لگا۔ اس دور میں بانہال میں مولوی عبدالرشید بطور آزاد امیدوار کے یہاں کی نمائندگی کرتے رہے لیکن کوئی

فعال کام کرنے سے قاصر رہ گئے۔ مفتی محمد سعید کا بانہال کے عوام نے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد ایک بھاری عوامی جلسے کی صورت میں استقبال کیا اور ڈگری کالج کے قیام کی واحد مانگ کا مطالبہ پیش کیا لیکن لوگوں کو آپ کی جانب سے نا اُمیدی کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ اس عوامی مطالبے کو پورا نہ کر سکے۔ غلام نبی آزاد نے مفتی محمد سعید کے ساتھ یہاں کے دُور افتادہ علاقوں کا دورہ کیا اور مہو اور کھڑی کے علاقوں میں ہائیر سکنڈری سکول کے قیام میں آپ کی زوردار حمایت حاصل رہی۔ اس کے علاوہ ان دور افتادہ جگہوں تک رابطہ سڑکیں تعمیر کرنے کے کئی کاموں کو بھی ہاتھ میں لیا گیا۔ بھدرواہ میں ریڈیو سٹیشن کو چالو کیا گیا اور بھدرواہ کو کشتواڑ کیلئے ڈیویلپمنٹ اتھارٹی کا اعلان بھی کیا گیا۔

آزاد صاحب راجیہ سبھا میں:

۹رنومبر ۲۰۰۲ء کو غلام نبی آزاد راجیہ سبھا کیلئے ممبر منتخب ہوئے اور انہوں نے پردیش کانگریس کے صدر کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالنے کا عزم جاری رکھا۔ آپ کے علاوہ پروفیسر سیف الدین سوز سردار ترلوک سنگھ باجوہ بھی راجیہ سبھا کے ممبران منتخب ہوئے۔ آزاد صاحب مرکز میں تعمیری ترقی اور پارلیمانی امور کے وزیر کے فرایض بھی انجام دیتے رہے۔ آپ ۲۰رنومبر ۲۰۰۵ء تک اس عہدے پر برقرار رہے۔ ریاستی اسمبلی میں پہلی بار ''اکاونٹیبلٹی بل'' کو پاس کیا گیا جس کے دائیرے میں وزیر اعلیٰ کے عہدے تک کو بھی لایا گیا۔ اپریل ۲۰۰۳ء میں ہندوستان کے وزیر اعظم سرینگر پہنچے اور پاکستان کے ساتھ بات چیت کے ذریعے تمام مسایل بشمول ''مسلہ کشمیر'' حل کرنے کا اعلان کیا جس کو ہمسایہ ملک

میں بھی سراہا گیا۔

ایس کے سنہا کی تقرری بحیثیت گورنر:

مرکزی حکومت نے گورنر گریش چندر سکسینہ کی جگہ لفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ایس کے سنہا کو ریاست کا نیا گورنر مقرر کیا۔

ڈوگری زبان کو آئینی درجہ:

۲۰۰۳ء میں مرکزی سرکار نے ایک آئینی ترمیم کے تحت ڈوگری زبان کو بھی زبانوں کے آٹھویں شیڈول میں شامل کر کے آئینی درجہ عطا کیا جس سے صوبہ جموں کے ڈوگری زبان کے قلم کاروں کی دیرینہ مانگ کو پورا کیا اور مرکزی سرکار کے اس اقدام پر تمام سماجی، سیاسی تنظیموں نے اطمینان اور تشکر کا اظہار کیا۔

اپریل ۲۰۰۴ء میں لوک سبھا کی انتخابات عمل میں آئے اور بہت کم شرح میں ووٹ ڈالے گئے۔ این سی نے بارہمولہ اور سرینگر کی نشستوں کو جیت لیا اور پی ڈی پی نے اننت ناگ کی نشست کو حاصل کیا۔ ڈوڈہ اُدھمپور، جموں، پونچھ اور لداخ کی نشستیں کانگریس کے حق میں چلی گئیں۔ ڈوڈہ، ادھمپور نشست چودھری لال سنگھ نے حاصل کی اور انہوں نے پروفیسر چمن لال گپتا کو اُن کی تیسری باری کے بعد ہرایا۔ مرکز میں کانگریس کی زیر قیادت ایک ملی جلی سرکار کا قیام عمل میں آیا اور ڈاکٹر من موہن سنگھ جی پرائم منسٹر کے عہدے پر فائیز ہوئے۔ آپ نومبر ۲۰۰۴ء میں کشمیر کے دورے پر بھی آئے اور ریاستی ترقی منصوبوں کے ۲۴ر ہزار کروڑ روپے کی امداد کا اعلان کیا۔ تاہم اُن کی آمد پر پوری وادی میں ہڑتال رہی۔

۱۷ر اپریل ۲۰۰۵ء میں پہلی بار چھ دہائیوں کے بعد سرینگر سے مظفرآباد تک باہمی خیرسگالی اور مفاہمت کے طور پر پہلی بس سروس کو چالو کیا گیا اور وزیر اعظم نے اس کو ہری جھنڈی دکھائی جن کے ہمراہ یو پی چیرپرسن، مرکزی وزیر غلام نبی آزاد اور کئی دیگر شخصیات تھیں اس بس سروس کو ''کاروان امن'' کا نام دیا گیا اور مدتوں بعد ریاست کے لوگوں نے اپنے بچھڑے ہوئے رشتہ داروں کو گلے لگایا اور اس کے علاوہ اشیاءِ خوردنی کا تبادلہ ہوا اور کاروبار کو بھی ایک نئی سمت ملی۔

۸ر اکتوبر ۲۰۰۵ء میں مقبوضہ کشمیر کے مظفرآباد اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں ایک زبردست اور ریکارڈ توڑ زلزلہ آیا جس نے کئی بستیوں کو نیست و نابود کردیا۔ اس زلزلے میں اوڑی اور کرناہ کے سرحدی قصبے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ قریباً ایک لاکھ لوگ مارے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں مکانات زمین بوس ہوکر رہ گئے۔

غلام نبی آزاد بحیثیت وزیراعلیٰ:

تجویز شدہ معاہدہ کے مطابق مفتی محمد سعید نے ۲۹ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو تین سال مدت پوری کرنے کے بعد گورنر ایس کے سنہا کو اپنا استعفیٰ پیش کیا اور ۲ر نومبر ۲۰۰۵ء کو اُن کا دورِ حکومت اختتام کو پہنچا اور غلام نبی آزاد نے بطور چیف منسٹر حلف لیا۔ ریاست جموں و کشمیر میں یہ پہلا تاریخی موقعہ تھا جب صوبہ جموں سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کو اس جلیل القدر عہدے پر فائیز کیا گیا ہو۔ کانگریس پارٹی کی طرف سے وہ تیسرے وزیراعلیٰ بنے۔ آپ کے ساتھ دس

اور وزرا نے حلف لیا۔ پی ڈی پی کے مظفر حسین بیگ بطور نائب وزیر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ وزیر اعلیٰ ہوم، اطلاعات، تعلیم، محکمہ مال، صحت عامہ اور جنرل انتظامیہ کے قلمدان اپنے پاس رکھے جبکہ خزانہ، منصوبہ بندی اور پارلیمانی امور کے قلمدان نائب وزیر اعلیٰ کو تفویض کردیئے گئے۔ آئین کی رو سے آزاد صاحب کو وزارت اعلیٰ سنبھالنے کے چھ ماہ سے قبل ہی کسی انتخابی حلقہ سے اپنی کامیابی کو ظاہر کرانا ضروری تھا۔ آپ نے چنانچہ ۲؍نومبر ۲۰۰۵ کو حلف وفاداری لی تھی اس لئے یہ چناؤ ۲ مئی ۲۰۰۶ء سے پہلے ہی جیتنا مطلوب تھا اس طرح سے آپ نے ۵؍مارچ ۲۰۰۶ء کو حلقہ انتخاب بھدرواہ سے رکنیت اسمبلی کے کاغذات انتخاب بطور امیدوار کے داخل کئے۔ اس نشست پر آپ کے برادر زاد محمد شریف نیاز منتخب ہوئے تھے جنہوں نے استعفیٰ دیکر آپ کے لئے یہ نشست خالی کردی۔ چناؤ ۲۴؍اپریل کو عمل میں آئے اور ۲۷؍اپریل ۲۰۰۶ کو ووٹ گنے گئے۔ آزاد صاحب نے اپنی تیس سالہ سیاسی زندگی میں پہلی بار ایک ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل کرلی۔ آپ کے مقابلے میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے امیدوار رشی کمار صرف ۷۵.۴ فیصد ووٹ لے سکے جبکہ آزاد صاحب نے ۶۶۱۲۹ ووٹوں میں سے ۷۲۷۲۰ ووٹ حاصل کئے۔ آزاد صاحب کے دور اقتدار میں تعمیر و ترقی کے کاموں میں کافی سرعت پیدا ہوگئی۔ مرکزی حکومت نے فراخدلی سے رقومات کی فراہمی کو یقینی بنایا اور سڑکوں کی تعمیرات اور دیگر تعمیرات کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ ۴ جولائی ۲۰۰۶ء کو آپ نے آٹھ نئے ضلعوں، تین سب ڈویژن، تیرہ نئی تحصیلوں اور کئی نیابتوں کے منظور کئے جانے کا اعلان کیا جبکہ گزشتہ عرصہ

تیس سال سے یہ مسئلہ سرد خانے میں پڑا ہوا تھا۔ صوبہ جموں میں رام بن، کشتواڑ، ریاسی اور سانبہ کے اضلاع وجود میں آئے جبکہ وادی کشمیر میں بانڈی پورہ، شوپیان، کولگام اور گاندربل کے اضلاع معرض وجود میں آئے۔ "چھوٹا کشمیر" بھدرواہ کو ٹورسٹ نقشے پر لایا گیا اور بھدرواہ کالج میں پوسٹ گریجویٹ شعبہ قائم کیا گیا۔ ستمبر ۲۰۰۷ء میں روشنی ایکٹ کے نام سے ایک انقلابی نوعیت کے قدم کا اعلان کیا گیا جس کی رو سے کسانوں کو تقریباً ۱۲۰۵ لاکھ کنال سرکاری زمین پر مالکانہ حقوق دینے کے احکامات جاری کرنے کا منصوبہ رکھا گیا۔ دسمبر ۲۰۰۷ء میں مخلوط سرکار کی ایک میٹنگ میں ریاست میں اٹھارہ نئے کالج بتدریج کھولنے کی منظوری دی گئی جس سے ریاست میں کل کالجوں کی تعداد ۴۰ تک متوقع ہوگئی جو گذشتہ ساٹھ برس میں ایک ریکارڈ توڑ اقدام تھا۔ اس دوران بانہال کے علاقے میں لوگوں کی دیرینہ مانگ کو پورا کرتے ہوئے ڈگری کالج کے قیام کے احکامات صادر کردیئے گئے اور عوام کو راحت نصیب ہوگئی۔

آزاد صاحب کی قیادت میں مخلوط سرکار نے ریاست گیر پیمانے پر سڑکوں اور پلوں کی تعمیرات کا قابل ستائش کام ہاتھ میں لیا جس کی ہر سطح پر پذیرائی ہوتی رہی۔ ہر چند کہ مسلح عسکری کارروائیوں کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف جگہوں پر ہلاکت اور زیادتیوں کے واقعات رونما ہوتے رہے۔

سیف الدین سوز کانگریس کے نئے صدر:

شری سیف الدین سوز جو مرکزی کابینہ میں آبی وسائل کے وزیر کو ۱۳ فروری ۲۰۰۸ء کو ریاستی کانگریس کمیٹی کا نیا صدر مقرر کیا گیا۔ آپ نے پیرزادہ محمد سعید کی

جگہ لی جو رشوت ستانی کے ایک الزام میں ریاستی کانگریس کے صدر اور محکمہ تعلیم کے عہدے سے مستعفی ہوئے۔ بعد ازاں یہ الزامات ثابت نہ ہونے پر پھر سے اُن کو تعلیم کا قلمدان سونپا گیا۔

نئے گورنر این این ووہرا کی تقرری:

سابقہ گورنر ایس کے سنہا، لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) کے چلے جانے کے بعد ۲۵ رجون کو مسٹر این این ووہرا کو ریاست جموں وکشمیر کے نئے گورنر کے طور پر تقرر کیا۔ جو ریاست کے نوویں گورنر قرار پائے۔ آپ روایات کے برعکس غیر فوجی گورنر ہیں۔ جو اس منصب پر فائز ہوئے۔ آپ سے قبل کے گورنر شری سنہا ایک متنازعہ طرح کے شخصیت رہے جنہوں نے شرائین بورڈ کے چیرمین کی حیثیت سے ۸۰۰ کنال اراضی کا رقبہ بورڈ مذکورہ کے نام الاٹ کے عارضی احکامات صادر کئے۔ جسکو کشمیر میں دفعہ ۳۷۰ کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا گیا اور ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا جس سے ریاست میں فرقہ واریت کو ہوا ملی اور آپسی بھائی چارے میں ایک بڑی خلیج پیدا ہوگئی۔ جس پر بعد میں مشکل سے قابو پالیا گیا۔ شری سنہا بڑی خاموشی کے ساتھ بعد میں ریاست سے بغیر کسی شاندار الوداعی تقریب کے چلے گئے۔ پی، ڈی، پی کی صدر محبوبہ مفتی نے اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کیا اور سرکار پر دباؤ ڈالا کہ اس فیصلہ کو فوری طور پر واپس لیا جائے اور سرکار کو ۳۰ رجون تک مہلت دی۔ لیکن اس سے دو روز قبل ہی سرکار سے اپنی حمایت واپس لینے کا فیصلہ کیا اور اپنے وزراء کے استعفےٰ پیش کئے۔ جو وزیر اعلیٰ نے گورنر کو منظوری کے لئے بھیجدئے اور سرکار اقلیت میں آگئی۔ حالات کی نزاکت کے

پیش نظر ریاستی گورنر نے ۹ رجون ۲۰۰۸ء کو ریاستی حکومت کے نام ایک مراسلہ بھیجا کہ حکومت خود پہلے ہی طرح یاتریوں کا انتظام کیا کرے گی اور رقبہ مذکور کی چنداں ضرورت نہیں ہے اس پر جموں کی شدت پسند تنظیموں نے جموں بند کی کال دی جس میں آئے دن اضافہ ہوتا رہا اور پُرتشدد واقعات رونما ہونے لگے۔ ۷ رجولائی ۲۰۰۸ء کو گورنر نے ریاستی قانون سازیہ کا ایک اجلاس طلب کیا اور آزاد صاحب کو ''اعتماد کا ووٹ'' ظاہر کرنے کو کہا۔ آپ نے اپنے اور حکومت کے بے مثال ترقیاتی کاموں کو دہراتے ہوئے، اجلاس میں سب کو یہ کہہ کر چونکا دیا کہ آپ اسمبلی میں ''آیارام گیارام'' کی پالیسی اور روایت کو مسترد کرتے ہوئے اور کسی سودا بازی سے دامن بچاتے ہوئے اسمبلی ممبران کو اپنے حق میں نہیں کرنا چاہتے اور اس طرح سے اپنا استعفیٰ گورنر کو پیش کیا۔ گورنر نے آپ کو نئے انتظامات تک وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائیز رہنے کو کہا جو انہوں نے قبول نہ کیا اور اپنے وزراء کابینہ کو برقرار رہنے سے انکار کیا۔ اس طرح سے آزاد صاحب کا یہ سنہری دور حکومت ڈرامائی طور پر اختتام کو پہنچا۔ یہاں دوسری طرف سے شری امرناتھ یاترا سنگھرش سمتی جموں میں اپنی ہڑتال کو وسعت دیتی رہی جس کے نتیجے میں جموں میں کاروبار زندگی ٹھپ ہوکر رہ گیا اور اقلیتوں کیلئے ایک خوف ودہشت کا ماحول پیدا ہوا۔ بیشتر لوگ جموں سے نقل مکانی کرکے وادی چناب اور راجوری اور پونچھ کے اپنے آبائی علاقوں میں چلے گئے۔ ۹ر اگست ۲۰۰۸ء کو حریت لیڈر سید علی شاہ گیلانی نے مشترکہ طور پر حریت کی جانب سے ''مظفرآباد چلو'' کا کال دی۔ جس کو ۱۱ راگست کو شروع کرنے کا اعلان کیا

گیا۔ جموں کے کچھ عناصر نے ''اقتصادی ناکہ بندی'' کا اعلان کرتے ہوئے قومی شاہراہ پر کشمیر جانے والے کئی مال بردار ٹرکوں کے ڈرائیوروں پر حملہ کیا۔ اس کے ردعمل میں ۱۱راگست کو وادی کشمیر سے لاکھوں لوگ مظفر آباد کی طرف روانہ ہوئے اور میوے سے بھرے ٹرک بھی اس قافلہ میں شامل ہو گئے۔ سرکار نے اس پیش رفت کو ناکام بنایا البتہ حریت کانفرنس کے ایک بزرگ اور مستعد رہنما شیخ عبدالعزیز گولی کا نشانہ بنے اور شبیر شاہ جو اس مارچ کی قیادت کر رہے تھے بال بال بچ گئے اور بعد میں اُنہیں اپنے ورکروں نے بڑی رازداری سے حفاظت کے ساتھ سرینگر پہنچایا۔

جموں بند کا اقتصادی بحران:

مسلسل بند کی وجہ سے جموں میں اقتصادی ڈھانچہ تتر بتر ہو کر رہ گیا اور عام لوگ اقتصادی بدحالی کا شکار ہونے لگے۔ سنگھرش سمتی نے ۱۲رستمبر کو جو تازہ کال دی اس کا کوئی نمایاں اثر نہ ہوا۔ اس دوران ایک شخص جسونت سنگھ نے خود کو تیل چھڑک کر نذر آتش کرنے کی کوشش کی جو بعد میں ہسپتال میں فوت ہوا۔ اس دوران وادی بھر احتجاجات کا سلسلہ جاری رہا۔ جموں کی تجارت پر ایک بہت بڑا اثر پڑا جس کو یہاں کے لوگوں نے بعد میں بُری طرح سے محسوس کیا۔ اس کے بعد مرکز سرکار نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی کے نئے چناو کرانے کا اعلان کیا اور ان انتخابات کو سات مرحلہ وار طریقوں میں کرانے کا پروگرام مرتب کیا گیا اور سخت حفاظتی نگرانی میں انتخابات کو مرحلہ وار طریقے پر کر دیا گیا۔

۸ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو نئے انتخابی نتائج کا اعلان کیا گیا۔ اس میں نیشنل کانفرنس

نے ۲۸ نشستیں، پی ڈی پی نے ۲۱ نشستیں، بی جے پی نے ۱۱ پینتھرس پارٹی نے ۳ سی پی آئی نے ایک پی ڈی ایف نے ایک اور آزاد امیدواروں نے ۴ نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔

عمر عبداللہ نئے وزیر اعلیٰ:

ریاست جموں وکشمیر میں اقتدار کی باگ ڈور شیخ خاندان کی تیسری نسل کو اُسوقت منتقل ہوئی جب ۵ر جنوری ۲۰۰۹ء کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے پوتے اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے صاحبزادے جناب عمر عبداللہ نے کانگریس پارٹی کی شراکت داری سے وزیر اعلیٰ کے طور پر حلف وفاداری لیا۔ اس موقعہ پر جموں یونیورسٹی کے زور آور آڈیٹوریم میں مرکزی حکومت کے کئی وزرا اور سرکردہ شخصیات موجود تھیں، جہاں پر مسٹر ووہرا ریاستی گورنر نے اس حلف برداری کو سرانجام دیا۔ جناب عمر عبداللہ پہلے وزیر اعلیٰ ہیں جنہوں نے اتنی کم عمری (۳۸ سال) میں اس منصب پر فائز ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ نے بمبئی اور اسکاٹ لینڈ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کی ہے۔ ۱۹۹۸ء اور ۱۹۹۹ء میں بالترتیب لوک سبھا کے رُکن بنے اور ڈی، این حکومت کے دوران وزیر مملکت برائے امور خارجہ رہ کر بہترین رُکن پارلیمان کا اعزاز بھی حاصل کر چکے۔

صدر ریاست اور گورنروں کی تقرریاں:

اگر چہ مہاراجہ ہری سنگھ ۱۷ر نومبر ۱۹۵۲ء تک ریاست جموں وکشمیر کا آئینی طور پر والئی ریاست رہا لیکن ۲۰ر جون ۱۹۴۹ء کے بعد اُس کا فرزند ڈاکٹر کرن سنگھ امور سلطنت کو چلاتا رہا اور مارچ ۱۹۶۵ء تک ریاست کی حیثیت سے

سربراہ ریاست رہا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو گورنر ریاست میں تعینات ہوتے رہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ یوراج ڈاکٹر کرن سنگھ (۳۰ مارچ ۱۹۶۵ء۔ ۱۵ مئی ۱۹۶۷ء)
۲۔ شری بھگوان سہائے (۱۵ جولائی ۱۹۶۷ء۔ ۳ جولائی ۱۹۷۳ء)
۳۔ شری لکشمی کانت جاہ (۳ جولائی ۱۹۷۳ء۔ ۲۲ فروری ۱۹۸۱ء)
۴۔ شری راج کمار نہرو (۲۲ فروری ۱۹۸۱ء۔ ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء)
۵۔ شری جگموہن (۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء۔ جولائی ۱۹۸۹ء)
۶۔ شری کے وی کرشنا راو (جولائی ۱۹۸۹ء۔ ۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء)
۷۔ شری جگموہن (۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء۔ ۲۶ مئی ۱۹۹۰ء)
۸۔ شری گریش چندر سکسینہ (۲۶ مئی ۱۹۹۰ء۔ ۱۳ مارچ ۱۹۹۳ء)
۹۔ شری کے وی کرشنا راو (۱۳ مارچ ۱۹۹۳ء۔ ۲ مئی ۱۹۹۸ء)
۱۰۔ شری گریش چندر سکسینہ (۲ مئی ۱۹۹۸ء۔ ۳ جولائی ۲۰۰۳ء)
۱۱۔ شری ایس کے سنہا (۳ جولائی ۲۰۰۳ء۔ ۲۵ جولائی ۲۰۰۸ء)
۱۲۔ شری نریندر ناتھ ووہرا (۲۵ جولائی ۲۰۰۸ء۔ تا حال)

حال ہی میں ریاست کے نومبر ۲۰۱۴ء کے اسمبلی انتخابات میں پی، ڈی، پی نے ۲۸/ بی، جے، پی نے ۲۵/ نیشنل کانفرنس نے ۱۵/ اور کانگریس نے ۱۲/ نشستیں حاصل کیں۔ سی، پی ایم نے ایک، پیوپلز کانفرنس نے ۲/ ڈیموکریٹک فرنٹ نے ایک، یونائیٹڈ فرنٹ نے ایک اور آزاد امیدواروں نے ۳/ نشستیں حاصل کیں۔

کسی واحد جماعت کو اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے حکومت سازی کا عمل تا حال تعطل کا شکار ہے اور ایک معلق اسمبلی کا وجود برقرار ہے۔ تاہم فی الحال عبوری طور پر گورنر راج کا نفاذ عمل میں لایا گیا ہے۔

عبادت گاہیں و دینی ادارے

بانہال ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے اور یہاں کے ہر گاؤں اور موڑہ میں عبادت گاہیں اور مساجد موجود ہیں۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے موڑہ جات میں اپنے اپنے کنبوں کی سطح پر چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں۔ بانہال ٹھٹھار، عشر، ڈولیگام، چملواس، کھڑی، رام سو، نیل، پوگل، اُکھڑ ہال اور مکڑکوٹ وغیرہ ایسے مقامات ہیں جہاں پر جامع مساجد موجود ہیں۔ یہاں کے تقریباً بھی مُسلمان اہل سُنت والجماعت ہیں اور اہل تشیعہ لوگ یہاں پر موجود نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہاں چند جگہوں پر ہندو لوگ بھی رہتے ہیں جو عام طور پر ٹھکر کہلاتے ہیں۔ ان میں راجپوت لوگ بھی ہیں اور کچھ گنتی کے پنڈت بھی اور ان لوگوں کی بھی عبادت گاہیں اور مندر ہیں۔ قصبہ میں ایک گردوار بھی ہے لیکن مقامی طور پر یہاں سکھوں کی کوئی آبادی نہیں ہے۔ قصبہ کے اندر تقریباً پانچ جامع مساجد ہیں جن میں مرکزی جامع مسجد اور مسجد تحتانی عیدگاہ اولین مساجد ہیں۔

<u>مرکزی جامع مسجد:</u>

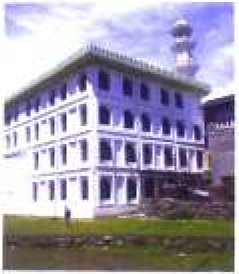
یہ یہاں کے قصبہ میں پہلی جامع مسجد ہے جو قصبہ کے مرکز میں واقع ہے اور اس کے سامنے ایک خوبصورت عوامی پارک بھی ہے، جس میں چنار کے تین

بڑے درخت موجود ہیں۔ ابتدا میں یہ ایک چھوٹی مسجد تھی جس کو ایک نیک دل شخص چوہدری اللہ دتہ نے تعمیر کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف زیارت کعبہ شریف کے لئے عازم ہوئے لیکن کسی وجہ سے آپ کا یہ ارادہ بہ عمل نہ آسکا تو آپ نے بواپسی ایک قطعہ اراضی خرید کر از خود اس جگہ پر جامع مسجد شریف تعمیر کرائی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد تقریباً ۱۹۶۲ء میں آگ کے ایک حادثاتی واقعہ میں یہ مسجد شہید ہوگئی اور اس کے بعد یہاں کے لوگوں نے اسے مشترکہ طور پر تعمیر کیا، اس تعمیر میں اُس وقت کے یہاں کے رُکن اسمبلی اور وزیر کابینہ مرحوم میر اسد اللہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس دو منزلہ مسجد کو پورے طور پر دیودار اور کائل کی بہترین لکڑی سے اور اونچے ستونوں سے سجایا گیا۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں یہ پھر سے اچانک آگ کی ہولناک واردات میں خاکستر ہوگئی بلکہ بازار کا ایک بڑا حصہ بھی جل کر راکھ ہوگیا اور درجنوں دُکانیں اور املاک ضایع ہوگیا۔

اس کے بعد عوام نے متحد ہوکر یہاں کے ماہرین انجینئروں کے مشورے اور تعاون سے اس کی تعمیر کا کام شروع کیا، جو اب انشاءاللہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ یہ جامع مسجد شریف سہ منزلہ ہے اور اسے کنکریٹ میں تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ مسجد شریف قریباً ۱۰۵ فٹ لمبی اور ۵۵ فٹ چوڑی ہے جس میں تقریباً پانچ ہزار کے قریب نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔ مسجد کے سامنے والے کونوں پر دو خوبصورت اور اونچے مینار ہیں جو رات کے وقت روشنیوں سے آراستہ نظر آتے ہیں۔ چھت کے وسط میں قریباً آٹھ فٹ قطر کا عالیشان، گول گنبد موجود ہے۔ مسجد کے زیرین حصے میں غسل خانے موجود ہیں اور یہ غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کی



مرکزی جامع مسجد شریف بانہال
(داخلی دروازہ)



مرکزی جامع مسجد شریف
(عقبی حصہ)



مسجد شریف عیدگاہ بانہال



مرکزی عیدگاہ بانہال

تقریباً سب سے بڑی مسجد شریف ہے۔ مولوی نذیر احمد اس مسجد شریف میں آجکل امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ مدینۃ العلوم درگاہ شریف سرینگر سے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ سے پہلے آپ کے والد مولوی غلام قادر مرحوم کافی عرصہ تک اسی دینی خدمت کو انجام دیتے رہے۔

جامع مسجد تحصیانی: (عیدگاہ)

جامع مسجد تحصیانی اس قصبہ کی دوسری بڑی مسجد ہے جو قصبہ کے وسط میں واقع ہے یہ پرانے ایام میں یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے اوپر پتھروں کے سلیٹ کی چھت لگی گئی تھی۔ لیکن یہ مسجد بھی دوبار آگ کی نذر ہوگئی اور اب اس کو نئے ڈھنگ سے تعمیر کیا گیا۔

۶۵ فٹ x ۶۰ فٹ رقبہ پر محیط یہ مسجد شریف بھی سہ منزلہ ہے، جس کے سامنے دو اونچے خوبصورت مینار ہیں جو دور سے ہی نظر آتے ہیں اور چھت کے اوپر درمیان میں ایک بڑا گنبد ہے۔ مسجد کے شروع میں تقریباً پندرہ فٹ چوڑا ایک لان ہے اور زیریں حصے کے سامنے غسل خانوں کا پورا انتظام موجود ہے۔ اس مسجد شریف کے دائیں عقب میں ساتھ ہی یہاں کا عیدگاہ ہے جو قریباً آٹھ کنال مستطیل رقبہ پر موجود ہے جس کے چاروں طرف دیوار بندی کی گئی۔ بانہال کے ایک بزرگ دینی عالم مولانا پیر حسن شاہ صاحب تقریباً ساٹھ برس تک اس مسجد شریف میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے جو اب بہت عمر رسیدہ ہیں اور آج کل جواں سال عالم دین مفتی خورشید احمد صاحب اس مسجد شریف کے امام وخطیب ہیں۔ اس کے علاوہ نواحی علاقوں میں بھی کچھ عیدگاہ

موجود ہیں۔ ان مساجد کے علاوہ، ناگ بل بانہال کے مقام پر اسی قصبہ میں اور دو جامع مساجد ہیں۔ جن کی دوبارہ تعمیر کا کام جاری ہیں یہ دونوں جامع مسجدیں بھی جدید ڈھنگ سے تعمیر کی جارہی ہیں جن میں سے ایک مسجد شریف مدرسہ فیض الاسلام کی زیر نگرانی تعمیر کی جارہی ہیں۔ جس کے مہتمم مولانا غلام رسول صاحب مفتاحی ہیں جو اس دینی درسگاہ کو چلارہے ہیں۔ دوسری مسجد شریف کی نگرانی خود ناگبل کے لوگ کررہے ہیں۔

انجمن کشفیہ کوہستانی

پوگل پرستان علاقے کی پہلی رضاکار اصلاحی اور دینی تنظیم ہے۔ جس نے اس علاقے میں جہالت اور ناخواندگی کو دور کرنے اور اخلاقی اصلاح کیلئے اپنی خدمات کو وقف کیا۔ یہ انجمن یہاں کے ایک نیک سیرت، دینی بزرگ مولانا احمد اللہ بانہالی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے، جنہوں نے کافی مشکلات اور مصائب کو جھیل کر خود کو دینی علم سے روشناس کیا اور بعد میں اس دور افتادہ اور پہاڑی علاقہ کو اپنی علمی بصیرت سے مستفید کیا۔ مولانا احمد اللہ بانہالی جیسا کہ ماقبل بھی ذکر کیا گیا ہے کہ پوگل پرستان کے مالیگام، قریہ سے متعلق تھے جہاں آپ ۱۸۵۲ء میں تولد ہوئے آپ نے ہوش سنبھالتے ہی، تحصیل علم کی خاطر پیدل چل کر اور کوہ و بیابان سے گزر کر لاہور اور سیالکوٹ کا رُخ کیا، جہاں پر آپ نے چند اہم دینی درسگاہوں کی طرف رجوع کرکے وہاں زانوئے ادب تہہ کیا اور حافظ عبدالمنان وزیرآبادی اور محمد حسین بٹالوی جیسے وہاں کے علماء دین کی شاگردی میں رہ کر قرآن واحادیث کا اچھا خاصہ مطالعہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب

یہاں کے لوگ موسم سرما کے دوران حصول روزگار کی خاطر اور سردیوں سے بچنے کیلئے لاہور اور سیالکوٹ جیسے تجارتی شہروں میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ پوگل پرستان ایک پسماندہ اور پہاڑی علاقہ ہے جہاں تعلیم وتربیت کا کوئی بندوبست موجود نہ تھا یہاں کے لوگوں کی اکثر آبادی اگرچہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی لیکن دین اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس نہ تھی۔ لوگ جہالت، تنگ نظری اور توہم پرستی جیسی بدعات میں گرے ہوئے تھے۔ مولانا احمد اللہ بانہالی جب لاہور میں حصول تعلیم اور دینی تربیت سے فارغ ہوئے، تبلیغ دین اور خدمت خلق کے ایک مسلم ارادے اور جوش وجذبے کے ساتھ اپنے وطن مالوف کی طرف لوٹے اور یہاں پر بڑی محنت اور لگن کے ساتھ جہالت اور ناخواندگی کا قلع قمع کرنے کیلئے مستعدی کے ساتھ کمربستہ ہوئے۔ آپ نے گھر گھر جا کر لوگوں کو تعلیم کی اہمیت وافادیت سے روشناس کیا اور دینی تعلیم پڑھانے کا کام شروع کیا۔ آپ کی بے لوث محنت اور علمی دسترس کے چرچے ہونے لگے۔ ہر چند کہ آپ کو کئی طرح کی مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے انہماک انداز کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھا اور اپنے شاگردوں کا ایک چھوٹا سا حلقہ پیدا کیا جن میں مولوی عبدالسبحان، مولوی محمد یوسف بالی، قاضی محمد رمضان اور مولوی عبدالسبحان شال جیسے حضرات خاص طور سے شامل ہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم:

یہ اسلامی درسگاہ بہار سے تعلق رکھنے والے ایک دینی عالم مولانا رئیس احمد نے ۱۹۸۵ء میں بانہال علاقہ کے شمال مشرق میں ایک پہاڑی قریہ ہنجال

ڈولیگام کے مقام پر قائم کی جس میں ملحقہ علاقہ جات کے علاوہ دوسری جگہوں سے بھی طالب علم آ کر فیضیاب ہوتے ہیں۔ مولانا رئیس احمد ایک اچھے دینی عالم ہیں۔ جو ابتداء میں بانہال کی مرکزی جامع مسجد میں درس قرآن دیتے رہے اور بعد ازاں ایک علیحدہ درسگاہ قائم کی جسمیں تقریباً پچاس کے قریب طلبا کے لئے طعام وقیام کا انتظام موجود ہے۔ درسگاہ کی ایک عالیشان عمارت ہیں۔ یہاں پر قرآن ناظرہ کے علاوہ احادیث وفقہ اور پانچویں جماعت تک مروجہ تعلیم بھی دی جاتی ہے کچھ عرصہ قبل نصاب میں مولوی عالم کا کورس بھی شروع کیا گیا جس کیلئے بچوں کو امتحان پاس کرنے کے لئے وادی کشمیر میں جانا پڑتا ہے۔ یہاں ہر سال ایک بھاری دینی اجتماع ہوتا ہے جس میں ریاست سے باہر کے علماء دین بھی شرکت کرتے ہیں اور اس موقعہ پر حفاظ کرام کی دستار بندی بھی کی جاتی ہے۔ اس درسگاہ سے فارغ التحصیل طلباء وادی کشمیر اور ریاست کے مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی خدمت بجالاتے ہیں۔

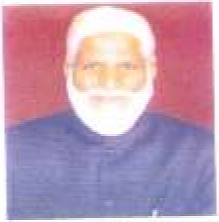
مدرسہ فیض الاسلام:

یہ دینی ادارہ بانہال کے کھڑی علاقہ سے تعلق رکھنے والے ایک دینی عالم الحاج مولانا مفتی غلام رسول نے ۱۹۹۰ء کے اوائل میں بانہال کے ناگبل علاقہ میں قائم کیا جس کے لئے آستان پورہ مہولہ سے تعلق رکھنے والے ایک مخلص شخص مسمی عبدالرشید ملک نے ایک قطعہ اراضی وقف کر دیا۔ اس درسگاہ میں قرآن ناظرہ کے علاوہ فقہ، احادیث، تعلیم العربی کے علاوہ قرآن کے حفظ کرانے کا بھی بندوبست ہے۔ درسگاہ میں جو ایک سو سے زیادہ غریب اور نادار

بچے زیر تعلیم ہیں جن کے طعام وقیام کا پورا انتظام درسگاہ میں موجود ہے تا حال اس درسگاہ سے ڈیڑھ سو کے قریب حفاظ آج تک فارغ التحصیل ہو چکے ہیں جو بانہال اور وادی کے مختلف علاقوں میں درس وتدریس کے علاوہ ان علاقوں کی متعلقہ مساجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں اور دینی درس و تدریس کے اس نظام میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کے علاوہ یہاں کے نواحی علاقوں میں جو دینی ادارے تعلیمی فرائض انجام دے رہے ہیں اُن میں دارالعلوم امدادیہ چملواس، مفتاح العلوم رام سو، صوت القران کھڑی، مدرسہ قاسم العلوم کھڑی، نورالسلام لابر، دارلعلوم صدیقیہ ہنجہال، دارالعلوم نعمانیہ بانہال، مدنیہ العلوم نیل، تعلیم القرآن سلفیہ ناچلانہ، تعلیم القرآن باٹو اور مہو اور منگت میں واقع دینی درسگاہ ہیں۔

ہندوؤں کے تیرتھ:

بانہال کے یوگل پرستان علاقے میں شرواہ وار سے آگے چُنڈا دیوی (یعنے چار ٹانگوں والی دیوی) کے نام سے ایک تیرتھ ہے جہاں مقامی ہندو لوگ جموں اور دوسری جگہوں سے ہر سال ساون کی پورنماشی کو یہاں آکر اپنے عقیدہ کے مطابق پرستش کرتے ہیں۔ یہاں کے ہندو ہنسراج پہاڑ کو بھی دھارمک نظر سے دیکھتے ہیں، جو یوگل کے اوپر واقع ہے اور جہاں پر پانی کی ایک جھیل بھی ہے۔ اس کے علاوہ مکرکوٹ کے مقام پر سڑک کے دائیں جانب کالی دیوی کا ایک مندر ہے۔ خونی نالہ سے آگے دیوسول کے مقام پر قومی شاہراہ کے نیچے ایک شیو گپھا ہے جہاں پر یاتری لوگ اکثر جاتے ہیں۔ قصبہ بانہال کے اندر بھی دو













مندر ہیں جن کا ذکر شہنشاہ اکبر کے زمانے میں بھی ابوالفضل کے ہاں ملتا ہے۔
امرناتھ یاترا کے دوران یاتری لوگ اکثر یہاں سے گزرتے ہیں۔
ناگ مندر یہاں پر کسی بھی جگہ موجود نہیں ہیں کیونکہ کھش قبیلہ کے لوگ جن کا بیشتر تعلق ان لوگوں سے ہے، ناگوں کی پوجا کی رسم نہیں کرتے تھے۔

☆













عبدالرحمان خان

ادبی منظر نامہ

مولانا احمد بانہالی

سالہا در کعبہ و بُت خانہ مے نالد
تا زبزم ناز یک دانائے راز آید بروں

مولانا احمد بانہالی خطہ جموں سے تعلق رکھنے والے ایک سرکردہ عالم دین اور روحانی بزرگ ہونے کے علاوہ اعلیٰ پایہ کے سخنور اور عاشق صادق گزرے ہیں۔ آپ کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ فارسی اور عربی زبانوں پر مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ فارسی کے ایک عالی مرتبت شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان میں بھی نعت ومناقب موزوں کرتے تھے بقول پروفیسر مرغوب بانہالی "احمد بانہالی عربی اور فارسی جیسی ثقافت نواز زبانوں کے جید عالم بلکہ خطہ جموں میں" جامی ثانی" کہلانے کے مستحق ہیں، لیکن تشہیر نہ ملنے کے سبب گوشہ گمنامی میں رہے" مولانا احمد بانہالی قصبہ بانہال کے متصل موضع کسکوٹ میں مولوی محمد جو کے ہاں تولد ہوئے جو اس گاؤں کے اسوقت کے ایک ادب دوست رئیس خواجہ حمزہ کے رفیق خاص تھے۔ مولانا احمد بانہالی نے حسب روایت ابتدائی عربی اور فارسی تعلیم اپنے والد مولوی محمد جو سے حاصل کی

اور پھر شوقِ مطالعہ کو جاری رکھا۔ سِن بلوغ کو پہنچکر آپ نے درس وتدریس کا شغل جاری رکھا' اور اپنے مقامی طلبا کے علاوہ اس علاقہ کے سرکردہ اور صاحب ثروت خاندانوں کے متعلمین کو بھی زیور تعلیم وتربیت سے آراستہ کرتے رہے آپ کی تعلیم وتربیت کا فیضان یہاں کی دور دور جگہوں تک پہنچ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیری زبان کے ناموز رومانی شاعر رسول میر جو دورو شاہ آباد کشمیر کے رہنے والے تھے بھی وہاں سے آکر آپ کے ہاں قیام کرکے کچھ عرصہ کے لئے آپ کی صحبت شاگردی میں رہے ہیں۔ یہ بھی باور کیا جاتا ہے کہ رسول میر نے مولانا موصوف کی صحبت میں یہاں کے پوگل پرستان کے علاقے کا بھی دورہ کیا ہے۔ جس کا اشارہ آپ کے کلام میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مولانا احمد بانہالی کشمیری شاعری کے نظامی بغنے محمود گامی شاہ آبادی کے ایک ایسے ہم عصر اور پختہ کار شاعر رہے ہیں کہ رسول میر جیسا گہرشناس شاعر آپ کو محمود گامی پر ترجیح دیتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ محمود گامی بھی بانہال میں آکر آپ سے ملاقی ہوئے ہیں۔ اور آپ کو اپنا کلام سُنا کر داد سخن حاصل کی ہے۔ مولانا احمد بانہالی کی بدولت اس علاقے میں فارسی شناسی کا ایک شستہ ماحول پیدا ہوا۔ آپ کے دامنِ تربیت میں یہاں کے نامور عالم دین مولوی رسول شیخ اور یہاں کے رئیس اور وزیر وزارت خواجہ صمد جو بھی رہے ہیں۔ خواجہ صمد جو بانہالی کو بعد میں آپ کے فرزند نسبتی (داماد) بننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ آپ کے دوسرے شاگردوں میں یہاں کے اچھے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے چریل بانہال کے ذیلدار ودائیم میر۔ غلام محمد گیری اور ارسلا خان گرد اور جیسے حکومتی اہل کار بھی رہے ہیں۔ مولوی عبدالرسول شیخ مذکور کی شاگردی

میں ہی آگے چل کر یہاں کے کشمیر زبان کے مُستند اور معتبر شاعر اعما عبدالرحیم پروان چڑھے جو اس پورے صوبہ میں کشمیری زبان کے اولین اور سرکردہ شاعر مانے جاتے ہیں۔

مولوی احمد بانہالی کی زندگی اور حیات سے متعلق پورے تفصیلات بہم نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کے کلام میں کچھ ایسے داخلی شواہد دیکھنے کو ملتے ہیں جس سے آپ کے معلمین اور معاصرین کے بارے میں کچھ جانکاری مل جاتی۔ البتہ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کی شادی چنجلو بانہال کے ایک نزدیکی گاؤں میں ہونا بتائی جاتی ہے۔ آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں۔ پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ آپ کا بیٹا خواجہ احسن اللہ شاہ چھوٹی عمر میں ہی تحصیلدار کے عہدے پر فائز ہوا اور گلگام کشمیر میں رہائش پذیر ہوا۔ آپ کی بڑی بیٹی کا نکاح خواجہ جمیل سے ہوا جس کو آپ نے اپنا خانہ داماد بنایا۔ دوسری بیٹی کا نکاح خواجہ جمیل کے بھائی خواجہ افضل جو کے ساتھ ہوا جو ڈولیگام کا رہنے والا تھا۔ خواجہ صمد جو اسی خواجہ افضل جو کی پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ مولانا کے تیسرے فرزند نسبتی خواجہ افضل جو کے چچیرے بھائی خواجہ کبیر جو تھے' جو اپنے آخری ایام تک کسلوت گاؤں میں امامت کا فریضہ نبھاتے رہے۔ جہاں پر آپ کا خاندان ہے۔

مولانا احمد بانہالی خُداداد صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ آپ اپنے وقت کے ایک متقی عالم دین اور روحانی بزرگ تھے جس کا دل عشق رسالت مآب کی عقیدت ومحبت سے سرشار تھا۔ آپ ایک مقتدر۔ ذکی الطبع اور دل روشن شاعر تھے جس کا اندازہ آپ کے فارسی اور کم وبیش کشمیری کلام سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ

بات باعثِ تاسف ہے کہ نامساعد حالات کے سبب آپ کا کلام دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا جو یہاں کے ادبی سرمایہ کے لئے ایک زبردست اور ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوا۔ آپ کے کلام کا کم وبیش سرمایہ' جو مشتے از خروارے میسر ہے وہ آپ کے فارسی کلام کا وہ مسودہ ہے، جو پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب نے کافی تلاش وجستجو کے بعد پٹن کشمیر کے ایک زیلدار کے گھر سے حاصل کیا ہے۔ جس میں آپ کے فارسی نعت ومناقب شامل ہیں' جس کو مولانا مرحوم نے ''غرفہ دیدار نبیؐ'' کے نام سے ترتیب دیا اور مرغوب صاحب نے اس مسوّدہ کلام کو بازیاب کر کے ریاستی کلچرل اکادمی کی وساطت سے شائع کرانے کا اہتمام کیا ہے۔ جو قابل ستائش ہے۔ مولانا مرحوم کا یہ کلام جو ''غرفہ دیدار نبیؐ'' کے نام سے معنون ہے اس کے پہلے حصے میں، بارگاہ رسالت مآبؐ میں آپ کے پیش کئے گئے جذبات عقیدت وخلوص کے گلہائے عطر بیز شامل ہیں جو لغوت کی صورت میں ہیں اور اس کا دوسرا حصہ ''جامِ عرفان'' کے نام سے معنون ہے' جس میں آپ کے وہ روح پرور مناقب شامل ہیں جو آپ نے خلفائے راشدین اور اولیائے دین ومحسنان کشمیر کی شان میں عقیدتاً واحتراماً موزون فرمائے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد آپ کی شاعرانہ عظمت کا بہت حد تک اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا مرحوم کا پورا کلام آپ کی عالمانہ بصیرت، روحانی پاکیزگی، عشق رسالت مآب کے ساتھ آپ کی خود سپردگی، خلفائے راشدین اور اولیائے کرام کے ساتھ آپ کی گہری عقیدت کے ساتھ ساتھ آپ کی قدرت بیانی اور فنی پختگی کا اعلیٰ نمونہ ہے جو ریاست کی فارسی ادبی تاریخ کا ایک قابل قدر حصہ ہے۔

''غرفہ دیدار نبیؐ'' کے آغاز میں ۳۸ راشعار پر مشتمل ایک مناجات ہے' جس سے یہاں پر نمونے کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں:۔

نہاد مہر سعادت نخصبِر بر جبیں
بداد درکفِ بہرام خنجرِ سفاک
زبطنِ غیب بیک امر، طفل شش روزہ
بروں کشید بری از احاطۂ ادراک
بکلک صنع خطِ استواچناں بنوشت
کہ از خطش شدہ است خطیب نطۂ خاک
بخشش ابرِ رواں در منابتِ اشجار
نہاد افسرِ گلہا بتارکِ استاک
الہنا و الہ السماءِ والا رضین
ونحن نسالک العفو لاغفور سواک
فعز جارک یا سیّدی ومولائی
وجلّ شانک یاربّ نعبُدُ ایاک

مولانا کے کلام کے صرف چند کس نمونے ہی اہل ذوق کی نظر سے گزرے ہیں جن میں آپ کی وہ مشہور فارسی نعت بھی شامل ہے' جسکا پورے جنوبی کشمیر کے علاوہ دین میں چرچا رہا ہے اور یہ نعت شریف یہاں کی مساجد میں ہر صبح وشام درود وسلام کے ساتھ پڑھی جاتی رہی' بلکہ یہ سلسلہ آج تک بھی کئی مقامات پر ذوق وشوق سے جاری ہے آپ کے صریر خامہ میں ایک الہامی طرح کے سوز

وگداز سے معمور ایک پاکیزہ طبیعت عاشقِ رسولؐ وجد کناں نظر آتا جو قاری کو اپنے جوشِ عقیدت کی رو میں بہا کر جذب و مستی سے سرشار کر دیتا ہے۔ یہ بات یہاں اس علاقے میں مشہور ہے کہ مولانا موصوف نے شبِ معراج کی ایک رات کو جب دورانِ شب یہ نعت مسجد شریف میں پڑھی تو آپ پر عجیب رقعت کی کیفیت طاری ہوگئی اور کہا جاتا ہے آپ دیدارِ نبیؐ سے مشرف ہوگئے تھے۔ اور نمازیوں کو کئی روز تک اس مسجد میں مُعطر کُن خوشبو لہراتی ہوئی محسوس ہوئی اور دماغ کو سرور بخشتی رہی۔ اس طویل نعت شریف کو یہاں پر عاشقانِ رسول کے رُوحانی فیضان کیلئے مِن وعَن نقل کیا جاتا ہے۔

سیّد اروی   والضحیٰ   داری   موی والّیل اِذاسجیٰ داری
طاہ طاہا طرازِ خلعتِ تو   وز مُدَثِّر مبین ردا داری
تاج لولاک بر سرت زیبا   وز مُزَّمِل بہ بر قبا داری
یای یسین کہ یا مَن بوست   گُل دستار خوش نما داری
نیستی باہلِ نعیم جہاں   ماحضر خوانِ ہل اتیٰ داری
باغ مازاغ را تماشاکُن   گُل صد رنگ ماطغیٰ داری
قُرب در حضرتِ خُدا ہردم   ماوراء ثُم ماوراء داری
ذاتِ تو از خطاب ارسلناک   از خُدا مُوردِ ثنا داری
صِدق گو بر رسالت ناطق   یکصد و چاردہ گواہ داری
قابِ قوسین زقُربِ تو اَدنیٰ است   عزت از قُربتِ دَنیٰ داری
ثُم وجہہ اللّٰہ شُدہ مشہود   روی از آں سوی اسما داری

لن ترانی نصیبِ مُوسیٰ بُود   احترامِ لقد راہ داری
مظہرِ کُل تُوئی سرت گردم   تاز نجّی و مرحبا داری
نیست محبوبِ خاصِ حق چُو تُوئی   کہ فضیلت بما سِوا داری
گردِ نعلین بدردِ عرشِ بریں   چوں مُفرّح گزیں دوا داری
ماہ و خورشید مُنفعل ماندہ   از رُخت کہ بصد ضیا داری
بصفایت کُجا رسد خُورشید   درصفا نام مصطفیٰ داری
ظبی وضب وجذع وحجر و ذراع   کردہ بر صدق تو ہوا داری
تیغ نوبت زناں زمین بفلک   چار طاقی کہ بس عُلا داری
ہمہ عالم مطیع و منقادت   کرنمک خلق تا سما داری
چار یارت بہ چار حد جہاں   چار سلطانِ باصفا داری
ثانی اثنینؓ اذھُما فی الغار   ہمنشیں یارِ باصفا داری
از پئے ارتفاعِ رایت دین   چوں عمرؓ شاہ بالقا داری
قامعِ البدعِ ، جامعِ الفرقان   شاہ ذُوالحلمؓ و ذُوالحیا داری
از پئے پاسِ قلعۂ اسلام   تیغ زن شاہِ لافتیٰ داری
تازہ ریحانیانِ باغِ بہشت   حسنینؓ دُرِّ بے بہا داری
روزِ محشر چہ غم ز کرب وبلا   چُوں عوض دشتِ کربلا داری
بہر خصمانِ اہلِ بیت گزیں   ما علیھم پئے سزا داری
از پئے ہر مُحبِ اہل البیت   در فردوسِ پاک وا داری
از نعیم کثیر پیشِ حبیب   فضل آمادہ بہر ما داری

متمسک بذیلِ لطف تو وحش   دامِ اُلفت چہ خوش بجا داری
شفقت و رافت وہدایت وجود   وز عنایت چہاچہا داری
زاں کرامت کہ پیش دوست تُراست   غمِ اُمت بجود چرا داری
ہست آسان خلاصیٔ اُمت   نقدِ طاعت چو رونُما داری
رحمت از بہر اُمتِ عاصی   مُخذا مخزنِ عطا داری
طای طاہا دوای نافع خُد   الم و ورم کہ بجا داری
بعلو انبیاءِ بنی اسرئیل   دوامِ خاصہ اولیا داری
از پے تکلفِ خطائے اُمم   رحم چوں مُوسوی عصا داری
انتہای فرشتگان و رُسلِ   حبذا آں در ابتدا داری
روے زیبا نُما کہ مُشتاقم   قسمِ ذاتِ کبریا داری
بقُرآنے کہ وحی تنزیل است   مُعجزاتے کہ بے حصا داری
بشب قدرو لیلۃ المعراج   بہ وصالے کہ باخدا داری
بہ ابوبکرو عُمر وعثمان   بہ صُحب کہ اَنجم ہُدا داری
بہ حسن ہم حُسین ہم زہرا   بہ علی آنکہ مرتضیٰ داری
کہ بدیدار کُن سرا فرازم   این چنینم چرا جُدا داری
از فراقت جگر کبابم شد   سُوز شم تا بکے روا داری
مس قلمم بہ یک نظر زرکُن   کاں نظر ہمچو کیمیا داری
یک سخن کُن بمن کہ آبِ حیات   درلب لعل محتوا داری
پادشاہا مجال من نظرے   کہ عنایت بہر گدا داری

پاے نازک بشوییت از اشک   گر قبولم تو التجا داری
شمس راجسارِ تے نسرزو   بہرا حقر تو فیض ہا داری

احمد ابرام نیست شرطِ ادب
عرض احوال مُدّعا داری

مولانا کی علمی مہارت کا کمال "نعت بے نقط" کا تجربہ ہے۔ جس کو آپ برتنے میں یوں کامیابی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مہر محمدؐ آمدہ ہرورد رادَوا
در درگہِ مُکرّمِ او کامِ دل روا
صدرُ الصدور اہلِ دلِ عالم آمدہ
ہم اسمِ او محمد و محمود وحامدا
او مہ سلالۂ کرم و مطلعِ ہم
مہرِ سماء مہر و مہِ کاملِ عطا
سردار و سرورِ ہمہ مُرسل امام ہم
طٰہٰ رداو لامِ لَعَمرک ورالوا
صمصام لا الٰہ علم کردو وادسَر
درسرحدِ عدم سر حسادِ سادہ را
صدر الملوک و سرور عالم امامِ کُل
اوراسلام، راو ہُدیٰ را دہد صلا
او اول آمدہ عالم و آدم ورای اُو

واکرد، در واعلّم الآدم الاسماء
او حاصل درود کہ مولا مدح سرود
اورا زساد صد سلام و صد درودہا
او درمع اللہ آمدہ و روح او مدام
ظُہورا دوام داوہ ولاکرو ماسوا

مولانا قرآن وسنت کے اتباع اور اسلامی فکر وفلسفہ سے پوری طرح سے روشناس تھے۔ آپ نے مختلف پیرایہ اظہار میں آقائے نامدار پیغمبر اسلام کے تئیں دلپذیر نعوت کی صورت میں اپنے والہانہ جذبات عشق وخودسپردگی کا اظہار کیا ہے، جو اپنے موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے منفرد اہمیت وتوجہ کے حامل ہیں۔ موضوع کی تنگ دامانی کے سبب اس طرح کے کئی نعت کے صرف ابتدا اور آخیر کے چند نمونہ ہائے اشعار کو پیش مطالعہ رکھنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ قارئین حضرات اس نابغہ روزگار عقیدتی شاعر کے بے لوث جذبۂ حُب رسولؐ تیقّن وایمان اور فکری اور فنی رفعت سے کماحقہ متعارف ہوسکیں۔

تقدس مآب طلیعہ بہ تخاطب عاشقانہ

اے کہ فضلِ حق نُمودت باعث تحسین ما
اے کہ تخلیقِ جہاں را خلقِ پاکت منتہا
گر مُمِد توبۂ آدم نگشتے ذاتِ تُو
کے کشیدے نالہ ''اِغفرلنا یا ربّنا''

انبیاؑ وہم رُسُل بُردند از فیضت نصیب
زاں امام المرسلین نامی و ختم الانبیاء
احمدا چوں قوتِ رفتارت از پیری نماند
تا بہ یثرب مے روی از دیدہ سرکردہ پا

تخاطب بحضور نور مصطفیؐ

از نُور تو شد ظہور کونین
ایں ارض وسماو آنچہ مابین
معراج تُو اوج لامکاں گشت
قُربِ تو فکان قابِ قوسین
اے رحمتِ عالمین بہ احمد
از فضل و عطاء اوا نمادین

دید العاد سیرت نبویؐ:

والضحیٰ لمعہ خدت دیدم
قُم فانذر کمی قدت دیدم
نُورِ تو اول و ظہور آخر
شاہ شہر مویدت دیدم
اے مُزمّل قبا! لعمرک تاج
مالکِ ملک سرمدت دیدم

احمدؔ از شوق ہر نفس گویاں
یا محمدؐ ! محمت دیدم

ممتاز نعتیہ مخمس بحضور فخر دو عالمؐ

براوجِ زبرجد بخطِ خوب معلّٰی
اول رقم از کلکِ تقدس وتعالیٰ
این است در القاب شہنشاہ تدلّٰی
کای پادشہِ مسندِ اقلیم تجلّٰی
قصر تو فلک تکیہ گہت عرشِ معلّٰی

احمدؔ زگناہ گرچہ سزاوارِ طغاتی
شوخاکِ رہ شاہ رُسل ابرِ مغاتی
شوئید بہ آبِ کرمت خبثِ خباثی
الممنۃ للہ کہ بُودہ است غیاثی
رخسار بدر گاہ شہِ یثرب و بطحا

قبل از عرض حال با مشورہ خاص

آرامِ دل وجانِ ہمہ نامِ محمدؐ
تعویذِ رُواں نامہ و پیغامِ محمدؐ
مخمورِ ازل، محوِ ابد، مستِ الٰہی
آنکس کہ تجرع کند از جامِ محمدؐ
اے غلامانِ محمدؐ غمِ دوزخ مخورید

صاحبِ کوثر وطوبیٰ ست رسولِ عربیؐ
عرضِ مطلب چہ کنی احمد ازیں بیش خموش
کہ بہ احوال تو داناست رسولِ عربیؐ

اس کے علاوہ مختلف عنوانات کے تحت آپ کے کئی اور رُوح افروز نعوت ہیں، جن کے عنوانات ''عرض حال بعالم حضوری'' ''بعد از عرض حال'' ''مودۂ جانفزا بہ یاران طریق'' ''گوش گزاری شب ہجراں'' اور دیگر نعوت تبریک ہیں جو ذوق مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

''غرفۂ دیدار نبی کا دوسرا حصہ ''جام عرفان'' کے نام سے معنون ہے۔ اس حصے میں مولانا مرحوم کے وہ مناقب شامل ہیں جو آپ نے خلفائے راشدین (چار یاران باصفا) اور اولیائے دین ومحسنان کشمیر کی شانِ عقیدت میں بیان فرمائے ہیں یہ منقبت شریف ۵۵/اشعار پر مشتمل ہے جن میں چار یاران باصفا کے مراتب واوصاف کو فرداً فرداً بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر صرف پانچ اشعار نمونتاً پیش مطالعہ ہیں۔

در ذاتِ چار یار صفاتِ خدا جلی است
برتۂ رواقِ قُرب بہر چار یکدلی است
چوں عین واحد اند، دوو یدن ز احولی است
بعد از رُسل بشان ابوبکرؓ فاضلی است
انوار حق ز چہرۂ فاروقؓ منجلی است
عثمانؓ ذوالحیا شہِ ثالث ز قابلی است

شیر خدائے جان وجہاں فخرِ ہر ولی است
ہر چار از عین علیم وعالی وجلی است
احمد بداں حدیقۂ ایماں چو کشت زار
تخمش بوِ وز حُبّ نبی خاص کرد کار

دوسرا منقبت شریف، منقبت قادریہ کے نام سے معنون ہے، جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شان عظمت میں ہے۔ یہ منقبت، مخمس پیرایہ اظہار میں ہے اور ۲۰ رکے قریب بندوں پر مشتمل ہے اور ہر بند محبت وعقیدت کی خوشبو لئے ہوئے ہے جس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی کمالات دینی خدمات اور باطنی پاکبازی کا ذکر ہے۔ پہلا بند

شکر للہ ہمچو خور شیداست روشن رائے من
چونکہ خاک پاک بغداد است قدر افزائے من
ے رسد از روے عزت بر ثریا پائے من
ہمچو بلبل این نواز سوزِ دل آوائے من
شاہ جیلانؒ پشتِ من ملجاے من ماواے من

تیسرا منقبت، منقبت کبریا کے نام سے معنون ہے اور یہ بھی بانی اسلام در خطہ کشمیر حضرت میر سید علی ہمدانیؒ جن کو اہل کشمیر یا زدہ متبرک ناموں سے پکارتے ہیں کی شان وعظمت میں بیان کیا گیا ہے اور آپ کی آمد اور قدوم لزوم کو، وادی کشمیر میں دین اسلام کی اشاعت کا موجب گرداناہے۔ یہ منقبت بھی مخمس پیرایہ اظہار میں ہے اور ے کے قریب بندوں پر مشتمل ہے۔ مثال کے طور پر یہ بند

آنکہ کشمیر از قدومش قبۂ اسلام شد
دیو شادی، ریوجگی زو علو فرجام شد
حکم او جاری بہ ہدم خانۂ اصنام شد
آنکہ در دین جاری از وے جملگی احکام شد
قطبِ عالم، غوثِ حق، سید علی ثانیؒ است

چوتھا منقبت، منقبت اولیہ کے نام سے معنون ہے جو کشمیر کے روحانی علمبردار شاعر حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کی شان عقیدت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ منقبت ۱۲ بندوں پر مشتمل ہے اور مخمس پیرایہ اظہار لئے ہوئے ہے اور حضرت علمدار کشمیر کے بے مثالی تزکیہ نفس، دعوت دین اور اصلاح احوال کے پیغام کو اجاگر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ دو بند ملاحظہ ہوں۔

آنکہ ترکِ خانہ و فرزند کرد!
نفس از زنجیر فاقہ بند کرد!
جان و دل در ذکر حق خورسند کرد
با خدائے خویشتن پیوند کرد
شیخ نورالدینؒ کہ قطبِ عالم است

شاہ کشمیری غریباں راہم
باشدت فرداہمہ زیر علم
در علمداری شدہ نامت علم
گوید احمد از صداقت دمبدم
شیخ نورالدینؒ کہ قطبِ عالم است

پانچواں منقبت حضرت حسین سمنانی کے نذر عقیدت ہے جو ۱۷ کے قریب اشعار پر مشتمل ہے اور آخر میں چھٹا منقبت سلطانیہ کے نام سے معنون کیا گیا ہے جو حضرت سلطان العارفین کی شان و عظمت میں لکھا گیا ہے۔ یہ منقبت جو مسدس کی صورت میں ہے اور پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ حضرت بابا داوود خاکی کے وردالمریدین کے طور پر لکھا گیا ہے اور اس میں فارسی زبان کے ساتھ کشمیری زبان کی بھی آمیزش پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ پہلا بند۔

پادشاہا ازکرم کرتم نظر دستگیر چھس
از ستم در کنج زندان پاے درزنجیر چھس
خالی از حُسن عمل یژ ووے پُراز تقصیر چھس
چھس یہ غمگین لیک آخر شاد ازیں تقریر چھس
یک نظر برحال زار عاصی بیچارہ کن
زان نظرہاے کہ خاک تیرہ راچوں زرشدہ است

اپنے زادو بوم کے بارے میں مولانا موصوف اپنے ایک فارسی منقبت میں یوں تعارف کراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

احمد ابرام است نامِ من کہ اندر باتہال
شاہ بغداد پادشاہم من غلامِ داغدار
بردرت امیدوارم اوفتادم درویال
برضیفان کن کرم اے صاحب ذوالاقتدار

احمد باتہالی نے اپنی مادری زبان کشمیری میں بھی کم وبیش کلام موزون کیا

ہے۔ جسکا بیشتر حصہ روحانی عقیدت وپاکیزگی کا ترجمان ہے لیکن آپ کا یہ کشمیری کلام بھی مختلف ہاتھوں میں لگ کر تلف ہوگیا ہے آپ کے ایک کشمیری منقبت شریف کے چند اشعار یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں جو آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان توصیف میں رقم کئے ہیں۔

چھس بہ لاچارہ سیٹھا جان وندے پیر یتیم
ہیوں برخاک بے چھم پژھاتھ رحم یا غوث
ونہ کیاہ غم چھ تمس آسہ ژ ہیو پیر یمس
یُس وتان آسہ ہر لحظ دمادم یا غوث

(اے میرے پیرو مُرشد میں خاک میں غلطیدہ ہوگیا ہوں میری رہنمائی فرمایئے۔ جس شخص کو آپ جیسا پاک باز رہنما ہو اس کو کس چیز سے ڈر ہوگا اور جو ہروقت آپ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہوتا ہے)

مولانا احمد باتہالی ۱۳۰۱ء میں واصل بحق ہوگئے۔ اور اپنے ہی آبائی گاؤں میں مدفون ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

☆

اعمٰا عبدالرحیم بانہالی

اعما عبدالرحیم کو پیر پنچال کے اس پار پورے صوبہ جموں کے کشمیری شعری ادب میں ایک اولین پیشرو اور مُعتبر سخنور ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ ایک قادرالکلام خلاق اور ہنرور سخنور ہیں جنھیں زبان و بیان پر پوری گرفت رکھنے اور اعجاز بیانی کا ملکہ حاصل ہے۔ آپ کی شاعرانہ فکر کا دریا اپنے پورے جوش وجلال اور فنی کمال کے ساتھ ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس کے پس منظر میں فکر وبصیرت اور جوش محبت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ آپ کی شعری ترسیل کا لب ولہجہ فطری اور جاذب فکر ہے۔ جس میں آمد ہی آمد، سوز و گداز اور فراق مہجوری کی شرر افروزی پائی جاتی ہے۔ اعما عبدالرحیم برمحل تلمیحات۔ اِستعارات و تشبیہات اور ترکیب سازی کا ایک ایسا ملکہ رکھتا ہے جو آپ کے اسلوب شعر کو ارفع اور معنی آفرین بنا دیتا ہے۔ آپ کے نعت و مناقب میں ایک عجز بیان بندۂ مولا اور صاحب یقین عاشقِ رسولؐ مدحت سرا اور طالب دیدار نظر آتا ہے۔ آپ سے پہلے صوبہ جموں کے کشمیری زبان بولنے والے علاقوں میں کہیں کسی جاندار ادبی روایت کا عندیہ نہیں ملتا البتہ جن پرانے چند کس شعرا کے نام سُننے کو ملتے ہیں اُن

میں پیر ضاالدین کشتواڑی۔ محی الدین محی اور ظریف شاہ پونچھی جیسے نام شامل ہیں لیکن ان کے کلام کے صرف کچھ نمونے یا سینہ بہ سینہ منتقل شدہ اشعار ہی دستیاب ہیں۔ اس لئے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اعما عبدالرحیم صوبہ جموں کی ادبی کہکشاں پر ایک ایسے اولین تابندہ ستارے کی مانند ہیں جو اپنی تخلیقی تمازت اور فنی سحرکاری کا شعلہ فروزاں لئے ہوئے ضَوفگن نظر آتا ہے اور جس کے آس پاس دور دور تک آسمان خالی نظر آتا ہے۔ آپ کے بعد کے کئی سرکردہ شعرا بشمول غلام احمد مہجور نے بھی آپ کے کلام کا استفادہ کیا ہے۔

اعما عبدالرحیم بانہال قصبہ کے متصل یہاں کے ایک گاؤں ناگام میں ۱۸۳۹ میں ایک سفید پوش زمیندار رمضان گنائی کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد وادی کشمیر سے متعلق تھے۔ آپ کا دادا جس کا نام غفار گنائی تھا تقریباً ۱۲۰۰ھ کے دوران کشمیر کے سرل اسلام آباد علاقے سے منتقل ہو کر تلاش روزگار میں یہاں پہنچا اور یہیں پر شادی کر کے سکونت پذیر ہوا۔ یہاں پر اُسے رمضان گنائی نام کا ایک بیٹا تولد ہوا۔ رمضان گنائی کے چار بیٹے ہوئے۔ احد گنائی۔ ریشی۔ امیر اور رحیم گنائی۔ ریشی اور امیر گنائی لاولد فوت ہوئے۔ رحیم گنائی سب سے چھوٹا بیٹا تھا جو آگے چل کر اعما عبدالرحیم کے نام سے شہرت کی بلندیوں کو چھوتا گیا۔ عبدالرحیم جب سن بلوغ کو پہنچا تو اس کی شادی خدیجہ نام کی ایک مقامی لڑکی سے ہوئی جس کے بطن سے زیبہ نام کی صرف ایک دختر پیدا ہوگئی جو بعد میں ڈولیگام کے پچا گوموڑہ میں عزیز گنائی نامی ایک شخص کے ہاں بیاہی گئی جس کے بطن سے فتح، رشید اور حبیب نام کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ احد

گنائی کے بھی تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ثناء اللہ احمد اللہ اور حبیب۔ ثناء اللہ اب فوت ہو چکا ہے اُس کا واحد بیٹا محمد عبداللہ گنائی تخلص بہ شیدا بانہالی بھی کشمیری زبان کا ایک معروف قلمکار ہے جو کچھ عرصہ پہلے ۲۰۰۰ء میں رحلت کر گیا۔ اعما رحیم سے متعلق زیادہ معلومات بہم نہیں ہیں البتہ یہاں کے بزرگوں سے حاصل شدہ کچھ معلومات سننے کو ملتی ہیں۔ اعما عبدالرحیم اپنے نسب نامہ سے متعلق اپنی مثنوی ''گل بدن نونہال'' میں یوں اپنا تعارف کراتے ہیں۔

بسان چھس بانہالے گامہ کے ناو
وناں ناگام چھس تے چھم گنائی کرام

ترجمہ: (میں بانہال علاقہ کے ایک گاؤں میں مسکن پذیر ہوں جس کا نام ناگام ہے اور میں گنائی ذات سے تعلق رکھتا ہوں)۔

کہا جاتا ہے کہ عبدالرحیم اگرچہ ایک متوسط گھر سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ کافی ذہین، حاضر جواب اور خوب صحتمند تھا۔ آپ کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے ایک دینی عالم مولوی رسول شیخ سے حاصل کی اور مروجہ فارسی کتب گلستان، بوستان اور پنج گنج وغیرہ کو اچھی طرح سے پڑھ لیا نیز قرآن پاک کے کچھ پارے بھی حفظ کر لئے۔ اپنے اُستاد گرامی کی فضیلت کے بارے میں وہ یوں بڑے فخر کے ساتھ اظہار سپاس گزاری کرتے ہیں۔

بے ئس اوسم چھُن وستاد ہمراز　　سُہ درعلم وعمل اوس خُوب ممتاز
تمس ناو مولوی عبدالرسول اوس　　بہ درگاہ الٰہی باقبول اوس

چہ دریا فیض تمسند اوس جاری　　بزرگانہ وصف تس اُسی ساری
رٹان دردست یمہ آنہ قلم اوس　　وناں دفتر عطار اویک قلم اوس

ترجمہ: (میرا اُستاد جو میرا محسن وہمراز تھا، امتیازی علم وفضیلت کا حامل تھا۔ اس کا نام عبدالرسول تھا اور بارگاہ الٰہی میں مستجاب الدعوات تھا۔ وہ بزرگانہ اوصاف کا مجسمہ تھے اور اُس کا علمی فیضان دریا کی مانند تھا۔ جب دم تحریر اپنے ہاتھ میں قلم کو تھما دیتا تھا تو عطار جیسے شہرہ آفاق شاعر کا قلم بھی رُک جاتا تھا)۔

عبدالرحیم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ عین عالم شباب میں چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ اُس وقت کی یہ جان لیوا بیماری اگرچہ آپ کی زندگی کا کام تمام نہ کر سکی لیکن آپ کی بصارت چشم کو آپ سے چھین ہی لیا اور آپ کی ظاہری دُنیا اسقدر سمٹ کر رہ گئی جس پر صرف ایک اندھے کی لاٹھی ٹک سکتی تھی۔ دُنیا کی بوقلمونی کا وسیع نگارخانہ آپ کے لئے ایک کنج ظلمت وخلوت بن گیا۔ وہ دوسروں کا دست رفاقت بننے کی بجائے دوسروں کا دست نگر ہو گیا۔ اسطرح سے عبدالرحیم ''اعما عبدالرحیم'' بن گیا۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ وہ کسی حادثے کی وجہ سے روشنی کھو بیٹھا۔ اس واقعہ کے بعد وہ قریباً پچاس برس تک بقید حیات رہا اور اُسے زندگی کے طرح طرح کے آلام ومصائب سے سابقہ رہا۔ چنانچہ قدرت نے اُسے ایک حساس اور زندہ جاوید دل عطا کیا تھا اس لئے اس نے ہار نہ مانی۔ محرومی بصارت کے بعد اُس کے اندر کا شاعر جاگ اُٹھا اور اُس نے اپنی آرزوؤں اور اپنی محرومیوں کو رشتہ شعر میں پرونے کی ٹھان لی۔ اعما عبدالرحیم مشیت ایزدی کے اس فیصلے کے خلاف شکوہ سنج نہیں ہوئے بلکہ رقت انگیز حمد ومناجات اور

مناقب کی صورت میں دربارِالٰہی میں استغفار کناں ہونے لگے۔

رفتہ رفتہ آپ کی شعر گوئی کا چرچہ ہونے لگا اور آپ دلوں کے ترجمان بننے لگے۔ خوش قسمتی سے آپ کو خواجہ عبدالصمد نامی جیسا اپنا ہمسایہ اور ادب نواز سرپرست نصیب ہوا۔ خوجہ صمد جو جوڈ ولیگام کا رہنے والا تھا، جو شخصی دور حکومت میں اُس وقت اس علاقے کا مشیر وزارت تھا اور ڈوگرہ دربار میں رسائی رکھتا تھا۔ وہ ایک درباری شاعر کی طرح اعما عبدالرحیم کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اور ادبی مجالس اور شادیوں کی تقریبات میں بھی اُسے شریک مجالس بناتا رہا۔

اعما عبدالرحیم کی ذہانت وذکاوت اور حاضر جوابی کے کئی واقعات مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن سرینگر کے خواجہ غلام محی الدین گوندرو کی شادیانے کی ایک تقریب میں شریک ہوئے جب چائے نوشی کے لئے دسترخوان بچھا تو چند شریر عناصر نے اعما صاحب کا مذاق اُڑانا چاہا۔ باقی مہمانوں کی پیالیوں میں قہوہ ڈالا گیا اور اعما صاحب کے لئے ایک علیٰحدہ سماوار میں چاولوں کا تیار کیا ہوا شوربہ (ﭼﭻ) ڈالا گیا۔ مہمانوں نے قہوہ ختم کیا لیکن اعما صاحب نے اپنی پیالی کو ہاتھ نہ لگایا۔ مجلس میں کئی لوگوں نے اعما صاحب سے ازراہِ استفسار کہا۔ جناب پیالی کیوں نہیں اُٹھاتے؟ جلدی کیجئے۔ تا کہ حمد پڑھی جائے۔ اعما صاحب نے سنتے ہی ہاتھ اوپر کو اُٹھائے اور باآواز بلند حمد کے کلمات پڑھتے ہوئے کہا ''الحمدللہ آج کتوں کے ساتھ ہم نے بھی ﭼﭻ پی لیا۔ اس پر بھی مہمان ششدرہ اور شرمندہ ہو کر رہے۔ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے اس بات کا علم ہو گیا کہ پیالی میں ﭼﭻ ڈالی گئی ہے تو آپ نے اس سے بڑھ کر طنز آمیز جواب دیا اور کہا!

حضرت عقل تو ہم جیسے ہی خاکساروں کے پاس ہے۔ رہی قسمت کی بات قسمت تو ایک ریچھ کی مانند ہے جو اکثر احمقوں کے شانوں پر ہی بیٹھ جاتا ہے۔ اس طرح سے انہیں پہلے ''کُتے'' اور پھر احمق اور بیوقوف کے نام سے پکار کر اُن سبھوں کی دوہری تذلیل کر دی۔ بعد میں جب اعما صاحب کو اپنے دوستوں نے اپنی جگہ پر حقیقت حال پوچھی تو آپ نے یہ دلیل پیش کی ''قہوہ'' پیالی میں ڈالتے وقت آواز دیتا ہے جبکہ ''ﭼﭻ'' بھاری اور ثقیل ہوتی ہے جسکی وجہ سے آواز نہیں آتی۔ یہ سن کر سب لوگ آپ کی دانائی اور ذہانت کے معترف ہوئے۔

خاص کارنامہ:

محرومی بصارت کے بعد اعما عبدالرحیم نے اپنی محرومیوں اور آرزوؤں کو بالواسطہ طور پر اظہار کی زبان دینا چاہی اور اس طرح سے قریباً بائیس سو اشعار پر مشتمل کشمیری زبان میں ''گلبدن نونہال'' نام سے ایک عشقیہ مثنوی کی صورت میں اپنے داخلی کرب واحوال کو صفحاتِ قرطاس پر بکھیر کر رکھ دیا۔ ''گلبدن نونہال'' نام کی یہ مثنوی بقول اعما صاحب کے اصل میں لکھنو کے کسی غیر آباد نام کے شاعر کی تصنیف ہے جس کو اعما عبدالرحیم نے اپنے خلاق ذہن کی بدولت منتقل کر کے کشمیری لباس سے اس انداز سے مزین کیا کہ ترجمے کو اصل پر فوقیت معلوم ہونے لگتی ہے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب وادی کشمیر میں سوچھ کرال۔ محمود گامی ولی اللہ متو، عبدالاحد ناظم۔ مقبول شاہ کرالہ واری۔ لچھمن جو بلبل، وہاب پرے اور امیر شاہ کریری جیسے سرکردہ شعرا کی شاعری کا شہرہ عروج پر تھا۔ اور ان میں سے کئی ایک نے فارسی اور عربی کی کئی مثنویوں کو کشمیری کا روپ عطا کیا تھا۔ لیکن

اعما عبدالرحیم نے عجمی قصوں کی بجائے ایک ایسے قصے کا انتخاب کیا جس کی اپنی ایک ارضیت تھی۔ اس مثنوی کے بارے میں آپ ہمیں یوں تعارف کراتے ہیں۔

سخن گو نکتہ دانا اکھ ذکی اوس   نزاکت سخ مثل رودکی اوس
مراد اوس تخلص تے علی نام   تے عشقک قصہ کورمت چھ اتمام
سہ ہندی تھ بیوتم کاشُر کرن یام   چھ تھومت رأوین۔تھ گلبدن نام

ترجمہ: (فارسی کے مشہور شاعر رُودکی کے مثل لکھنو کے شہر میں علی نام کا ایک ذکی الطبع سخنور تھا جو مراد تخلص کرتا تھا جس نے گلبدن نام کی یہ عشقیہ داستان رقم کی ہے میں نے اس ہندی قصے کو کشمیری روپ دینے کی ٹھان لی)۔

حسب روایت اس مثنوی کا آغاز اس قصہ کے ایک نثری اختصار سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک مناجات دو نعوت شریف اور منظوم سبب تالیف ہے۔ اور اس کے بعد عشق ومحبت کی یہ داستان مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ایک المیہ انجام تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ قصہ لکھنو شہر کے ایک نواب احمد علی اس کی لڑکی ''گلبدن'' اور اُس کے عاشق ''نونہال'' اور حیدرآباد کے ایک مالدار امیر زادے ''میر باز'' کے گرد گھومتا ہے۔ ''گلبدن'' کی شادی اُس کی مرضی کے خلاف ''میر باز'' سے کی جاتی ہے۔ جو ''نونہال'' کو قتل کر دیتا ہے۔ جس پر ''گلبدن'' بھی خودکشی کر لیتی ہے۔ اور دونوں کو رازداری کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ لیکن بالآخر یہ راز منکشف ہو جاتا ہے اور تابوت کو زمین سے نکالا جاتا ہے۔ تابوت ہوا میں اُڑ کر حیدرآباد سے لکھنو میں اُسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں پر ان

دونوں چاہنے والوں نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد و پیمان کیا ہوتا ہے۔ قارئین محبت کے اس بے لوث واقع کو پڑھکر اشکبار ہونے لگتے ہیں۔

اگرچہ ظاہری طور پر ایک رُومانی قصہ ہے لیکن اعما عبدالرحیم نے اس کا سہارا لیکر۔ اپنی ذاتی محرومیوں۔ زمانے کی بے رُخی۔ سماجی رسوم وقیود۔ ہجر وصل اور زندگی کا ایک گہرا اور سنجیدہ فلسفہ پیش کیا ہے جو آپ کے گہرے مُشاہدے۔ فکر وفلسفہ اور قدرت بیانی کے اعجاز کا مظہر ہے۔ آپ نے اپنے بلیغ استعاراتی نظام۔ برمحل تلمیحات وتشبیہات اور تمثیل در تمثیل بیان سے عشق ومحبت کے ایک جہاں شر انگیز کو تخلیق کیا ہے۔ مثال کے طور پر جب اعما عبدالرحیم ''نونہال اور گلبدن کی ابتدائی ملاقات کا ذکر کرتا ہے تو یوں تمثیل در تمثیل بیان سے کام لیتا ہے:۔

خصوصاً گلبدن کاژ اسپژ شاد   دوپن پیشک چھ ور آفاق اُستاد
وچھتھ فرہاد شیرین شاد مسرور   تلخ کڑ یہ ہؤ دور رچی گیس دُور
تہ عذرا یے گو دیدار وامق   بشادی واژ زنہ در خانہ وامق
تہ ما تاز روپنے ہیی مال   ہویدا ناگ ارزن گوز پاتال

ترجمہ: (جونہی نونہال نے نواب احمد علی کے گھر میں اس کا علاج کرنے کے لئے قدم رکھا تو گلبدن خوشی سے پھولے نہ سما سکی اور کہا کہ یہ واقعی حکیم زمانہ ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ شیرین کو دیکھکر فرہاد تلملا اُٹھا۔ یا عذرا اپنے عاشق وامق کے گوشہ عزلت میں پہنچ گئی۔ یا یوں کہئے کہ ''ہی مال کا چہرہ دمک اُٹھا اور ناگ ارجن پاتال سے نمودار ہوا۔ اور آخر میں جب نونہال کے قتل کے بعد گلبدن

خودکشی کرلیتی ہے تو اعما رحیم اس دلخراش واقعہ کی یُوں تصویر کشی کرتا ہے)۔

بہم پیوستہ تن آں ہر دُو طناز
بخاک وخون سپنُز آغشتہ دمساز
تمن مجروح لاشن دون کئے گو
دوَن کینزون تمن کیاہ کیاہ دُوچھن پیو

ترجمہ: (دونوں جوان صورت بغل گیر ہو کر خاک اور خون میں لت پت ہوگئے۔ دونوں لاشیں باہم پیوست ہوگئیں۔ انہیں زمانے کے ہاتھوں کیا کیا مصائب دیکھنا نہ پڑے)۔

مثنوی ''گلبدن'' کو پیر پنچال کے اس پار صوبہ جموں میں وہی اہمیت حاصل ہے جو وادی کشمیر کے نامور شاعر پیر مقبول شاہ کرالہ واری کی مثنوی ''گل ریز'' کو حاصل ہے۔ اعما عبدالرحیم جب واردات عشق اور حُسن و جمال کی باتیں کرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ پھولوں کی بارش برسا رہے ہیں۔ اور اپنے قاری کو طرح طرح کی خواب گاہوں کی سیر کراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

فارسی اور کشمیری کے علاوہ اعما عبدالرحیم نے ذائقہ بدلنے کے لئے اردو زبان میں بھی اشعار قلمبند کئے ہیں جو آپ کی مثنوی گلبدن میں مناسب موقعوں پر درج کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر گلبدن کے حوالے سے

ہے اس دم در گلستان یار میرا۔ چمن میں خوش خرامان یار میرا
خوشی سے دیکھنے آیا شگوفہ۔ کہ ہے شاداں وخنداں یار میرا
رحیم آشفتہ ہے اُس کے ستم پر۔ دریغا آفتِ جان یار میرا

اسی طرح دوسرا ریختہ یوں دیکھنے کو ملتا ہے جو نونہال کے فرط غم کا عکاس ہے

کیا دردام الفت رام مُجھ کو
پلک میں لے گیا آرام مجھ کو
طرح بُلبل کی میں کرتا ہوں فریاد
نہ دکھلایا رُخ گلفام مجھ کو
کروں کیا جان تڑپتی ہے بدن میں
سدا رکھتا ہے بس ناکام مجھ کو
کرے گا شکوہ یہ اعُمیٰ جگر خون
کبھی لیتا نہیں وہ نام مجھ کو

اپنے اُستاد عبدالرسول شیخ کی رحلت کے بعد اعما دل برداشتہ ہو کر مثنوی کو ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن پھر شاہ آباد ڈورو کے ایک ذیلدار ملک شاہ کامگار کے اصرار پر پھر سے شروع کر کے اسے مکمل کر دیتا ہے۔

سداشتھ ہاتھ گاٹتُو آسی مرقوم
نہ بیلہِ گو زیں جہاں سپدس پہ مغموم
ونے القصہ بیلہِ رودوم نہ دوستاد
پریشان گوس تے ووتس شاہ آباد
ے ہمدردی ملک شاہ کامگارن
کرم تمی نیک خو عالی بتارن
تلطف واریاہ کورنم مدارا
یہ مخفی سوز گوو نیبہ آشکارا

ترجمہ: سترہ سوابیات میں قلمبند کر چکا تھا کہ میرا اُستادِ محترم چل بسا تو میں رنجیدہ خاطر ہو کر زیلدار ملک شاہ کا مگار کے ہاں شاہ آباد پہنچ گیا' وہ میرے ساتھ حُسن مروت سے پیش آیے اور میرا سوز رفتہ پھر سے انگڑائی لینے لگا اور میں نے اس مثنوی کو تکمیل کی منزل تک پہنچایا اعما عبدالرحیم نے اپنے ہم جماعت خواجہ زادوں کو بھی مخاطب کیا ہے اور عید کے ایک موقعہ پر انہیں یوں مبارک باد پیش کی ہے:

مبارک روز عید آمد بفرقت تاج شاہی باد
دو عالم ہر طرف حکم تو از مہ تا بہ ماہی باد
قدت سرسبز بادا ہمچو سرو گلشن خورم
زفیروزی رخت تاباں چو نور صُبحگاہی باد
الٰہی خواجہ سیف الدین بصد عیش وطرب دائیم
عدوئے خواجہ احداللہ بخواری درسیاہی باد

خواجہ سیف الدین اور احداللہ اعما صاحب کے ہم جماعتی اور آپ کے سرپرست ورفیق خواجہ صمد جو کے فرزندان تھے' جن کو آپ نے حسب روایت' عید کی خوشی کے موقعہ پر تہنیت نامہ پیش کیا ہے آپ نے خواجہ صمد جو کے تیسرے فرزند خواجہ غلام مصطفٰے کو بھی فرزند کی پیدائش پر تہنیت نامہ پیش کیا ہے اور کہا ہے۔

زبستان غلام مصطفٰے خوش نو گلے بشگفت
بہ گردش بلبلاں در مدح خوانی کرد تر منقار

(تصنیف رحیم کنائی سال ۱۳۰۶ھ)

کہا جاتا ہے کہ ۱۸۸۹ میں جب سر والٹر لارنس بندوبست کے افسر اعلیٰ کے منصب پر فائیز کر دیے گئے تو ان کا گزر بانہال سے بھی ہو گیا۔ اس وقت اعما صاحب ایک عمر رسیدہ شخص تھے۔ تو اعما صاحب نے بھی اُن کی توصیف میں کچھ اشعار موزون کر کے اُن کی خدمت میں بھیجے تاکہ وہ یہاں کے لوگوں کی اقتصادی حالت کے پیش نظر اُن کے مالیہ وغیرہ میں تخفیف کریں اور انصاف سے کام لیں۔ آپ اُن کی کارکردگی کی یوں سراہنا کرتے ہیں:

الٰہی حاکم ما والٹر سر لارنس دریا دل
ہمیشہ در صف اعدائی شان چوں شیر نر بادا
زجموں تا بہ تبت کس بہ ایں اجلال وتمکین نیست
فلک یاور بکامش ربع مسکون سرش بادا
ایا فیاض حاکم کن رواحاجات محتاجان
زروی جور نام تو درعالم مشتہر بادا
مرتب شد تمامی بندوبست از حُسن تدبیرت
بنامت دائما تحسین از ہر تاجور بادا

اسی طرح سے ڈوگرہ دور حکومت میں جب ایک بار بشمول بانہال وادی میں سخت بارش ہوئی اور سیلاب اُمڈ آئے تو لوگ بُری طرح سے متاثر ہوئے۔ لوگوں کو راحت پہنچانے کی غرض سے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم کے مطابق محکمہ مال کے سنت رام نامی ایک گرداور قانون گو کو بانہال میں بھی نقصان کا تخمینہ لگانے کیلئے بھیجا۔ اس موقعہ پر اعمی عبدالرحیم مذکور گرداور کو یوں ایک منظوم عرضی فارسی

آمیز اُردو میں سیلاب کی تباہ کاری سے متعلق پیش کرتے ہیں اور نابینا ہوکر بھی ایک سماجی ریفارمر کا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نام تو ست رام قانون گو — انتظام تو چوں کنم اظہار
دید تحریر تو دبیر فلک — در جنوں اوفتاد مجنون وار
کیا کروں میں بیان طوفان کا — بر ملک نوح خواند استغفار
ساگ زار و درخت زرد آلو — ہم شجر ہائے گون نہ گوں پُر بہار
نَہ کنال زمین میں آبی — دم میں سیلاب لے گیا یکبار
بوٹہ ہائے کدو و تربوز — گشت شلغم نماند بیخ خیار
شود ارضے بہ تحت من دارو — سر بسر کان سنگ ناہموار
صورت فصل او عریض مرا — ہمہ گی ہست قدر ششن خروار
کن نظر حال بر بزرگی خویش — کس نہ پُر کرد خانۂ سرکار

کہا جاتا ہے کہ نَو کنال زمین کا یہ رقبہ بشمول دیگر شجر ہائے ثمردار آپ کے کنبہ کی مشترک املاک تھی' جو سیلاب کی نذر ہو گئے' اور آپ نے اپنے خاندان کے اس نقصان کی تلافی کے لئے یہ منظوم عرضداشت میں پیش کی۔

زمانے کی ناقدر شناسی کا اظہار آپ کے ہاں یوں دیکھنے کو ملتا ہے

یہ آسمان اوس پتہ وتھ سفلہ پرور
چھ لاغر خر تہ فربہ تگر "خر"
کران باعالماں جاہل جہالت
اُپز وٹی و نی انان چھکھ یژ کہالت

تجی ونہ کیہنہ تہ مُفلس سفلہ زردار
سپنتی لنگی تہ یژہ سلاوسرار

ترجمہ: (زمانہ میں ہمیشہ بیوقوفوں کا بول بالا رہا ہے۔ گھوڑے دن بدن کمزور ہوتے جارہے ہیں اور گدھے طاقتور اور موٹے ہوتے جارہے ہیں۔ ان پڑھ لوگ جھوٹ کے بل بوتے پر پڑھے لکھے لوگوں پر حاوی ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ تجی لوگ' تنگ دست نظر آنے لگے ہیں اور بیوقوف لوگ مالدار بن بیٹھے ہیں۔ لنگڑے اور لولے لوگوں کی رہبری کا دم بھرنے جارہے ہیں۔ صرف کشمیری زبان میں ہی نہیں بلکہ فارسی زبان میں بھی آپ اپنی قدرت بیانی کا سکہ جماتے ہوئے نظر آتے ہیں)۔

اما عبدالرحیم نے اگرچہ ایک عشقیہ مثنوی کا سہارا لیکر' اپنی ذاتی محرومیوں۔ زمانے کی نااستواری سماجی نابرابری' اور واردات عشق ومحبت کے جذبات اور واقعات کو زبان دے کر اپنی جادو بیانی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن' حقیقت میں آپ ایک سچے موحد اور عاشق رسولؐ تھے جس کا اندازہ آپ کے ان نعت ومناجات سے ہوتا ہے جن کو پڑھکر قاری کے دل پر ایک رقت آمیز کیفت طاری ہوجاتی ہے۔ بظاہر آپ ظاہری بصارت سے محروم تھے لیکن آپ کا دل ایک آئین تمثال تھا جو حُب الٰہی اور عشق رسالت مآبؐ سے سرشار تھا۔ آپ جہاں مدینہ طیبہ میں جاکر حضورؐ پر انوار کے روضہ اطہر کی زیارت سے مشرف ہونے کی تمنا کرتے ہیں وہیں اپنی کم مائیگی اور محرومی بصارت کا ذکر کرکے قاری کے دل کے جذبات کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ آپ کے مناجات ونعت کے صرف

چند عطر بیز اشعار سے ہی آپ کے وفورِ عشق کے جذبے کی صداقت، مدحت الٰہی، اتباعِ رسولؐ اور آنجنابؐ کے روضۂ اطہر کے دیدار کی تڑپ کو محسوس کیا جا سکتا ہے:

الٰہی بادتم روے محمدؐ
سراپا سرو دلجوے محمدؐ
وتُو دم از صلواتش دار مسرور
دو چشم از جمالش ساز پُر نور

ترجمہ: (اے خدا مجھے دیدارِ نبیؐ سے مشرف فرما۔ مجھے سراپا عشقِ نبیؐ کا مطیع بنا۔ تا کہ آنجنابؐ پر درود خوانی سے مجھے روحانی آسودگی نصیب ہو اور آنجناب کے دیدار سے میری نابینا آنکھوں میں بصارت لوٹ آئے)۔

تمر از ہجر چھم امگار سینہ
تمنا چھم تتم سوے مدینہ
دعا غس تور کے خوشبو ہیم تا
نتے کانہہ دوستاہ ہمراہ تیم تا؟

ترجمہ: (فراقِ مجبوری میں میرا سینہ چھلنی ہے کہ کب مجھے مدینہ طیبہ کی خاک بوسی کا شرف حاصل ہو۔ کاش اُس ارضِ پاک کی خوشبو میرے دماغ تک پہنچ پاتی۔ یا کوئی ہمدرد دوست مجھے ہاتھ تھام کر وہاں تک پہنچاتا)۔

کسی وقت آپ خود کلامی کرتے ہوئے یوں اپنے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں:

بے آتش موکوہ روز خوش یو دچھے نہ اچھن کاش
ودڑ ہوشہ دلہ کے روشہ گوہ رندانہ موفیس

ترجمہ: (اگر چہ آپ کی آنکھوں میں روشنی نہیں ہے تو پھر بھی اُمید کا دامن نہ چھوڑ۔ بلکہ دل کی روشنی کے سہارے مدینہ کی راہ لے اور اسطرح سے اپنی محرومی بصارت کا بھی شکوہ کر لے)۔

اما عبدالرحیم نے اخلاقیات کے موضوعات کی طرف رہنمائی کرنے کے علاوہ، زندگی کے پورے فکر و فلسفہ کو کھنگال کر رکھ دیا ہے، جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دُنیا کے بے ثباتی کا ذکر کرتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں۔

یہ دُنیا اکھ مسافر خانہ بوزن
مسافر خانہ سے منزکس پُھہ روزن
اوے دوپ سوسَن بروتھے رَم جایے
مزارس منز ژٹم ییمہ دُنیا چھ ماے

ترجمہ: (یہ دُنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ یہاں کس کو ٹھہرنا ہے؟ اس لئے تو نرگس کا پھول بزبان خاموشی کہہ رہا ہے کہ میں نے پہلے ہی دُنیا سے کنارہ کشی کر لی۔ اور قبرستان میں اپنا ٹھکانہ بنا کر دُنیا سے لاتعلقی اختیار کر لی)۔

اما رحیم دبی زبان میں، زمانے کی ناقدر شناسی کا بھی ذکر کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اپنی عالی ظرفی سے بھی دست کش نہیں ہوتے۔ جس کا اندازہ آپ کے ان اشعار سے ہوتا ہے۔

بہ مجبوری یہ افسانا وَنِن پیوم
مگر مُفتی چھنن خون جگر چوم
ندیم از کے انعام چیزے
نہ ہمت کرد کس بریک پشیزے
صرف عشقن مے کرنم دستگیری
اتھے زانہہ تروونس نازانہہ بہ پیری

ترجمہ: (مجھے مجبوراً یہ قصہ بیان کرنا پڑا اور مفت میں اپنے لہو کو نچوڑ کر رکھ دینا پڑا۔ کسی نے میری اس محنت کا کچھ صلہ نہ دیا اور نہ ہی کسی کو مدد کرنے کی توفیق ہوئی۔ البتہ میرے عشق نے میرا ہاتھ پوری طرح سے تھام لیا اور آخری وقت میرا برابر ساتھ دیتا رہا)۔

اکما عبدالرحیم ۱۹۱۴ء میں قریباً پچھتر برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی رحلت کے تقریباً چار برس بعد شیخ غلام محمد نور محمد تاجران کتب سرنگر نے اس مثنوی (گلبدن) کو سٹیم پریس لاہور سے بڑے تختی سائز میں شائع کیا جس پر تاریخ اشاعت ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۸ء درج ہے حسب روایت یہ پرانے کشمیری رسم الخط میں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ شیخ برادران نے اصل مسودہ پیر نورالدین ساکنہ محلہ استان عالیہ مخدوم صاحب سے حاصل کیا تھا جن کی تحویل میں یہ مسودہ محفوظ تھا۔ ۱۹۹۹ء میں پروفیسر مرغوب بانہالی نے اکما عبدالرحیم پر ایک مونوگراف ترتیب دیا جو ریاستی اکادمی نے شائع کیا۔ اسی سال کاشر ادبی مرکز بانہال نے بھی اکما عبدالرحیم کا ''گولاب''

رسالے کا ایک خصوصی شمارہ جاری کیا۔ مرغوب بانہالی صاحب نے مثنوی گل بدن کے نسخے کو نئے رسم الخط میں ڈھالا ہے جو ریاستی کلچرل اکادمی کے زیر اشاعت ہے۔ اکما عبدالرحیم کے مزید کلام کے بارے میں اطلاعات موجود ہیں جس کی بازیابی کی ضرورت ہے۔ اکما مرحوم اپنے ہی آبائی گاؤں ناگام بانہال میں مدفون ہیں۔ ریاستی کلچرل اکادمی نے چند سال قبل آپ کے مقبرہ پر ایک تاریخی کتبہ نصب کی اور آپ کے مقبرہ تک ایک لنک روڈ تعمیر کرنے کی بھی سفارش کی جواب تکمیل کی منزل بھی ہے۔

☆

طاوس بانہالی

طاوؔس بانہالی[1] بانہال علاقے سے متعلق اُردو، کشمیری اور گوجری زبان کے ایک مقتدر ادیب شاعر نقاد اور ترجمہ کار ہونے کے ساتھ ایک پُرکشش براڈ کاسٹر۔ موسیقی کمپیر اور فیچر نویس کی حیثیت سے اپنی ایک خاص شان اور پہچان کے حامل رہے ہیں۔ اسے نیرنگی گردش روزگار، تقدیر کی ستم ظریفی یا آب و دانہ کی کشاکش کہیے کہ یہ طائر خوش الحان نہ جانے کیوں شوقِ پرواز میں حد مختار کو پار کر کے مظفر آباد میں پہنچ گیا اور وہاں پر عبوری آشیانہ بندی کر کے وہیں کا ہو گیا بلکہ زندگی کے آخری ایام میں بے خانمانی کی صبر آزما تلخیوں سے گزر کر فراق مجبوری میں ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔

ایک نیوز براڈ کاسٹر کی حیثیت سے رسول طاوؔس کی بھاری بھرکم اور پُرکشش آواز کافی عرصہ تک ریڈیو تراڑ کھل مظفر آباد کی ایک خاص پہچان بنی رہی اور بعد میں طاوس کی پرواز کے شہپر اور بھی کھل کر اپنی وسعتوں کا احاطہ کرتے گئے اور شہرت کی اونچائیوں کو چھوتے گئے۔ طاوس کے ہر تار نفس میں اپنے علاقے کشمیر کی محبت کے ساز کی جھنکار تھی۔ کشمیر کے تہذیب و تمدن۔ علمی ادبی

---

[1] کاشر شاعری مرتبہ ڈاکٹر یوسف بخاری صفحہ ۳۵۵۔ [2] ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد سعدیہ ثروت۔ صفحہ ۱۲۵۔

اور روحانی عظمت و شائستگی کا احساس، آپسی بھائی چارے، رواداری اور ثقافت و ادب کی خوشبو اور مہک اُس کی روح میں اسطرح سے بسی ہوئی معلوم ہوتی ہے جیسے پھول میں خوشبو۔ ایک نیم کشمیری ماحول میں رہ کر اُس نے نہ صرف اپنی مادری زبان کشمیری کا حق ادا کیا بلکہ ریاست کی سرکاری زبان اردو کو بھی اپنے خون جگر سے آبیاری کرنے کا سہرا حاصل کیا۔ اُردو کشمیری بلکہ گجری شعر و ادب اور انتقادیات کے علاوہ آپ کا خاص کارنامہ وہ تراجم ہیں جو آپ نے کشمیری شاعری کے دو سر برآوردہ اور بانی کار روحانی شعراء یعنی للہ عارفہ کے واکھوں اور حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کے اشلوکوں کو منظوم کشمیری زبان میں کافی محنت اور عرق ریزی سے منتقل کر کے زیب قرطاس کیا ہے۔ جس سے غیر کشمیری طبقوں کو بھی اس مے معرفت سے سرشاری اور روح و قلب کی شادابی کے سامان میسر ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے جے ہنٹن نولز کی ''کشمیری لوک کہانیاں'' نام کی انگریزی کتاب کا بھی کشمیری میں ترجمہ کیا جس سے کشمیری نثر میں ترجمے کی روایت کے ایک خوشگوار باب کا اضافہ ہوتا ہے۔

طاوس بانہالی کا اصلی نام سکول ریکارڈ میں غلام رسول خان درج ہے۔ لیکن آپ اپنے گھر گاؤں اور سکول میں لسہ خان (رسُل کا مُخفف) کے نام سے معروف ہوئے اور بعد میں آگے چل کر طاوؔس بانہالی کے نام سے شہرت کی منزلیں طے کرتے رہے۔

طاوس بانہالی ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو بانہال کے دائیں عقب موضع کسکوٹ

---

[1] کشمیر بالہ اپار۔ مرغوب بانہالی۔

بانڈ بیر کے محلہ خان پور میں خواجہ احد خان کے گھر پیدا ہوئے۔ جو ایک خوش باش اور باثروت زمیندار تھا اور محکمہ ابریشم میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے خدمت انجام دیتا رہا۔ طاؤس اپنے والد کا تیسرا بیٹا تھا اس سے پہلے اُس کے دو بیٹے ہوئے جو یکے بعد دیگرے ڈھائی ڈھائی برس کی عمر کو پہنچ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس کے بعد جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام سرور رکھا گیا۔ سرور مادر آغوش میں ہی تھا کہ ایک مرد فقیر اُن کے گھر میں آ گیا اور اس بچے کا نام غلام رسول تجویز کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے گھر میں لسہ (یعنی غلام رسول کا مخفف) کے نام سے پکارے جانے لگے۔ طاؤس کے ہاں اس بات کا ذکر یوں ملتا ہے ''امی کہتی تھیں کہ میرا نام سرور رکھا گیا لیکن کسی پیر نے عرضیت کے طور پر لسہ اس لئے رکھا کہ لسہ کا مطلب ''زندہ رہو'' کے ہیں ....اور شاید اس دعائیہ نام سے میں طویل عمر پاؤں گا''[1]۔

طاؤس کا والد احد خان پڑھنے لکھنے کی اچھی مہارت رکھتا تھا اور خوش قلم بھی تھا۔ اس طرح سے طاؤس نے ابتدائی عربی اور فارسی تعلیم اپنے ہی گھر میں حاصل کی اور پھر پرائمری جماعت تک اپنے آبائی سکول چاچہال میں حاصل کی۔ یہ مدرسہ بعد میں کسکوٹ میں منتقل ہوا اور اب ایک ہائی سکول بن گیا ہے بقول طاؤس ''میرے والد اپنے خاندان میں پہلے آدمی تھے جنہوں نے باقاعدہ طور پر پرائمری تک تعلیم پائی تھی اور میں نے ابتدا میں فارسی' عربی اور اُردو اُن سے ہی پڑھی''[2]۔ پانچویں جماعت کے بعد آپ کو قصبہ بانہال کے مڈل سکول میں

[1]، [2]۔ ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد سعدیہ ثروت۔

داخل کیا گیا جہاں سے آپ نے مڈل کا امتحان پاس کیا۔

طاؤس کا چہرہ گندمی تھا۔ قد درمیانی اور دُبلا سا تھا۔ آپ بچپن سے ہی خداداد ذہانت کے مالک تھے۔ گانے بجانے اور شعر و سنگیت کی دُھن ہر وقت آپ کے ذہن پر سوار رہتی تھی۔ اپنے کلاس میں اور راستے چلتے سُر ہلاتے اور کچھ گنگناتے اپنے آپ میں مست نظر آتے تھے۔ سکول میں جو کم و بیش ادبی پروگرام ہوتے اُن میں پیش پیش رہتے۔ بقول پروفیسر مرغوب بانہالی ''غلام رسول خان نام کا یہ تیز طرار لڑکا جو مجھ سے چار سال آگے تھا اور آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا' عجیب مخلوق نظر آتا تھا۔ خاص کر جب سکول میں اُس نے اُس ڈرامہ میں مرکزی رول ادا کیا جس میں دو عوامی لیڈر سادھوں کا بھیس بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ یوں مخاطب ہو جاتے تھے[1]۔

جیا جپ میں بھی چپوں تو بھی جپ
یہ تھلی کب تک چلے؟
جب تک چلے تب تک سہی''

اس ڈرامہ میں اپنی اداکاری سے طاؤس نے اپنے اسکول اور علاقے کے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ طاؤس کا والد اپنے بیٹے کو اچھی تعلیم دلانے کا خواہاں تھا۔ اور اُس کے گانے بجانے کے شوق پر اُس کو کوستا رہا کرتا تھا۔ بانہال سے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد طاؤس کو اننت ناگ کشمیر کے حنفیہ سکول میں داخل کرالیا گیا۔ خوش آواز ہونے کے سبب وہ

[1] کشمیر بالہ اپار۔ مرغوب بانہالی۔

سکول میں اپنے دوستوں کا منظورِ نظر بن گیا اور نویں جماعت میں غمگین کے قلمی نام سے فقرے جوڑنے لگا۔ بقول طاؤس ''اسلام آباد میں کچھ ایسی محفلوں میں لطف اندوز ہونے کی سعادت حاصل کی جن میں گل بکاولی کے مصنف لسہ خان فدا۔ حنفیہ سکول کے سخت گیر فارسی اور اردو استاد غلام نبی میر۔ ہیڈ ماسٹر محمد رمضان اور اسلام آباد کی مشہور ادبی اور سیاسی شخصیت غلام محمد زندہ دل جیسی شخصیات موجود ہوا کرتی تھیں''[۱]۔ لیکن اسے سوٗ اتفاق کہیے یا آب ودانہ کی کشاکش کہ طاؤس کا دل اُچاٹ ہونے لگا اور ایک دن بارش والی صبح کو اپنی کتابیں دریائے جہلم میں پھینک کر اپنے ایک ساتھی غلام محمد ڈار کے ہمراہ فرار ہو کر سرحد پار کی راہ اختیار کر کے مارچ ۴۹ء میں مظفر آباد میں پہنچ گیا۔ سرحد کو عبور کرنے کے بعد آپ کو بقول آپ کے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اُس وقت آپ کی عمر سولہ برس کے قریب تھی۔ جیل کا یہ واقعہ بعد میں ایک نظم کی شکل میں آپ کے ہاں یوں ملتا ہے۔

نیا گوتم
میں کپل وستو کا شہزادہ نہیں۔
دردمندی کی ہوئیں نروان کی خواہش
کبھی دل میں سمائی ہی نہیں
میں تو برگد کے تقدس سے بھی تھا نا آشنا
اور آج بھی چھاؤں کی حد تک ہے درختوں سے دوستی

۱۔ نیری پوش کشمیری جریدہ ۲۰۰۳ء مظفر آباد۔

میں اب ایسا طفلِ مکتب ہوں
ذرا سی بھول پر جو سرزنش کے خوف سے
جنگل کی جانب چل پڑے
کیا خبر کوئی منوجی کا کوئی چیلہ ہو
یا پھر چانکیہ جی کا کوئی مخبر ہی ہو
میں امید وبیم کی سرحد سے ہوتے
شاردا کے کھنڈروں تک آ گیا
اور پھر شاردا کے پُل پہ استادہ سپاہی نے کہا
''لومیاں ایک اور جاسوس انڈیا کا آ گیا''
''میں تو جہلم جا کے بھرتی فوج میں ہو جاؤں گا''
''تم جو کشمیری ہو کبڑے خان''
''سپاہی ہنس دیا''
یوں وصالِ شب کا ارماں فراقِ صحبتِ شب بن گیا
اب کوئی منزل کوئی جادہ نہیں
میں کپل وستو کا شہزادہ نہیں۔

چند دنوں کی جانچ کے بعد وہاں سے رہا ہونے کے بعد پاکستان پہنچے۔ اور سوپٹ کولگام اننت ناگ کے ایک مہاجر ادیب ناز کولگامی کے ہاں چھ ماہ تک مقیم رہے، جن کی وساطت سے بقول طاؤس ''۱۹۵۰ء میں ایک عارضی فن کار کی حیثیت سے ریڈیو تراڑکھل میں بھرتی ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں کیجول آرٹسٹ سے

نیوز ٹرانسلیٹر کی حیثیت سے باقاعدہ ملازمت اختیار کی۔ آپ کی پُرکشش آواز اس ادارے کی گویا ایک پہچان بن گئی۔ بقول ڈاکٹر صابر آفاقی ''جب میں نے طاؤس کو ریڈیو پر خبریں پڑھتے سنا مجھے اُس کی آواز میں عجیب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور اس سے ملنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ اور پھر تعارف کے بعد طاؤس نے غنی اور عرفی کے ایسے ایسے اشعار سنائے کہ میں اُن کی فارسی دانی اور حافظے پر ششدر ہو کر رہ گیا''[1]۔ آپ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک ریڈیو تراڑ کھل اور اسلام آباد کے شعبہ خبر سے وابستہ رہے۔ بقول آپ کے ''ریڈیو پر میں خبریں اس لئے پڑھتا ہوں کہ بانہال سرینگر میں بیٹھی ہوئی میری ماں میری آواز سنتی ہوگی اور اب اُس کے اور میرے درمیان صرف آواز کا رشتہ رہ گیا ہے۔ میری آواز کو سن کر اُسے یہ پتہ چلتا ہے کہ میرا بیٹا زندہ ہے۔ مگر میرا دکھ یہ ہے کہ میں اُس کی آواز بھی نہیں سُن سکتا''[2]۔ بعد میں طاؤس نے وہاں اردو میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۱؍ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بقول آپ کے آپ کی شادی وہاں ارشاد عرف شائستہ نام کی ایک لڑکی سے ہوئی جس کا والد بھی دراصل سرینگر کا رہنے والا تھا اور ہجرت کر کے وہاں جا چکا تھا۔ آپ کے ہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ نومبر ۱۹۹۳ کو آپ ریڈیو کی ملازمت سے بقول آپ کے گریڈ ۱۸ افسر کے طور پر ریٹائر ہوئے ۲۰ ستمبر ۲۰۰۰ء کو آپ چھیاسٹھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے اور وہیں پر مدفون ہوئے۔ اپنی ادبی خدامات کے عوض حکومت مظفرآباد نے آپ کو صدارتی ایوارڈ اور حُسن کارکردگی کے ایوارڈ سے بھی نوازا[3]۔ سرحد کے دونوں جانب کے ادیبوں

۱۔۲۔ نیوز پوش کشمیری جریدہ ۲۰۰۳ء۔ ۳۔ طاؤس بانہالی کی ادبی شروعات۔ گلشن آراء

نے آپ کی ادبی خدمات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ طاؤس کا خاص کارنامہ کشمیری زبان کے دو سربرآوردہ روحانی علمبردار صوفی شعرا یعنی للہ عارفہ (۱۳۳۵_۱۴۰۰) اور حضرت شیخ العالم (۱۳۷۷_۱۴۳۸) کے کلام کا منظوم اُردو ترجمہ ہے۔ پہلا ترجمہ آپ نے حضرت شیخ العالمؒ کے تقریباً ۱۲۱۶ اشلوکوں کا منظوم اردو ترجمہ ''ریشی نامہ'' کے عنوان سے کیا ہے اور ترجمہ سے پہلے ''پہلی بات'' عنوان کے تحت حضرت شیخؒ کی حیات مبارکہ اور روحانی کمالات سے متعلق ایک مبسوط تعارف نامہ سپردِ قلم کیا ہے۔ جسے پاکستان کے لوک ورثہ قومی ادارے نے ۱۹۸۰ میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ آپ کا دوسرا ترجمہ لل دید کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے جس میں آپ نے تقریباً ۲۳۵ واکھوں کا ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ سے قبل تقریباً چار ابواب پر مشتمل لل عارفہ کی حیات۔ اس کے شیب و شباب اور روحانی کمالات کے حوالے سے نظر افروز تبصرہ رقم کیا ہے۔ طاؤس بانہالی نے انگریزی ادیب جے ہنٹن نولز کی Folk Tales of Kashmir نام کی انگریزی کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ کیا جو دو حصوں میں شائع ہوا ہے۔ پہلے حصے میں ستائیس کے قریب کہانیاں ہیں اور دوسرے حصے میں تتالیس کے قریب کہانیاں ہیں۔ جن میں کشمیری تہذیب و تمدن۔ اور کشمیریوں کی ذہانت اور دانشمندی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ان تراجم سے آپ نے نثر میں اردو ترجمے کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ ترجمہ بہت ہی سلیس اور کامیاب ترجمے ہیں۔

یہ تراجم بھی پاکستان کے لوک ورثہ ادارے نے اہتمام کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ یاد رہے کہ جے ہنٹن نولز نے ۱۸۸۰ء میں سرینگر میں CME سکول کی بنیاد

ذالی جو آج میلفسن سکول کے نام سے مشہور ہے۔ طاؤس کا باقی ماندہ پورا خاندان بانہال میں موجود ہے آپ کا برادر خلف غلام محمد خان۔ دلفگار بھی صاحب تصنیف شاعر ہے جو محکمہ تعلیم میں بحیثیت اُستاد کے خدمات انجام دیتا رہا اور چند برس قبل اب ریٹائر ہوا ہے۔ طاؤس بانہالی نے اُردو اور کشمیری زبان میں بھی کلام موزون کیا ہے جس کی اشاعت کرنا ابھی باقی ہے۔ طاؤس کے کلام کے کچھ نمونے:

راہ و رسم کہن کی بات چلی　　قیس اور کوہ کن کی بات چلی
یاد آکر رہے وہ دیوانے　　جب بھی دار ورسن کی بات چلی
جلتی یادوں کی جگمگاہٹ ہے　　ہاں کہیں انجمن کی بات چلی
کنجِ غربت میں یوں رہے طاؤس　　دھڑکنوں سے وطن کی بات چلی

وونڈ ژول سونتہ آو پھلی پوش چمنے　　چھم کو سنے کراو
برجستہ پھلیا کُجو باد منے　　چھم کو سنے کراو
بُلبُل پوشہ نول، وُشتھ برمہ نے　　پوشن ہند پاراو
گُل انارس پوش چھنہ ہمنے　　چھم کو سنے کراو
طاؤس وولنکھ کر بیچ و خمنے　　وُنونے افسانہ تراو
سونجو ترانہ پُرکر عالمنے　　چھم کو سنے کراو

ترجمہ: (زمستان کا موسم چلا گیا اور موسم بہار آ گیا۔ پھول باغوں میں کھلنے لگے۔ اور مجھے کو سم کے تر و تازہ پھولوں کے کھلنے کی خوشی حاصل ہے۔ بادام کے درختوں کی شاخیں برجستہ طور پر کھل اٹھی ہیں۔ بُلبُل کے نغموں پر پپیہا رشک

کر رہا ہے اور پھول محوِ آرائش حُسن ہیں۔ گُلِ انار مستِ شباب ہے۔ اور مجھے کے اِن تر و تازہ پھولوں کے کھلنے کی خوشی حاصل ہے۔ اے طاؤس! تم کس اُلجھن میں گھر گئے۔ خیالی باتیں کہنا چھوڑ دوے۔ پوری دُنیا کے ساتھ موسم بہار کے نغموں کے ساتھ ہمنوا ہو جا)۔

اردو نثر میں ہمٹن لوڑی انگریزی کہانیوں کے علاوہ طاؤس کے انگریزی مکاتیب بھی اعلیٰ نثر کا نمونہ ہیں جو آپ نے اپنے دوستوں اور اپنے عزیز و اقارب کے نام لکھے ہیں جن میں آپ کی اختراعی اُپج اور اسلوب نگارش کے منفرد اسلوب کو دیکھا جا سکتا ہے۔

منظوم ترجمہ: کلام شیخ العالم

اَکے خدا ناو تِمِس لچھا　　لاکھوں نام اور ایک ہے داتا
ذکر رُوس اکھ کچھا مو　　ذکر سے خالی نہیں، تنکا
عمر وِندن اَکے پچھا　　عمر کا چاند ایک پندرھواڑہ
رزق رُوس اکھ مچھا مو　　رزق تو مچھ کو بھی ملا ہے

آوُنہ کرتھ پاپن کرِشی　　عہد جوانی میں جی بھر کے پاپ کمائے
بُڈتھ دیوتھ رِشی ناو　　اور بڑھاپے میں آ کر ریشی کہلائے
تسبیح گُئی تُنگس ھشی　　یہ تسبیح تمہارے ہاتھ میں ناگن ہے
یہ چان نماز کشی باو　　اور نماز تمہاری بھلا کس کھاتے جائے
پوز دیاں چَھن زن ملکھ　　سچ بولو تو تھر تھر کانپو

اپڑ دیاں گی زس	جھوٹ مزے لے کر بولو
محمد خراوتھ ابلیس رنکھ	چھوڑ نبیؐ ابلیس کے ہولو
خدائے دیوتوی کھلکھ کس	دیکھ رہا ہے رب سے ڈرو

پانے پیج تے پانے قصاب	آپ ذبح اور آپ قصائی
پانے پانس یواں گراکھ	آپ ہی اپنا گاہک بھی
پانے پانس ہنواں حساب	اپنا حساب بھی آپ چکائے
پانے مارتے پانے شراکھ	آپ ہی گوشت اور آپ چھری

حضرتِ محمدؐ دیہ سَند پیارو	پیارے نبیؐ اللہ کے دلارے
دِمہ دِمہ جبرائیل یار تِس	جن کے جلو میں رہے جبریلؑ
تمی دِیلہِ سکھر گُرت توت پارو	وہ جو رجیل ہوئے تو پیارے
دیھ تہ بابہ دُنیا سورچھ کس	فانی دنیا کی ہے دلیل

دی ڈیوتھم شبنم پیواں	پل بھر میں شبنم کے موتی
دی ڈیوتھم پیڑاں سُور	پل میں پوہ کا پالا تھا
دی ڈیوتھم کہ پچھ یواں	پل میں اماوس رات اندھیری
دی ڈیوتھم پھولہ وِن نُور	پل میں نُور کا ہالا تھا
دی ڈیتھم وِزوُٹی نجی	پل مین رستے بستے گھر کے

دی ڈیوتھم ذہ ننہ ساس	چولہے ٹھنڈے پڑے ملے
دی ڈیتھم پانڈو ماجی	ابھی جو پانڈو ماتا تھی اب
دی ڈیتھم کُراجی ماس	اُسے کمہارن بھی کہیے

ڈور ے ژام لالہ امبارس	میری پونجی میرے موتی ایسے چور کے ہاتھ لگے
نختہ نیوُم بوکہ کیاہ دوژھے	جس نے مٹھیاں بھر بھر دونوں ہاتھوں خرنے لوٹ لئے
مُہتھ ژولُم وِوڈ کوت لارس	لوٹ چلا بٹ مار تو اب میں کہاں کروں اُس کا پیچھا
یارس وزیم اند مزارس وونوی	قبرستان کی تنہائی میں یار کو دیکھنے آ جانا

علمک آگر کلمک معنی	کلمہ علم کا منبع ٹھہرا ہو نگے وہی افعال بھی پاک
گریہ ہُند آگر مینی کھین	جن کا منبع نفس ہی کہیے یعنی نپی تلی خوراک
شینیک آگر پانے زانے	شنیا یعنی فنا کا منبع لا فانی کو ہے معلوم
سَندرک آگرلیِس ندزخین	اور سمندر کا منبع ہے ایک تسلسل کا ادراک

قرآن پران کوُو مُودگھ	کیا ہو جو قرآن کی تلاوت
قرآن پران گوُے تو سوُز	تُم جی جان سے کرپاتے
قرآن پران زندہ کیتھ زُودکھ	کورے کے کورے ہی رہے
قرآن پران زوو منصور	منصور جو ہوتے مرجاتے
لا الہ الا اللہ صحی کوُرم	میں نے پڑھا توحید کا کلمہ

وَتی گرم پٔنن پان	میں نے پایا رازِ حیات
وجُودِ اندرے موجود میولم	موجود اُس کو وجود میں پایا
ہَر موکھ وُچھم پٔنن پان	ہر سُو دیکھا جلوہ ذات

نمونہ منظوم ترجمہ للہ عارفہ

آمہ پَنہٕ سۆدرس ناوِ چھس لمان	کھینچ رہی ہوں بیچ سمندر کچے دھاگے سے کشتی
کتہٕ بوزِ دے میون مے تہٕ دیہ تار	کاش خدا میری بھی سُن لے پار اُتارے مجھ کو بھی
آمین ناکین پوٚنی زَن شمان	مٹی کے کچے برتن سے رِستے ہوئے پانی کی طرح
زوٗ چھم بٔرمان گرٕ ھ ہا گار	خواہش کی بوندیں رہ جائیں حسرت ہے گھر جانے کی

آئس وَتے گییس نہ وَتے	میں جس عام ڈگر سے آئی پھر اُس سے واپس نہ گئی
سمن سوتھ منز لوٚسُم دوہ	گھاٹ تک آنے سے پہلے ہی ڈوب گیا دن شام ہوئی
چندس وُچھم تہٕ ہار نہ آتے	گھبرا کر جو جیب میں دیکھا دام و درم کچھ پاس نہیں
ناوِ تارس دِمہٕ کیا بو	کشتی میں کیوں کر بیٹھوں گی کس صورت پار اتروں گی؟

آئس کُنہٕ دشہٕ تہٕ کُنہٕ وَتے	کس جانب سے آئی ہوں کس راہ سے جانا ہے مجھ کو

گژھ کُنہٕ دشہٕ کو زانہٕ وَتھ	کچھ بھی نہیں معلوم اسے کاش اس رمز سے آگاہی ہو
اَنِتہٕ دٲے لگیے تَتھے	آخری پل بھی بھید کھلے تو سمجھوں گی انجام بخیر
چھٹیس پھوکس کانژھہ تہٕ نو ستھ	ورنہ سانس کی قیمت کیا ہے صرف سانسیں گنتے رہو

اچھ مبا تراون خربا	کھلا نہ ہرگز اس کو چھوڑو نفس کو قابو میں رکھو
لوٚبہ ہتھٕ کونگ وار کھینی	غارت کر دے گا یہ گدھا لوگوں کی کیسر کیاری کو
یتہٕ گٔس یا داری تھربا	کوئی نہیں ہوگا جو تمہارا جرم وہاں لے اپنے سر
یتہٕ تٔمس کرتل ہینی	تیغ جہاں اوپر ہو برہنہ جسم تمہارا نیچے ہو

شو چھے تھلہٕ تھلہٕ روزان	وہ جو شو ہے ذات احد ہے اُس کا جلوہ ہے ہرجا
مو زان ہیوند تہٕ مسلمان	قید نہیں مذہب کی اس میں ہندو اور مسلماں کیا
ترٛکَس اَے چھکھ تہٕ پان پرزناو	تجھ میں اگر ہے فہم فراست اپنے وجود کا کھوج لگا
سوے چھے صاحبس زٲنی زان	اپنے آپ کو جو پہچانا صاحب کو پہچان لیا

صاحب چھ ہتھ پانہ وکانس	مالک خود بیٹھا ہے مسند پر اور سب اُسکے بندے
ساری منگان کینہ تہٕ دیو	دُکان کے آگے سوچیں بن مانگے ہی داتا دے
روٹ نو کانہٕ ہند رأچھو ونس	سب کے ارادے روشن اس پر لیکن مالک کیسے کہے
یہ ژٔنے گوچھی تہٕ پانے نیہ	کس نے تم کو منع کیا ہے؟ کود لے لو جو جی چاہے
کھینہٕ کھین کران گن تو وانکھ	افراط اس کی روگ ہے اور تفریط میں کبر کا اندیشہ

نہ کھنبہ کوھکھ اہنکاری	ایک توازن قائم رکھو تم کھانے پینے میں سدا
سوئے کھٹے مالہ سوئے آسکھ	متوازن خوراک سے پیدا ہوگا توازن تم میں بھی
سی کھمبہ مڑرنے برہمن تاری	اس کی برکت ہے تم پر کھل جائے گا ہر دروازہ

گاتلاواکھ وچھم وچہ بیٹھو مراں	میں نے ایک سیانے نرجن کو بھوکوں مرتے دیکھا
پترن ہراں پہنہ واولہ	جیسے پتے جھاڑ رہی ہو سرما کی یخ بستہ ہوا
فیش بوداکھ وچھم وارس ماراں	پیٹ رہا تھا اپنے باورچی کو ایک وحشی احمق
تنہ لل بو پراراں ژھنیم ناپرا او	تب سے سوچ رہی ہوں اس ناہموار جہاں میں کیا رہنا

گورن وو تم گنے وژن	میرے مرشد نے فرمایا مجھ سے صرف یہی کلمہ
منبہ وو نم اندر اژن	تن کو چھوڑ کے من میں سما جا باہر سے اندر آ جا
سے گوللہ مے واکھ تہ وژن	یہ کلمہ پھر میری شاعری وا کیہ اور اشلوک بنا
تو ے مے ہیو تم ننگے نژن	اس کلمے کے کارن میں نے عریاں ہو کر رقص کیا

گورس پرژھام ساسہ لٹے	میں نے ہزار بار مرشد سے اس کا نام بتا دیجیے
یس نہ کینہہ وناں تس کیاہ ناو	جس کا بیان ہی ناممکن ہے اس ہستی کو کیا کہیے
پرژھاں پرژھاں تھچس تہ لوسس	کہہ کہہ کر تھک ہار گئی میں میرے کہے پر چپ نہ کھا
کینہہ تس نشہ کیاہ نام وژاو	اسی نہ کہنے میں پوشیدہ سارے بھید تھے کہنے کے

زندگی کے آخری ایام میں طاوس کی بینائی کمزور ہوگئی اور صحت گرتی رہی۔

ملازمت سے سبکدوشی کے بعد پہلے کراچی میں مقیم رہے اور بعد میں اسلام آباد چلے آئے۔ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۰ء میں رحلت کر گئے اور پاکستان اسلام آباد کے ایک قبرستان میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆

پروفیسر مرغوب بانہالی

پروفیسر مرغوب بانہالی کی شخصیت ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ ریاست کے ایک نامور اور مرغوب فکر شاعر ہونے کے علاوہ ایک مُقتدر ادیب مُعلم زبان۔ محقق، ناقد ترجمہ کار اور اقبال شناس ہونے کے حوالے سے ایک خاص شان ادب کے حامل ہیں جن کی ادبی خدمات تقریباً چار دہائیوں سے زیادہ عرصے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آپ صوبہ جموں سے تعلق رکھنے والے تاحال پہلے کشمیری شاعر ہیں جنہیں قومی سطح پر اپنی شعری خدمات کے عوض ساہتیہ اکادمی کے اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو ادبی خدمات کے عوض صدارتی ایوارڈ کے علاوہ ریاستی کلچر اکادمی اور مختلف رضا کار ادبی تنظیموں کی جانب سے بھی اعزازوانعامات سے نوازا گیا ہے۔ مرغوب بانہالی ایک مثبت فکری روے کے ترجمان اور منفرد اسلوب نگارش کے حامل ہیں۔ آپ نئی حیثیت سے آراستہ ایک بسیار نویس اور ہمہ جہت قلم کار ہیں اور اردو کشمیری اور انگریزی زبان پر بھی پوری دسترس رکھتے ہیں جس کا اندازہ آپ کی تین درجن کے قریب تصنیفات اور تالیفات اور اُن سینکڑوں تحقیقی اور تنقیدی مضامین سے لگایا جا سکتا ہے جن کی ادبی اہمیت مُسلم ہے۔ آپ جہاں ایک اعلیٰ پایہ کے قادر الکلام اور مرغوب فکر شاعر ہیں' وہیں آپ ایک دیدہ ریز محقق' بے لاگ اور بے باک ناقد'

ہنرور ترجمہ کار معلم زبان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فعال صدر شعبہ بھی رہ چکے ہیں۔ مرغوب بانہالی نے ایک سکول مدرس سے اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کیا اور ترقی پا کر یونیورسٹی کی سطح تک پہنچ کر ایک معلم اور صدر شعبہ کی حیثیت سے ہزاروں طلبا اور درجنوں ریسرچ اسکالروں کو مستفید کیا اس کے علاوہ آپ یونیورسٹی اور یونیورسٹی سے باہر کئی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں' رضا کار ادبی تنظیموں کی رُکنیت اور اعزازی عہدوں پر بھی فائز رہے جن میں کشمیر یونیورسٹی۔ یونین پبلک سروس کمشن۔ ریاستی پبلک سروس کمیشن اور ریاستی کلچرل اکادمی اور ساہتیہ اکادمی جیسے ادارے شامل ہیں۔ برف جیسے سفید بال۔ سلیقہ دار داڑھی۔ بھرپور قد وقامت اور گہری آنکھیں رکھنے والے مرغوب صاحب آج بھی تقریباً پچہتر برس کی عمر میں انہماک کے ساتھ زبان وادب کی خدمت بجالانے میں ہمہ وقت مصروف نظر آتے ہیں۔ رسا جاودانی لٹریری سوسائٹی جموں نے ''مرغوب شناسی'' کے حوالے سے آپ کا ایک خاص نمبر شایع کیا۔ اس کے علاوہ جموں یونیورسٹی کے ہی ایک اُردو اسکالر شبیر احمد بٹ نے ''پروفیسر مرغوب بانہالی کی اُردو ادبی خدمات'' پر ایم۔فل کیلئے ایک مقالہ تحریر کیا کشمیر یونیورسٹی کے ایک اور اسکالر پیر نصیر احمد نے پروفیسر مرغوب بانہالی بحیثیت اقبال شناس'' کے حوالے سے ایم۔فل کیلئے ایک مقالہ تحریر کیا اس کے علاوہ شہزادہ رفیق کی ادارت میں نکلنے والا ''ثقافت'' کا ستمبر ۲۰۱۲ء کا خاص شمارہ پروفیسر مرغوب بانہالی نمبر سے شائع کیا جا رہا ہے۔ پیر پنجال کے اس پار کا شمار ادبی مرکز بانہال کی جانب سے بھی اس مرکز کے ترجمان کشمیری جریدہ ''گولاب'' کا رواں شمارہ ''مرغوب

بانہالی کے خاص نمبر کے طور پر زیر ترتیب ہے۔ ریاست کے معتبر ادیبوں اور ناقدین فن نے آپ کی شخصیت' فکر وفن اور ادبی خدمات کے حوالے سے مضامین تحریر کئے ہیں۔

مرغوب بانہالی جن کا پورا نام خواجہ غلام محمد گیری ہے' ۵ مارچ ۱۹۳۷ء کو بانہال علاقہ کے موضع بنکوٹ میں خواجہ اسد اللہ جو گیری کے ہاں ایک صاحب ثروت خاندان میں پیدا ہوئے۔ تجارت اور کاروبار اس خاندان کا ایک آبائی اور امتیازی پیشہ رہا ہے۔ لڑکپن میں ہی آپ اپنے والدین کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ آپ آٹھ سال کی عمر میں تھے کہ آپ کی والدہ اور چودہ سال کی عمر میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا اسطرح سے آپ کو چھوٹی عمر میں ہی اپنی گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالنا پڑا اور اپنے ایک چھوٹے بھائی اور بہن کی نگہداشت کرنا پڑی۔ اس دوران آپ کو اپنی شفیق نانی کی نگرانی حاصل رہی جو ایک نیک دل خاتون تھیں۔ ۱۹۵۴ء میں آپ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں مدرس تعینات ہوئے اور یہاں کے دور پار پہاڑی علاقوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اسی دوران آپ کی شادی اسی گاؤں کے ایک فاضل اُستاد الحاج مولوی غلام احمد کی دختر سے ہوگئی جو ایک سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ اُستاد موصوف آپ کیلئے ایک بے لوث رفاقت وشفقت کا موجب بن گئے۔ علمی اور دینی روایات کی تربیت آپ کے خاندان کا خاصہ تھا۔ آپ کا نانا الحاج خواجہ حبیب اللہ جو گیری ایک انتہائی عبادت گذار اور فارسی دان شخصیت تھا۔ معلمی کا پیشہ اختیار کرنے کے بعد آپ ڈپلوما ان ٹیچنگ کی پیشہ وارنہ تربیت کے لئے بھدرواہ

کے بی۔ ٹی سکول میں چلے گئے۔ آپ کافی محنتی تھے۔ تربیتی ڈپلوما کے فوراً بعد منشی فاضل کا امتحان پہلی پوزیشن میں پاس کیا۔ اُسوقت بی۔ ٹی سکول بھدرواہ کے ہیڈ ماسٹر مرحوم خواجہ غلام رسول آزاد تھے جو ایک نامور اُستاد اور ماہر تعلیم تھے۔ اور بعد میں ریاستی سطح کے ناظم اعلیٰ تعلیمات کی حیثیت سے سبکدوش ہوگئے۔ آزاد صاحب کی نگاہ انتخاب سے مرغوب صاحب کو بہت حوصلہ ملا اور آپ کی فکر کے اور بھی جواہر کھل اُٹھے۔ اسی دوران آپ کی ملاقات ریاست کے نامور شاعر رسا جاودانی کے ساتھ بھی ہوتی رہی جو اسوقت بھدرواہ کے ہائی اسکول میں فارسی کے اُستاد کی حیثیت سے تعینات تھے اُن کی اس صحبت وقربت سے آپ کی فنی کاوشوں کو اور بھی تقویت اور تحریک مل گئی اور آپ کو قلمی اعتماد پیدا ہوگیا رسا جاودانی خود بھی آپ کی شاعری کو پسند کرتے رہے۔

اسی دوران آزاد صاحب اور خواجہ عبدالعزیز بٹ (سابقہ رجسٹرار جامعہ کشمیر) کو ریاستی سرکار نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر انگلستان بھیجا۔ اُن کی روانگی پر بھدرواہ میں ایک پُر وقار تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقعہ پر مرغوب صاحب نے آزاد صاحب کو ایک منظوم خراج پیش کیا جس کا مطلع یوں ہے۔

اے مسافر خوب چانس لولہ سفرس اُستن
چانہ جتین ملک کشیرس خدا گژھ کاستن

ترجمہ (اے مسافر! آپ کو اشتیاق علم کا سفر مبارک ہو۔ خدا کرے کہ آپ کشمیر میں جہالت کی تاریکی کو مٹانے کا موجب بن جائیں) اٹھارہ سالہ مرغوب کے ان پُرکشش اشعار نے سامعین کا دل جیت لیا۔ آپ نے نالۂ یتیم کے نام

سے ابتدا میں ایک اثر آفرین نظم لکھی جو بہت مقبول ہوگئی۔ اسطرح سے آپ نے سترہ برس کی عمر میں اپنی شعر گوئی کا آغاز کیا۔ تقریباً بائیس برس کی عمر میں آپ نے ایک پرائیوٹ امیدوار کی حیثیت سے ایف۔اے اور بی۔اے کی ڈگری کی اور محکمہ کی طرف سے پھر بی۔ایڈ کی پیشہ ورانہ ڈگری کے لئے جموں چلے گئے۔ تربیت سے فارغ ہوتے ہی کشمیر یونیورسٹی سے فارسی زبان میں ایم۔اے کی ڈگری پہلی پوزیشن کے ساتھ پاس کی۔ اس کے بعد آپ ترقی پا کر ہیڈ ماسٹر بن گئے اور گول گلاب گڑھ کے جالمان ہائی اسکول میں تعینات ہوئے اور کچھ عرصہ بعد بانہال کے نہار ہائی سکول میں تعینات ہوئے۔ ایک سال بعد یہاں سے آپ تحصیل ایجوکیشن آفسر تعینات ہوئے اور تحصیل رام بن کے وسیع پہاڑی علاقے میں تعینات ہوئے' لیکن علم وادب کی تشنگی آپ کا دامن نہ چھوڑ سکی' اور تقریباً پندرہ سال تک ایجوکیشن محکمہ کے ساتھ وابستہ رہنے کے بعد آپ ۱۹۶۹ء میں بتیس برس کی عمر میں کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں لیکچرار کے عہدہ کے لئے منتخب ہوئے۔ آپ نے "کشمیر میں شمیری دور میں فارسی زبان وادب" کے حوالے سے (۱۳۳۹۔۱۵۵۵) کے فارسی ادب پاروں کا ایک جائیزہ لیکر کشمیر کی تین سوسالہ ثقافتی تاریخ کو تقریباً چھ سو صفحات میں قلمبند کرکے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اس شعبہ کی پندرہ سالہ تاریخ میں پہلے۔ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر ہوئے۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا جس کی نسبت علامہ اقبال نے اپنے وقت میں یہاں کے ادیبوں خاصکر غلام احمد مہجور کو بھی قلم اٹھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مرغوب صاحب نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس موضوع کو پایہ تکمیل

تک پہنچایا۔ شعبہ فارسی میں ڈاکٹر شمس الدین احمد۔ صدر شعبہ پروفیسر رحمان راہی اور کاشی ناتھ پنڈتا جیسے ادیب اور شعراء آپ کے رفقائے کار ہے۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کا پہلا کشمیری مجموعہ کلام "پرتوستان" کے نام سے شائع ہوا جسے ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی' اور اسے ایک نمائندہ تخلیق کے طور پر ۱۹۷۷ء میں ریاستی کلچرل اکادمی نے اور بعد ازاں ۱۹۷۹ء میں ساہتیہ اکادمی دہلی نے قومی اعزاز سے نوازا۔ ۱۹۷۸ء میں آپ نے ریاستی کلچرل اکادمی کے توسط فارسی زبان کی مشہور اساطیری تصنیف "کلیلہ دمنہ" کو کشمیری زبان میں منتقل کرکے کشمیری زبان کے نثری ادب میں ایک گرانقدر اضافہ کیا۔ تقریباً ۵۹۵ صفحات پر مشتمل اس تصنیف کی کہانیوں کو عالمی سطح پر مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ شعبہ فارسی میں تقریباً دس سال تک کام کرنے کے بعد آپ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ سنٹرل ایشین اسٹیڈیز میں ریڈر تعینات ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں آپ نے کشمیری زبان کے رسم الخط اور املا کے حوالے سے ایک نئی حکمت عملی کا خاکہ وضع کیا جس کی رو سے بیشتر عربی اور فارسی الفاظ کشمیری رسم الخط میں اپنی اصل صورت میں قائم رہ سکتے ہیں اور اصوات کو ظاہر کرنے کیلئے آپ نے مختلف اعراب تجویز کئے۔ اور ٹائپ کی سہولت کے لئے ایک (Key- Board) کا خاکہ بھی دیا۔ یہ معرکتہ الاراء تصنیف مرغوب تھیوری (Margoob Theory) کے نام سے سینٹرل ایشین اسٹڈیز کی وساطت سے شائع ہوئی اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر وحید الدین ملک اور سینٹرل ایشین اسٹیڈیز کے ناظم اعلیٰ سید مقبول احمد نے اس تھوری کی افادیت

سے تقاریر قلمبند کیے۔

یہ کتاب انگریزی زبان میں شائع ہوئی جو آپ کی انگریزی زبان پر مہارت تامہ کی مُظہر ہے۔

بقول ڈاکٹر نذیر احمد سربراہ شعبہ لسانیات جامعہ کشمیر "مرغوب تھیوری اولین کتاب ہے، جسمیں پہلی بار (میری دانست میں) کشمیری زبان کے رسم الخط اور املا کے بارے میں سنجیدگی سے توجہ دی گئی ہے اور جسمیں کشمیری املا کی معیار بندی اور اس میں روا املائی انتشار کو دور کرنے کی خاطر اہم تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں آپ نے "کشیر بالہ اپار" کے عنوان سے صوبہ جموں میں کشمیری زبان ثقافت وکلچر کے حوالے سے ایک معلوماتی اور تحقیقی مقالہ قلمبند کیا جو متعلقہ یونیورسٹی کے شعبہ کشمیری کے توسط سے شائع ہوا۔ علاوہ ازیں آپ نے عبدالرحیم اعتبا بانہالی۔ رسا جاودانی، کامگار کشتواڑی اور ولی اللہ متو جیسے سرکردہ ادیبوں اور شعراء سے متعلق مونوگراف ترتیب دئے اور ان کی خدمات کو منظر عام پر لایا اس کے علاوہ عالمی شہرت یافتہ ادیبوں۔ غالب۔ قاضی نذرالاسلام اور سروجنی نائیڈو جیسے قلمکاروں پر لکھے گئے سرکردہ ادیبوں کے تحریر کردہ مونوگرافوں کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ تمام مونوگراف ساہتیہ اکادمی دہلی کی وساطت سے اشاعت پذیر ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں مرغوب صاحب کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ کشمیری کے صدر شعبہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ جہاں آپ تقریباً گیارہ برس تک بحسن وخوبی اس شعبہ میں تدریسی اور انتظامی فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ کی نگرانی میں شعبہ کشمیری کے مجلّہ "انہار" کے موقر اور معیاری

شمارے شائع ہوتے رہے۔ جن میں شیخ العالم نمبر سر جارج گریرسن نمبر۔ محمود گامی نمبر لوک ادب نمبر نعتیہ ادب نمبر اور مشرقی جمالیات نمبر جیسے شمارے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ کی سربراہی کے دوران اس شعبہ سے جن اسکالروں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی اُن میں سینئر اساتذہ۔ ڈاکٹر شفیع شوق، ڈاکٹر رشید نازکی اور اس کے علاوہ شاد رمضان۔ مجروح رشید اور رتن لال تلاشی جیسے معروف قلمکاروں کے علاوہ درجنوں اسکالر شامل ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں آپ اس شعبہ سے باعزت طور پر تقریباً گیارہ برس تک خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہوگئے اور اس سے قبل تقریباً اٹھارہ برس تک اس یونیورسٹی میں یکسوئی کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی شاعری کا دوسرا مجموعہ "تجلستان" کے نام سے شائع ہوا جو آپ کی قادرالکلامی اور سنجیدہ فکر وبصیرت کا ترجمان اور آئینہ دار ہے۔ اس مجموعہ شعر میں جہاں آپ نے عصری آشوب، کشمیر کی سیاسی روئیداد کی سرگزشت کو ایک اشاراتی اظہار عطا کیا ہے وہیں آپ نے اسلامی فکر وفلسفہ کی ارتفاعیت ہمہ گیریت اور وحدانیت کا درس اخلاق بھی پیش کیا ہے۔ اس مجموعہ شعر کو کشمیری تمثیلی ادب کا ایک امتیازی کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ "دید ماں" کے نام سے آپ کا تیسرا کشمیری مجموعہ کلام شائع ہوا ہے۔[۱] مرغوب بانہالی کی دیگر تصنیفات وتالیفات میں۔ کشمیر شناسی۔ قدیم کاشر اخلاقیات مرغوب اور "رمہ ریشن آیے" جیسی معیاری تصنیفات وتالیفات شامل ہیں۔

مرغوب بانہالی اور اقبالیات:

یوں تو مرغوب بانہالی صاحب کی پوری شاعری پر علامہ اقبال کی گہری چھاپ نظر آتی ہے جسکا اظہار آپ کے کلام میں ہر جگہ موجود نظر آتا ہے۔

لیکن اقبالیات کے حوالے سے آپ کی دو اہم تصنیفات منصب شہود پر آئی ہیں جن میں ''آدم گری اقبال'' اور ''کلام اقبال کے روحانی اور فکری سرچشمے'' شامل ہیں۔ ہر دو کتب کی اقبال شناسوں کے ہاں کافی پذیرائی اور تحسین حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ''بیادِ امین'' اور ''خزینہ امین'' کے عنوان سے ایک عاشق اقبال کی پچیس سالہ زیر مطالعہ رہی تصنیفات کی روشنی اُن کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے احمد عبدالرحیم بانہالی کی کشمیری مثنوی ''گلبدن نونہال'' کو مروجہ جدید رسم الخط میں تحریر کر کے مرتب کیا ہے جو ریاستی کلچرل اکادمی کی جانب سے زیر اشاعت ہے۔ مرغوب بانہالی کو ادبی خدمات کے عوض قومی اور ریاستی سطح کے اعزازات کے علاوہ مختلف سرکاری اور رضاکار ادبی تنظیموں کی جانب سے بھی اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۹۹ء میں آپ کو رسا جاودانی لٹریری سوسائٹی جموں کی جانب سے اعزاز اور خلعت پیش کیا گیا' ۲۰۰۴ء میں ادبی مرکز کمراز کی جانب سے خلعتِ حقی اور اس کے دو سال بعد جموں وکشمیر یتیم ٹرسٹ کی طرف سے ٹاک زینہ گیری میموریل ایوارڈ دیا گیا۔ ۲۰۰۷ء میں آپ کو سٹیٹ لٹریری ایوارڈ اور ۲۰۰۸ء میں غالب لٹریری ایوارڈ اور اسی سال فارسی ادب کی خدمت کے تیئں صدارتی ایوارڈ اور توصیفی سند سے نوازا گیا۔ مرغوب بانہالی تین درجن کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی شاعری فکر وفن اور ادبی خدمات سے متعلق ریاست کے سرکردہ ادیبوں اور

قائدین فن کے تاثرات اور تجزیات موجود ہیں جن میں آپ کے رفعتِ تخیل ریاض وانہماک اور فکر وفن کی سراہنا کی گئی ہے:

''مرغوب صاحب اتنی کامرانیاں حاصل کرنے کے بعد بھی اسوقت جوش عمل اور ہوش فن کی جولانیوں سے سرشار ہیں اُن کی فضیلتوں میں ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ وہ کشمیر کے شاندار ماضی سے متعلق ایک درجہ اول کے گنجینہ مسودات کے مالک ہیں جن میں بہت سے گوہر یک دانہ کی حیثیت رکھتے ہیں''۔ (محمد یوسف ٹینگ)

مرغوب صاحب ایک پہلو دار اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کو فارسی اردو اور کشمیری جیسی زبانوں پر کامل عبور حاصل ہے۔ آپ اعلیٰ پایہ کے شاعر۔ عالم۔ محقق اور مترجم ثابت ہوگئے ہیں۔ آپ نے کشمیری زبان وادب پر سینکڑوں مقالے تحریر کئے ہیں (ڈاکٹر بشر بشیر)

''مرغوب کو زبان سازی کے اعتبار سے نہایت ہی کارگر ہتھیار نصیب ہوا ہے۔ وہ ہے بڑے پیمانے کی آپ کی زبان دانی۔ آپ زبان کا استعاراتی استعمال کرتے ہیں اور نئے نئے استعارات وتشبیہات تخلیق کرنے میں زبردست مہارت رکھتے ہیں (جدید کاشر شاعری۔ پروفیسر حامدی کاشمیری)

''مرغوب کی شاعری کا اہم اور خصوصی پہلو یہ ہے کہ وہ عشق اور ذات کے روایتی موضوعات میں مقید نہیں ہیں بلکہ وہ شاعری میں اپنے فکری عنصر کو عصری آشوب اور آگہی کو پیش کرنے کے لئے برتتے ہیں۔۔۔ نرالے پیکر اور حسین استعارات مرغوب کی شاعری کو ایک منفرد مقام بخشتے ہیں۔

(کاشر ادبک تواریخ۔ ڈاکٹر شفیع شوق)

مرغوب بانہالی کا کشمیری کلام پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایک نئی اور اخلاقی فکر کے ساتھ ساتھ ایک ضابطہ بند اسلوب نگارش پایا جاتا ہے۔

زبان و ادب اور تحقیق و تنقید کے حوالے سے مرغوب بانہالی کے سینکڑوں مضامین مؤقر ادبی جرائید کی زینت بن چکے ہیں جن کو ابھی تک یکجا نہیں کیا جا سکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ یونیورسٹی اور یونیورسٹی سے باہر کئی اداروں اور رضا کار انجمنوں کی سرپرستی اور رکنیت سے وابستہ رہے۔

مرغوب صاحب کا بڑا فرزند ڈاکٹر مشتاق مرغوب' ریاست کا ایک نامور معالج ماہر نفسیات اور میڈیکل کالج سرینگر کے شعبہ امراض دماغ کا صدر شعبہ ہے اور آپ کا دوسرا بیٹا ڈاکٹر امتیاز مرتضٰی۔ اگریکلچر یونیورسٹی کشمیر میں ایک معروف پروفیسر ہے۔ آپ کی دو صاحبزادیاں شعبہ تعلیم میں لیکچرار ہیں۔

مرغوب بانہالی اردو میں بھی فکر شعر کرتے رہے اور آپ کا یہ کلام حال ہی میں ''چراغاں'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ آپ پچھتر برس کی عمر میں آج بھی بڑی دیدہ ریزی اور سنجیدگی سے ادب کی خدمت بجالانے میں صدق دلی کے ساتھ مصروف ہیں۔

متاعِ ناز ہے مرغوب کو وہ جذبۂ صادق
کہ جس کی ضو سے اس نے کُنجِ غم کو پُر ضیا رکھا

عبدالحی خاکی:

۱۔ عبدالرحیم اعما۔ مونوگراف۔ مرغوب بانہالی ۲۲۔

عبدالحی خاکی ۷ اپریل ۱۹۲۳ء میں بانہال کے موضع کسکوٹ میں مولوی عبدالحلیم کے گھر تولد ہوئے جو ایک دیندار عالم تھے۔ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد عبدالحی محکمہ عدالت میں محرر کی اسامی پر تعینات ہوئے اور ۱۹۷۹ء میں بحیثیت ناظر اس محکمہ سے سبکدوش ہوئے۔ عبدالحی کو ابتدا سے ہی شعر گوئی کا شغف حاصل تھا اور خاکی تخلص اختیار کر کے فقرے جوڑنے لگے۔ آپ ایک شریف نفس اور فراخ دل شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی شعر گوئی کا آغاز نعت و مناقب سے شروع کیا اور بعد ازاں قطعات و غزلیات میں بھی طبع آزمائی کرتے گئے ۱۹۶۰ء میں ''سوزِ دل'' کے نام سے اپنے کلام کا ایک مختصر سا گلدستہ شائع کیا۔ جو اعما عبدالرحیم کی مثنوی ''گلبدن'' کے بعد یہاں کی دوسری شائع شدہ تخلیق ہے۔ آپ کے کلام میں عشق و محبت اور روحانی کشش کا سوز و گداز پایا جاتا ہے۔

نفع کیا آس حاصل ہے اوٗس سمسارس
وفا یتہٕ کیا کرس بو ہے چھُس مجبور ٹٕھی یے
زٕتھو خاکی ندامت وٕنان یارس ہے اُلفت
دتم درشُن گوٚھیم ستھ ہے چھُس رنجور ٹٕھی یے

ترجمہ: (مجھے دُنیا میں لا کر اُسے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ میں ایفائے عہد کیسے کر سکتا ہوں۔ کیونکہ میں مجبوریوں کے انبار تلے دبا ہوا ہوں۔ خاکی اپنے دوست سے بصد عجز و ندامت اُسے شرف دیدار سے مستفید کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ تا کہ اُس کی نا اُمیدی کا ازالہ ہو جائے اور وہ اُمید کے ساتھ جی

سکے)۔

خاکی ۱۴ر اگست ۱۹۸۵ء کو رحلت کر گئے۔ وہ کاشر ادبی مرکز کی ادبی نشستوں میں بھی شرکت کرتے تھے اور اپنا کلام سُناتے تھے۔ جو وہ شائع نہ کر سکے۔

پیر سلام الدین سلام

پیر سلام الدین سلام ۲۱ر اپریل ۱۹۴۹ء کو بانہال کے موضع ڈولیگام میں مولوی عبداللہ شاہ کے گھر پیدا ہوئے جہاں پر عربی اور فارسی کا ایک دینی ماحول تھا۔ اقتصادی لحاظ سے حالات زیادہ بہتر نہ ہونے کے باوجود بھی آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ ایک ذہین الطبع طالب علم تھے۔ مرغوب بانہالی صاحب کے بھی ہم سبق رہے تھے۔ میٹرک کے بعد محکمہ تعلیم میں اُستاد تعینات ہوئے اور پرائیوٹ طور ایم۔اے اور بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۷۱ء میں اردو میں لیکچرار تعینات ہوئے اور ۱۹۹۸ء میں بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ سلام صاحب راقم الحروف کے بھی اُستاد رہ چکے ہیں۔ آپ کو فہمِ شعر کا پورا شعور تھا اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ ۲۰۰۹ء میں ''وونزِ'' یعنے (ذہنی اُپج) کے عنوان سے آپ کا ایک مختصر سا کشمیری مجموعہ شعر، آپ کے فرزندان کی مساعی جمیلہ سے آپ کی رحلت کے بعد شائع ہوا جس کی تالیف و تدوین میں عبدالمجید برگامی صاحب کا بھی تعاون حاصل رہا ہے۔ اس مجموعہ شعر میں آپ کے برادرزاد پیر نجم الدین ایڈوکیٹ اور آپ کے فرزند گوہر نعیم کے تاثرات کے علاوہ کئی اور دوستوں کی آرا بھی شامل ہیں۔ سلام صاحب کے کلام میں ایک شستہ روایت اور

روانی پائی جاتی ہے۔ اگر آپ زیادہ محنت کرتے تو ایک اچھے شاعر شمار ہوتے۔ آپ ایک بے باک اور ہمدرد اُستاد کی حیثیت سے ہر دل عزیز تھے۔ اپنے دل کی بات یوں کہہ دیتے ہیں۔

بتھس اندر رنگؠ آس جان آسان   دلس مژرت یمس انسان آسان

ترجمہ: (جس کا اندر کا انسان، اچھا ہوتا ہے یعنے جس کا ضمیر پاک ہوتا ہے، اُس کے چہرے پر ایمان کا نور جھلکتا ہے)

سلام صاحب ۲۰۰۶ء میں زیارت بیت اللہ سے فیضیاب ہوئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد عبداللہ شیدا

محمد عبداللہ شیدا ۱۱ اگست ۱۹۳۴ء میں بانہال کے ناگام گاؤں میں ایک محنتی اور نیک شخص ثناء اللہ کنائی کے ہاں تولد ہوئے۔ آپ صوبہ جموں کے اولین اور سرکردہ صاحب تصنیف کشمیری شاعر، امّا عبدالرحیم کے پوتے اور ورثا میں سے تھے اور علم و ادب کا ایک گرانقدر توارث رکھتے تھے۔ آپ اپنے والد کے واحد فرزند تھے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد پولیس محکمہ میں بھرتی ہوئے۔ لیکن اکلوتا فرزند ہونے کے سبب آپ کا دادا اُنہیں گھر سے دور رکھنا نہیں چاہتے تھے اور تقریباً ایک سال کے بعد اُنہیں یہ نوکری چھوڑنا پڑی اور کچھ عرصہ بعد محکمہ تعلیم میں بحیثیت اُستاد تعینات ہوئے۔ پرائیوٹ طور پر کشمیر یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۸۹ء میں بحیثیت سینئر ٹیچر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ کشمیری شاعری کی مختلف اصناف میں قلم آزمائی کرتے تھے۔ آپ

کاشُر ادبی مرکز کے ابتدائی اراکین میں شامل تھے۔ اخلاق ومحبت آپ کی شاعری کے خاص موضوعات ہیں۔

شیداؔ محبت زانہہ نو پرانے زوروبچھ ازلے لون
گوما قوبو چانہِ تہٕ سانے تہٕ زانہِ میونئے پان

ترجمہ: (شیداؔ! عشق ومحبت کا سلسلہ دُنیا میں ہمیشہ جاری وساری رہے گا جس کیلئے مقدر کا بھی ساتھ چاہیے کیونکہ بسا اوقات محبت کرنے والے تقدیر کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تقدیر کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ یہ بات مجھ سے پوچھئے)۔

شیداؔ بانہالی ۳۱ راگست ۲۰۰۶ء میں اچانک بیمار ہو کر رحلت کر گئے کاشُر مرکز نے گولاب جریدے کا ایک جزوی نمبر آپ کی یاد میں نکالا۔ ریاستی کلچرل اکیڈمی نے آپ کے مقبرے پر ایک کتبہ بھی نصب کیا۔ آپ کا کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے اور اشاعت طلب ہے۔

یہاں کے قلم کاروں میں اور بھی بہت سارے نام شامل ہیں جن میں، رحمت اللہ رحمتؔ، رندؔ شمس، غلام محمد دلفگارؔ، منشورؔ بانہالی، عبدالاحد مسرورؔ، غلام حسن حسنؔ، غلام نبی شاکرؔ، مضروب بانہالی، غلام نبی طاہرؔ، غلام رسول جوادؔ، عبدالوحید وحیدؔ، امینؔ بانہالی، وزیر محمد مشتاقؔ، شوکت شیداؔ، وسیم سیف اللہ، شبیر حسین شبیرؔ، مجید بانہالی، ڈاکٹر خالد رسول، ندیمؔ آسی، بہار احمد بہارؔ، محمد اشرف گوہرؔ، شمس مجرورؔ، محمد اسلم میرؔ، وغیرہ بزرگ اور نو آموز نام شامل ہیں۔ چنانچہ یہ سب نام ابھی اپنی کاوشوں کے مراحل سے گزر رہے ہیں اسی لئے ان کے

بارے میں انتظار زمانی کے بعد ہی آگے مناسب موقعے پر بات کی جاسکتی ہے۔ تاہم ان میں سے جن چند کس اصحاب قلم کی کم وبیش نگارشات، اشاعت پذیر ہوئی ہیں وہ بذیل ہیں۔

رندؔ شمس:

پورا نام خواجہ شمس الدین وانی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں بانہال کے موزہ رٹو میں تولد ہوئے۔ مڈل اور منشی عالم تک پڑھے ہوئے ہیں۔ زندگی کے مختلف نشیب و فراز کا تجربہ رکھتے ہیں۔ ابتدا میں دُکانداری اور ٹھیکیداری کا کام کیا اور اب قصبہ میں دھان کی مشین کے ایک چھوٹے موٹے کارخانے کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک صاحب ثروت اور معتبر شخص ہیں اور آج تک تین بار زیارت بیت اللہ شریف سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

رندؔ شمس صاحب کو کافی دیر کے بعد شعر گوئی کا شغف پیدا ہوا۔ "گلدستہ رندؔ شمس" "چند نامہ شمس اور" "پرتو خیال" "گلزار مدینہ" "دردِ جگر" "برگ گل" آپ کے کلام کے مجموعے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابچے ہیں۔ آپ کے کلام میں اگر چہ فنی اعتبار سے ڈھیلا پن بھی ہے لیکن آپ اپنے تجربے اور اخلاق و اصلاح کی بات کہہ دیتے ہیں، جو بہت ہی غنیمت ہے۔ رند صاحب کے گھر میں سیاست کا ماحول موجود ہے اور ادب کے ساتھ آپ کا لگاؤ آپ کی ذاتی دلچسپی اور علم دوستی کا نتیجہ ہے۔ ۸۱ برس کی عمر میں آج بھی آپ باقاعدگی کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔ نیک کاموں میں کھلے دل سے مدد کرتے ہیں۔

رحمت اللہ رحمت:

رحمت بانہالی ۶ رنومبر ۱۹۴۰ء میں بانہال کے لابر گاؤں میں تولد ہوئے۔ میٹرک کے بعد محکمہ ایکسائز میں تعینات ہوئے اور کچھ عرصہ قبل بحیثیت انسپکٹر اس محکمہ سے سبکدوش ہوئے۔ آپ ایک دیندار اور صالح فکر شخصیت کے مالک ہیں۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر گوئی کا شوق رکھتے تھے۔ آپ کے کلام میں انسانی محبت رواداری اور اخلاقی قدروں کا جذبہ موجزن ہے۔ پہلے اردو میں قلم آزمائی کرنے لگے اور حال ہی کشمیری زبان کی طرف بھی راغب ہوگئے۔ ''اسرار رحمت'' اور'' آثار رحمت'' کے نام سے آپ کشمیری اور اردو نعتیہ کلام کے دو چھوٹے مجموعے حال ہی میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایک منجھے ہوئے اور صالح فکر قلم کار ہیں۔ فروغ اردو جموں کے ایک سرگرم رکن بھی ہیں۔

منشور بانہالی:

پورا نام عبدالغنی تخلص منشور ۴ رجنوری ۱۹۴۸ء کو بانہال کے موضع بنکوٹ میں خواجہ غلام رسول گیری کے ہاں تولد ہوئے جو ایک دیندار اور صالح شخص تھے۔ آپ معلمی کے پیشہ سے وابستہ رہے اور جنوری ۲۰۰۶ء میں بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ اردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں قلم آزمائی کرتے ہیں۔ تحقیق تاریخ تنقید اور شعر گوئی آپ کا مشغلہ ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف ابھی تک منظر عام پر آئی ہیں۔

۱۔ ہوکر صوبس منز کاشر زبان وادبک تواریخ (کشمیری)

۲۔ تحسین جعفری (اردو)

۳۔ طاوس بانہالی حیات اور ادبی خدمات (اردو)

۴۔ رابندر ناتھ کا بال ساہتیہ۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی بنگالی تخلیقات کا کشمیری روپ (زیر اشاعت)

۵۔ بانہال۔ گیٹ وے آف کشمیر (زیر اشاعت)

غلام محمد دلفگار بانہالی:

طاوس بانہالی کے برادر اصغر غلام محمد خان دلفگار۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں بانہال کے موضع کسکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ہائیر سکنڈری کور کے بعد پہلے سوشل ایجوکیشن میں اور پھر سکول ایجوکیشن میں معلمی کے پیشہ سے وابستہ ہوکر ۲۰۰۳ء میں سنئیر ٹیچر کے طور پر ریٹائیر ہوئے۔ آپ کا کشمیری شعری مجموعہ ''ہی ٹورڈ'' کے نام سے ۲۰۱۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے کلام میں عشق ومحبت اور روحانی فکر کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ غزل گوئی آپ کا خاص مشغلہ ہے۔ آپ ایک خوش نوا گلوکار بھی رہے ہیں۔

غلام حسن حسن:

حسن بانہالی ۱۹۴۸ء میں بانہال کے ناگام گاؤں میں غلام محمد کمار کے ہاں تولد ہوئے۔ گیارہویں جماعت پاس کرنے کے بعد معلمی کے پیشہ سے وابستہ ہوئے اور پرائیویٹ طور پر پولیٹیکل سائنس اور کشمیری میں ایم اے کے علاوہ بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۰۰۸ء میں بحیثیت لیکچرار سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ قلم کاری اور شعر گوئی آپ کا من پسند شغف رہا۔ آپ کا کشمیری

مجموعہ شعر "نورِ تہہ سروز" کے نام سے حال ہی میں ۲۰۱۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے کلام میں عشق و محبت کی ایک دلسوز تڑپ، قدروں کی پاسداری اور سماجی ناہمواری سے متعلق شکوہ آمیزی کے اشارے بھی پائے جاتے ہیں۔

امین بانہالی:

امین بانہالی ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء میں قصبہ بانہال میں پیدا ہوئے اور یہیں پر پروان چڑھے۔ امین کے والد تقسیم ملک کے دوران جموں سے آکر یہاں مقیم ہوگئے۔ آپ کا والد چوہدری فضل الدین یہاں پر دکانداری کا کام کرتا رہا۔ ہائیر سکنڈری الیکو کا امتحان پاس کرنے کے بعد امین محکمہ شیپ میں بھرتی ہوا اور پھر ترقی پاکر کلرک کی اسامی پر بعد میں ریٹائیر ہوا۔ امین بانہالی بچپن سے ہی ایک ذہین اور حاضر جواب طالب علم تھا البتہ بینائی کے لحاظ سے موروثی طور پر کمزور تھا، جس کے سبب کتاب کو بہت نزدیک رکھ کر مطالعہ کرلیتا تھا۔ طالب علمی کے دوران میں امین ایک مزاحیہ اسٹیج آرٹسٹ تھا اور اردو، پنجابی، ڈوگری، گوجری اور کشمیری زبانوں میں بولنے اور شعر گوئی کی صلاحیت رکھتا تھا۔ آگے چل کر آپ نے اردو شعر گوئی کو اپنا خاص مشغلہ بنایا اور اپنی بسیار گوئی کے جواہر دکھائے، آپ ایک پختہ فکر اور ماہر الکلام شاعر ہیں اور آپ کا بہت سارا کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ چند سال قبل جموں کے ایک ممتاز ادیب اور شاعر امین بنجارا نے امین بانہالی کے اردو کلام کا ایک انتخاب "اندھیروں کا مسافر" کے نام سے ترتیب دے کر کے شائع کیا جس کی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوگئی۔ آپ نے ڈوگری اور پنجابی زبانوں میں بھی کلام موزون کیا ہے، جس کی ادبی وقعت کا

ان زبانوں کے سرکردہ ادیبوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ امین بانہالی نے بھیڑ بکریوں کی افزائش اور اہمیت سے متعلق ایک منظوم کتابچہ لکھا جسکو اس محکمہ نے اپنے خرچہ پر شائع کرکے تقسیم کیا۔ آپ جموں کی اردو ادبی تنظیموں کے ساتھ ایک فعال رکن کی حیثیت سے وابستہ رہے ہیں اور فروغ اردو جیسی تنظیم کے اعزازی صدر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کا بہت سارا اردو کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے، جس کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ اور ادبی محسنوں کی دست تعاون کا منتظر ہے۔ آپ کو مختلف ادبی اسناد اور اعزاز بھی ملے ہیں۔

غلام نبی ظاہر بانہالی:

غلام نبی ظاہر بانہال کے لامبر گاؤں سے متعلق ہے۔ ۱۹۶۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد پشو پالن محکمہ میں اسٹاک اسسٹنٹ تعینات ہوئے اور پرائیویٹ طور پر ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ ظاہر کو علم و ادب کا اچھا شغف حاصل ہے، "پوشہ برات" اور "تارکھ ب" کے نام سے آپ کے دو کشمیری شعری مجموعوں کے علاوہ "برم چاکی" اور "سونہ ہندی دوز" کے عنوان سے آپ کی کشمیری کہانیوں کے دو مجموعے بھی شائع ہوئے۔ ظاہر بانہالی پیر پنچال ادبی فورم کے توسط سے "آبشار" نام کا ایک کشمیری جریدہ بھی گاہے گاہے جاری کرتے ہیں اور اس کے مدیر بھی ہیں۔ آپ کے کلام میں عشق و محبت اور رواداری کے جذبات کی ترجمانی پائی جاتی ہے۔

عبدالحمید مضروب:

یہاں کے دینی عالم مولوی رسول شیخ کے ورثا میں سے ہیں جو ڈولیگام بانہال سے متعلق تھے۔ مضروب کشمیر کے ایک اُبھرتے قلم کار کے ساتھ ساتھ ایک پُرسوز گلوکار بھی ہیں۔ چلنت موسیقی میں مہارت رکھتے ہیں۔ محکمہ فوڈ سپلائز میں تعینات ہیں اور ریڈیو کشمیر کے ایک کیجول آرٹسٹ ہیں۔

ارشاد علی ارشاد:

ارشاد علی بانہال کے دور اُفتادہ مہو سے تعلق ہیں۔ گریجویشن کے بعد آپ اپنے ہی علاقے میں اُستاد کے طور پر تعینات ہوئے۔ آپ کے گھر میں ایک دینی اور علمی ماحول رہا ہے اور آپ کے برادر اکبر مولوی محمد شعبان صاحب تصنیف دینی عالم تھے۔ ارشاد علی کو بھی شعر گوئی کا ذوق حاصل ہے۔ حال ہی میں آپ نے سورۃ الرحمٰن کی منظوم ترجمانی کے حوالے سے کشمیری زبان میں ایک گلدستہ شائع کیا ہے۔ جو اس علاقے سے کشمیری شعر ادب کی پہلی کاوش ہے اور ایک بہت اچھی کوشش ہے۔ آپ کا سفر جاری رہا تو آپ میں ایک اچھے شاعر کے امکانات موجود ہیں۔ حال ہی میں عربی کے سکول لیکچرار کے طور پر ترقی پائی ہے۔

☆

ادبی انجمنیں

(کاشُر ادبی مرکز بانہال)

بانہال میں سب سے پہلی ادبی تنظیم ۱۹۷۲ء "بزم ادب بانہال" کے نام سے وجود میں آئی جو کافی عرصہ تک کشمیر کلچرل آرگنائزیشن کے ساتھ منسلک رہی۔ منشور بانہالی اس تنظیم کے بانی کار ہیں۔ مرحوم غلام رسول شاہین تقریباً دس برس تک اس کے اعزازی صدر رہے۔ محمد عبداللہ شیدا اور غلام محمد دلفگار نائب صدر اور ابتدائی رکن رہے۔ بعد میں یہ تنظیم "کاشُر ادبی مرکز بانہال" کے نام سے رجسٹرڈ ہوئی اور اس کی مجلس عاملہ اور ممبران کا ایک وسیع دائرہ بن گیا۔ منشور بانہالی اس کے صدر منتخب ہوئے اور بانہال کے تقریباً سبھی قلم کار اس کے رکن بن گئے۔ مرحوم محمد عبداللہ شیدا، دلفگار بانہالی، غلام حسن حسن، عبدالاحد مسرور، غلام نبی شاکر، مصروب بانہالی، غلام نبی ظاہر وغیرہ مجلس عاملہ کے خاص عہدہ دار قرار پائے۔ کاشُر مرکز کی جانب سے "سولاب" نام کا ایک کشمیری جریدہ جاری کیا جاتا ہے۔ اس تنظیم کو اپنی نمایاں کارکردگی کی بنا پر ادبی مرکز کمراز کی جانب سے ۲۰۱۰ء میں "خلعت حنفی" کے اعزاز سے بھی نوازا گیا ہے۔

پیرپنچال ادبی فورم:

کاشر ادبی مرکز کے بعد یہ دوسری تنظیم ہے جو" کاشر مرکز" کے بعد تشکیل پائی۔ ظاہر بانہالی جو کاشر مرکز کے ہی ایک ممبر تھے اس کے بانی کار اور صدر ہیں۔ "آبشار" اس تنظیم کا ترجمان رسالہ ہے۔

اس کے علاوہ یہاں پر تو تشکیل شدہ چند اور بھی تنظیمیں ہیں جن میں اسما عبدالرحیم فاونڈیشن، تحریک بقائے اُردو، مرکز علم وادب ناگام۔ جیسی تنظیمیں ہیں۔ ڈاکٹر خالد رسول، شبیر حسین شبیر۔ بہار احمد بہار، جیسے جوان سال قلم کار ان تنظیموں کے خاص زُعما میں سے ہیں۔

☆

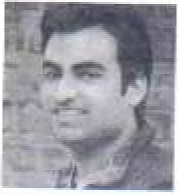

الحاج محمد اسلام


فاروق احمد خان


ڈاکٹر مشتاق مرغوب


ڈاکٹر فردوس احمد


محمد حسین نائیک


آفاق احمد


غلام رسول شاہین


عبدالاحد مسرور


خالد انتظام

سیاست کے شب وروز اور شخصیات

خواجہ عبدالصمد بانہالی

ڈوگرہ دور حکومت میں اس علاقے میں ڈوگرہ مصاحبین میں خواجہ عبدالصمد المعروف صمد جو بانہالی کا نام خاص طور سے قابل ذکر رہا ہے جس کا یہاں کے انتظامی امور میں اچھا خاصا دخل رہا ہے۔ آپ کے بارے میں اگرچہ زیادہ تفصیلی حالات معلوم نہیں ہیں لیکن ایسے کئی شواہد موجود ہیں جن سے آپ کی انتظامی صلاحیت، ادب دوستی اور عوامی تعلقات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خواجہ صمد جو بانہالی موضع ڈولیگام بانہال کے ایک باثروت خواجہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا والد خواجہ افضل جو ایک حاضر جواب قانون شناس شخص مانا جاتا تھا۔ آپ کے مورث اعلیٰ خواجہ عبدالشکور کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کشمیر سے آکر یہاں پر بس گیا اور اپنا ایک خاص اثر ورسوخ پیدا کیا۔ خواجہ صمد جو اسی خاندان سے پیدا ہوا، جو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دور میں یہاں پر وزیر وزارت کی حیثیت سے برسر اقتدار رہ کر ان راجگان کا دست راست رہا۔ جس نے وزیر وزارت کی حیثیت سے چلاس جیسی جگہ پر مہاراج پرتاپ سنگھ کے شاہانہ دبدبہ کی داغ بٹھادی[1]۔ اس طرح سے آپ کا زمانہ ۱۸۵۰ء

---

[1] ۔کشمیر بلبلہ اپار۔ مرغوب بانہالی



دائیں سے۔
کم سن میر اسداللہ، خواجہ سعداللہ میر، احداللہ میر، غلام محمد شاہ، پیچھے احمد شاہ



ثناءاللہ ہانجابی



محمد اختر نظامی



غلام رسول وانی



محمد فاروق میر



وقار رسول وانی



سجاد شاہین

سے ۱۹۲۰ تک کارہا ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ خواجہ صمد جو کے خاندان کے لوگ اصل میں بنگال کے کسی راجواڑے سے تعلق رکھتے تھے اور جب بنگال میں قحط پڑ گیا تو اس میں کافی لوگ بھوکوں مر گئے۔ آپ کے خاندان کے لوگ کسی جوتشی کی ایما پر شمالی ہندوستان کی جانب نکل پڑے تا کہ جانی نقصان سے بچے رہیں۔ اس طرح سے یہ لوگ کشتواڑ سے ہوتے ہوتے اسلام آباد مٹن کے سیر علاقے پہنچ کر وہاں مقیم ہو گئے۔ خواجہ عبدالشکور اس خاندان کا یہاں پر مورث اعلی بتایا جاتا ہے۔ جو یہاں پر آ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالشکور سیر وشکار کا دلدادہ تھا اور ایک روز پیر پنچال پہاڑ کے اوپر سے ہوتے ہوئے ڈولیگام کے علاقے میں جب پہنچا یہاں پر اُسے پانی کا ایک شفاف چشمہ ملا جس کے ارد گرد کا علاقہ اُسے بہت پسند آیا اور متعدد بار یہاں آتا رہا اور بالآخر چند اور لوگوں کو ہمراہ آ کر یہیں پر مقیم ہوا۔ اُس کے خاندانی بود و باش سے متعلق ایک منظومہ میں تھوڑا سا اشارہ ملتا ہے جو آپ کے ایک رشتہ دار خواجہ صدرالدین کے پاس موجود تھا، جو کچھ عرصہ قبل اُس کے مکان کی آگ کی ایک واردات میں ضایع ہو گیا۔ یہ طویل نظم جو فارسی زبان میں تھی اس کا پہلا شعر، مرحوم کے برادر زاد خواجہ نیاز احمد نائب تحصیلدار کی زبان سے سننے کو ملا جو اس طرح سے ہے۔

خواجہ عبدالشکور سیر والا   بود از راجگان بنگالا

خواجہ عبدالشکور کا بیٹا خواجہ ضیاء اللہ بتایا جاتا ہے، جو محکمہ مال میں گرداور یا اس کے برابر کا سرکاری اہلکار رہ چکا تھا۔ خواجہ ضیا اللہ کے تین بیٹے ہوئے۔ خواجہ

محمد افضل، جمیل جو اور خواجہ کبیر جو۔ خواجہ افضل جو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اچھے فارسی خواند اور قانون شناس تھے اور شاید نائب تحصیلدار کے عہدے پر متعین رہ چکے تھے۔ جن کے بارے میں یہاں پر یہ کشمیری مقولہ مشہور رہا ہے ''زانہ افضل تہ زانہ قیامت'' ''جانے افضل اور جانے قیامت'' یعنے کوئی بھی مسلہ ہو افضل جو اُسے خود نبھالے گا۔ جس کے پس منظر میں یہ کہاوت موجود رہی ہے کہ جب کسی پیر صاحب نے کسی مرید سے یہ کہا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو قیامت کے روز کیا جواب دو گے؟ اُس نے جواب دیا۔ کہ ''میں افضل جو کی آسامی ہوں جانے افضل جو اور جانے قیامت''۔ خواجہ صمد جو اسی خواجہ افضل جو کے فرزند تھے۔ اُس کے اور بھی تین فرزند تھے۔ سیف اللہ جو، انور جو اور عبداللہ جو، پہلے دو لاولد فوت ہوئے اور عبداللہ جو سرینگر میں رہائش پذیر ہوا۔ خواجہ صمد جو اچھے پڑھے لکھے فارسی اور عربی کے علاوہ ڈوگری رسم الخط سے بھی آشنا تھے۔ کہا جاتا ہے کہ صمد جو کا ایک رشتہ دار خواجہ غلام محی الدین جو گلگت میں کاروبار کرتا تھا۔ آپ اُس کے پاس بھی کچھ عرصہ رہے اور وہاں بھی کم و بیش تعلیم حاصل کی۔ آپ کی شادی یہاں کے کسکوٹ گاؤں سے تعلق رکھنے والے فارسی زبان کی نامور عالم اور شاعر مولانا احمد بانہالی کے ہاں ہوئی جو آپ کے اُستاد بھی رہ چکے تھے۔ صمد جو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ جموں گئے ہوئے تھے جہاں اتفاقاً مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کی ذہانت اور سلیقہ کو دیکھکر انہوں نے اُسے اپنے کاروبار سلطنت میں شامل کرنے کا پروانہ دیکر اس علاقے میں اپنا وزیر وزارت بنا کر بھیج دیا۔ وزیر وزارت انتظامی امور کی نگرانی

اور اراضی اور جائیداد سے متعلق معاملات کی بھی سنوائی کیا کرتا تھا۔ خواجہ صمد جو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ رام بن، رام سو اور بانہال میں اسی طرح کی کچہریاں قائم کر کے فیصلے سنایا کرتا تھا۔ جن کے بارے میں آج بھی یہاں سینہ بہ سینہ معلومات چلی آ رہی ہیں[1]۔ خواجہ صمد جو نے اپنی درباری بیٹھک سجانے کے لئے ڈولیگام گاؤں میں دیوان خانے اور اُن کے ساتھ غسل خانے وغیرہ بھی تعمیر کئے جہاں وہ لوگوں سے ملتے تھے۔ آپ نے یہاں ایک مسجد شریف تعمیر کی جو اس علاقے کی پہلی جامع مسجد تھی جس میں یہاں کے لوگوں کے علاوہ پہاڑ کے اُس پار کشمیر کے کاپرن، چوگنڈ اور ہالن وغیرہ سے لوگ جمعہ کی نماز ادا کرنے آجایا کرتے تھے۔ اس خاندان کے لوگ لوئیر منڈا (ویری ناگ) اور کسکوٹ میں بھی موجود ہیں، جہاں ان کے پاس بڑی زمینیں تھیں۔ راج دربار کے ساتھ خواجہ صمد جو کے قریبی مراسم تھے۔ موسم سرما کے دوران جب راج دربار سرینگر سے جموں کو منتقل ہو جاتا تو خواجہ موصوف اس شاہی قافلہ کی مہمان نوازی کا بھی اہتمام کرتے تھے بقول مرزا عارف "میرے والد نسبتی کا باپ بانہال کا ایک رئیس تھا جس کے گھر مہاراجہ پرتاپ سنگھ آنجہانی کشمیر سے جموں جاتے ہوئے اور یہاں سے چھ مہینے گزارنے کے بعد واپسی پر تقریباً تین یوم قیام کرتا تھا۔ اُن دنوں شاہی قافلہ اور اُن کے مصاحب گھوڑوں پر پیر پنچال کو عبور کرتے تھے[2]۔

۱؎ ایک فیصلہ میں آپ نے ٹل باغ بانہال کے ایک زمیندار شیخ میر کی زمین کسی اور کے نام الاٹ کر دی جس نے ڈھمبور میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی اور زمین واپس حاصل کی۔

۲؎ نیاری یادیں از مرزا عارف الحاج غلام حسن بیگ۔

۳؎ مرزا عارف نے خواجہ صمد جو کو ایک رئیس اور جاگیردار کہا ہے۔

قصبہ بانہال کے متصل کچھ عمارات بھی موجود تھیں جہاں غسل خانے بھی تھے جنہیں محلات کہا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ شاہی قافلہ یہاں پر بھی استراحت کے لئے قیام کرتا ہوتا۔ یہ محلات بعد میں سرکار نے شیپ محکمہ کی تحویل میں رہے۔ جن کی نگرانی ایک افسر باکسر کیا کرتا تھا۔ بعد میں یہاں متعلقہ محکمہ کا ڈائریکٹر مسٹر بانڈے قیام کرتا تھا اور ان محلات کو "کٹھ صاب نز بنگلہ" کہا جاتا تھا اب یہاں آجکل گورنمنٹ ہائیر سکنڈری سکول موجود ہے۔

خواجہ صمد جو بانہالی کے قدر دانوں کا وادی کشمیر کے روسا اور شعراء میں بھی ایک اچھا خاصا حلقہ تھا جس کا اندازہ چند ایسی تقریبات سے لگایا جاسکتا ہے جس کا اہتمام آپ کے توسط سے یا آپ کے اعزاز میں وہاں ہوتا رہا ہے۔ یہاں پر صرف ایسی دو تقریبات کی جانب اشارہ دیا جاتا ہے۔ جن میں پہلی تقریب کا تعلق آپ کے فرزندان خواجہ سیف الدین اور خواجہ احد اللہ کی شادی سے ہے جو ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں انجام دی گئی اور دوسرا موقعہ وہ ہے جب آپ انتقال کر گئے۔ آپ کے بڑے فرزند خواجہ سیف الدین کی شادی نائل اسلام آباد کے ایک رئیس خواجہ احد ڈار کے ہاں ہوئی جہاں پر آپ کو خانہ داماد بنا کر بھیج دیا گیا۔ احد ڈار زیلدار کا ذکر لارنس کے ہاں بھی ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بارات بانہال سے ویری ناگ پہنچ گئی تو یہاں پر آتشبازی کی وجہ سے ایک گھاس کے چھت والے مکان کو آگ لگ گئی جس کو ساتھ ہی قابو میں لیا گیا اور خواجہ صمد جو نے مکان والے کو دوہری قیمت دے کر راضی کر لیا[1]۔ نائل اسلام آباد

۱؎ بہ روایت مرحوم خواجہ ثناءاللہ وانی ڈولیگام بانہال

میں شادی کی رسومات کے بعد خوشی کا یہ جشن خانیار سرینگر میں خواجہ منور جو گنڈرُو کے دولت خانے پر تقریباً سات دن تک منایا گیا جس میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ بہ نفس نفیس خود بھی شریک ہوئے اور اپنی دریا دلی کا خوب مظاہرہ کیا[1]۔ خواجہ منور جو مذکور خواجہ صمد جو بانہالی کے برادر نسبتی (بہنوئی) تھے اور علماء و فضلا کے بہت ہی قدر دان اور ادب نواز تھے۔ شادی کی اس پر شکوہ تقریب کا وادی کے کئی شعراء نے اپنی منظومات میں نقشہ کھینچا ہے۔ جس میں انہوں نے خواجہ صمد جو کو ایک اونچے درجے کا ادب دان علم دوست اور فیاض شخصیت قرار دیا ہے۔ پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب نے اس طرح کے آٹھ قصائید کی نشاندہی کی ہے جن میں اس طرح کے جشن طرب کی جان کاری ملتی ہے۔ ان قصائید میں مہدی کشمیری کا لکھا ہوا قصیدہ وسر فہرست ہے جو تقریباً چھبیس اشعار پر مشتمل ہے۔ بلکہ اس میں انہوں نے غلو کی حد تک کام لیا ہے، اس قصیدہ کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

للہ الحمد بفضل یزداں
شاد گردیدہ دلِ پیر و جواں

اللہ کا شکر ہے کہ آج اُس کے فضل و کرم سے تمام چھوٹے بڑوں کے دل خوش ہیں۔

محفلے خواجہ مُنور آراست
ہمچو نادر بدرش جُملہ بپاست

۱۔ پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب کا کہنا ہے کہ شادی کا یہ جشن پہلے سرینگر میں منایا گیا اور پھر بارات وہاں سے ڈول اننت ناگ چلی گئی۔

خواجہ منور جو کے ہاں شادیانے کی تقریب سجائی گئی ہے اور بے مثال خوشی منائی جارہی ہے۔

حمدِ للہ ، علی الطف احد
فرد آفاق جہاں عبدالصمد

خُدائے واحد کے الطاف خداوندی کا شکر یہ کہ جس نے خواجہ عبدالصمد جیسی (نعوز باللہ) آفاقی شخصیت کو ہمارا سرپرست ہونے کا شرف عطا کیا۔

افضل الناس میانِ آفاق
ماہ و خورشید بزدیش مشتاق

وہ تمام لوگوں میں (نعوذ باللہ) ممتاز اور افضل ہے سورج اور چاند اُسی کی صورت پر فریفتہ ہیں۔

از پے شادی طوی فرزند
بزم آرا شُدہ چوں شاہِ خجند

اپنے فرزند کی شادی کا کیا مثالی انتظام کیا ہے۔ خجند کے بادشاہ کی مانند شادی کی تقریب منانے کا اہتمام کیا ہے۔

سائیلاں را بزر و سیم درم
میکند خورم و خوشدل ز کرم

اس نرم دل خواجہ نے اتنا زر کثیر تقسیم کیا کہ سب مانگنے والے اسی کی مہربانی کے خوش وخرم ہیں۔

شادیانے کی اس بقیہ تقریب کا اہتمام خانیار سری نگر میں کیا گیا اس کا مزید احوال یوں بیان کیا گیا ہے۔

خواجہ بنشستہ بصد شان وشکوہ
راجہ رقاص شدہ برسرِ کوہ

خواجہ صمد جو خود شان وشوکت کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جب کہ راجہ (پرتاپ سنگھ) پنڈلی پر خود وجد میں آ کر جھوم رہا ہے۔

شب شدہ از روز ہی روشن تر
مجلس عیش شدہ گردش گلشن تر

چراغان اسقدر کیا گیا ہے کہ رات دن سے زیادہ روشن ہے مے نشاط کے اسباب اتنے زیادہ ہیں کہ رقص کرنے والا شہر میں بھیگا ہوا گلشن نظر آتا ہے

ہمہ رقصاں و سیاہ مست شدہ
ہمہ عشاق دل از دست شدہ

سب رقص وسرور میں مست ہیں اور رنگ رلیاں منا رہے ہیں سب عاشقوں کے دل لوٹ پوٹ ہو گئے ہیں۔

بادہ و نقل بمستاں الست
از لب و چشم بتاں دست بدست

شراب اور رندہ مسالہ، عام لوگوں کیلئے عاشقوں کی طرح میسر ہے۔ خوبصورت صنام کا آنکھوں اور ہونٹوں سے سیراب ہونے کا دور شروع ہو گیا ہے۔

سال ایں امر ہمایوں و سعید
خواستم صبح گہاں از نا ہید

یہ مبارک سال ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ہر روز حُسن ومحبت کی دیوی ہم پر مہربان ہو۔

از سرِ ہوش نوشتہ شہدی
"بادو خورشید دو یہہ بین مہدی"
١٣٠٤ھ

مہدی سوچ سمجھ کر قلم کو تھامو، دو آفتابوں کے رُوبرو ہیں۔

دوسرا تہنیت نامہ ١٦ کے قریب اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی انتہائی خوشامد سے کام لیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بمن از آسمان خطا بے رسید
چہ خطابے کہ باصواب رسید

(مجھے آسمانی پیغام (نعوذ باللہ) یعنے دعوت نامہ ملا اور کیا میں عمدہ طریقے سے مجھے یاد کیا گیا ہے مجھے کیونکر فخر حاصل نہ ہو؟)

کہ اے فقیر حقیر دانشمند
دولتِ تو قرین باب رسید

(مجھ ناچیز فقیر شخص کو دانشمند کہہ کر یاد کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ دولت تیرے دروازے کے قریب پہنچ گئی ہے)۔

باش آزاد از غم و اندوہ
زانکہ شادی بے حساب رسید

(اب اندیشۂ غم سے آزاد ہو جائیے۔ کیونکہ اب بہت زیادہ خوشی منانے کا موقعہ آگیا ہے)۔

عشرت وعیش کا مرانیہا
بیحد وعد شیخ وشاب رسید

(عیش وعشرت اور شباب ومستی کی بے حد شادمانیاں منانے کا وقت آگیا ہے)۔

رخت بربست رنج و محبت و غم
مطرب و ساقی و شراب رسید

(پریشانیوں اور غموں نے اپنا بوریا بسترہ باندھ لیا اور اب یہاں رقص ونغمہ اور مے نشاط کے دور کا آغاز ہو گیا)۔

گفتمش چیست باعث شادی
کہ ازاں برمن ایں خطاب رسید

(میں نے پوچھا کہ اس تقریب پرمسرت کی کیا وجہ ہے کہ مجھ ناچیز کو بھی اس میں شمولیت کا دعوت نامہ پہنچا)۔

گفت از سُور پُور خواجہ صمد
روح و راحت بخاک و آب رسید

(کہا: کہ یہ سب کچھ خواجہ صمد جو کے فرزند دلند کی شادی کی تقریب کی خوشی کی بدولت ہو رہا ہے کہ اس جگہ کو راحتِ رُوح سے سیراب کیا جا رہا ہے)۔

سال تاریخ یک مبارک امر
خواستم از خرد جواب رسید

(میں نے اس مبارک واقعہ کی تاریخ کو رقم کرنا چاہا لیکن عقل نے مجھے جواب دیا)۔

گفت از روی مہر دلداری
"ماہ تاباں بہ آفتاب رسید"
۱۳۰۴ھ

(بڑی مہربانی اور پیار سے کہا۔ دیکھتے نہیں کہ یہ چاند (دلہن) سورج (آفتاب) کے قریب پہنچ گیا ہے)۔

از دریغ حمزہ مخدوم
خواجہ راہین کہ فتح یاب رسید

(یہ اس پر خواجہ مخدومؒ کی مہربانی ہے کہ خواجہ صمد جو کو خوشی منانے کا موقعہ نصیب ہوا)۔

اس قصیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ صمد جو کا شہرہ وادی تک پھیلا ہوا تھا اور اُسے راج دربار تک اچھی خاصی رسائی حاصل تھی۔ چنانچہ شخصی دورِ حکومت میں مہاراجوں اور رؤسا کی شان میں تعریفوں کے پُل باندھنے کا رواج تھا۔ خاصکر ابن الوقت اور نفس پرست قلم کار شادیانوں کی تقریبات پر آسمان وزمین کے قلابے ملایا کرتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ فضول خرچی اور خونِ ناحق پر سجائی جانے والی ایسی مجلسوں میں اولیائے خُدا کی مہربانیوں اور کرم فرمائیوں کا بھی

ذکر شامل کیا جاتا تھا، جو ساری عمر رزق حلال اور سادہ وضع کی زندگی گزارنے کی تلقین کرتے تھے۔ اسطرح کی ذہنی پستی کا رجحان عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ خواجہ صمد جو ایک علم دوست شخصیت تھے۔

تیسرے ایک اور قصیدہ میں خواجہ صمد جو کے علاوہ آپ کے فرزند خواجہ سیف الدین کی یوں ستائش کی گئی ہے۔

مبارک کہ از شکوہ بخت والا
جائید وبعون و حق تعالےٰ

یہ بات باعث مبارک ہے! کہ اتنی بڑی شان وشوکت کے ساتھ اس خوش بختی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے جس کو (بقول شاعر) خدائی تائید حاصل ہے۔

جناب خواجہ عبدالصمد نام
مبارک شادی فرمؤد پیدا

اس نیک بخت خواجہ کا نام عبدالصمد ہے جس نے اس مبارک تقریب کے منانے کا اہتمام کیا ہے۔

بخلعت ہائی شاہانہ بیارا
گرامی پور خود آں در یکتا

اسی نے خود کو شان خلعت زیب تن کیا ہے اور اپنے فرزند کو موتی کی مانند سجایا ہے۔

کہ خواجہ سیف الدین نام نکولیش
رسید او عالم بالا ہمانا

اس دولہا کا سیف الدین نام کتنا پیارا لگتا ہے گویا یہ اسے عالم بالا سے عطا کیا گیا ہے۔

بریں شادی منادی داد ہرسُو
درم ریزی نمودہ چوں ثریا

اسی شادی کی تقریب کا اعلان ہر طرف مُشتہر کیا گیا۔ روپیوں کی بارش کی جارہی ہے۔ جیسے نظم ثریا چاروں جانب نورافشانی کررہا ہو۔

چوتھا تہنیت نامہ ۱۹؍اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں خواجہ موصوف کو ایک غریب نواز سخی اور دنیا پسند شخصیت کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے اور خواجہ منور جو کے گھر کے اوپر مہر سپہر کو تابان ہوتا ہوا بتایا گیا ہے یہاں پر صرف تین شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

سحر چو خسرو گل رخت خسروی بربست
فراز تخت تجمل بہ بختیاری ست
کہ بربساط کرم شمع جمع محفل جود
بہ دلنوازی مردم چو شمع برپا حسبت
بہ اسم خواجہ منور علم چو مہر سپہر
چو ماہ داغ نکونیش بدل نگین را ہست

پانچواں تہنیت نامہ ۱۵؍اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں طویل بحور کو کام میں لاکر شادیانے کے پُر رونق منظر کو بیان کیا گیا ہے اور خواجہ موصوف کی دریادلی اور نیک نامی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں پر صرف دو شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

سحر چوں شاہ چیں از حمل زرینہ بر زد سر
عروس خلخ از ہر ہفت پاکردہ بہ نُہ منظر
بہ اسم عبدالصمد سامی، حسب نامی لقب آمد
ز حدِ باختر چوں خور بود معروف تا خاور

چھٹا مبارک بادی نامہ ۱۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ جن میں رُوسائے کشمیر کو شادیانے میں مدعو دکھایا گیا ہے۔

سحر گہہ چوں بر آمد شاہ خاور
جہاں را کردہ در بر خلعتِ زر

بود کا سروز روز عشرت اندوز
ضرب در محفل روسائے کشمیر

عیش ونشاط منانے کا ایک بے مثال دن بن گیا جسمیں کشمیر کے تمام رئیسوں نے شرکت کی۔

بگفتاہ مُشتری بارو ے زہرہ
بہ مہ شد ہمقرین مہر مُنور

مُشتری نام کے ستارے نے زُہرہ سے مخاطب ہو کر کہا، ماہتاب (دُلہن) کے ساتھ آج آفتاب (دولہے) کا ملن ہوگا۔

ساتواں تہنیت نامہ ۱۰ اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں ہی اس کارخیر کی انجام دہی پر شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

کارخیر و مبارک و افضل   شد بتائید و فتح و نصرت جفت

آٹھویں قصیدہ میں، شاعر شخصی دور کے خاص لوگوں کی رنگ رلیوں کا منظر پیش کرتے ہوئے یہ احساس دلاتا ہے کہ مفلوک الحال اور عام لوگوں کی حالت زار کو بھلا کر، اس طرح کی تقاریب جشن کا منانا مہاراجہ اور اُس کے درباریوں کا ایک عام معمول تھا۔ یہ قصیدہ پنڈت طوطا رام رینہ کا تحریر کردہ ہے اور تقریباً پندرہ اشعار پر مشتمل ہے البتہ پنڈت طوطا رام رینہ خواجہ صمد جو کو ایک مختلف طرح کی شخصیت گردانتا ہے اور کہتا ہے کہ قدرت نے اُسے سخاوت اور غربا پروری کا وصف عطا کیا تھا بلکہ یہ صفت اُس کے فرزند خواجہ سیف الدین میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔

ہزاراں شکر یزداں کہ از نشاط و عیش یکرنگی
دو شمشاد دل آرا کرد در باغ طرب مارا
ز نُود وجود از در سراسر جیب داماں پُر
نمودہ سائیلان ہر جا ز پیرو کوچک و برنا
خصال این و آں نیکو وصال آں و ایں دل جُو
نگردد طے ثنا اصلا بصد دفتر بصد انشاء

ترجمہ: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے ہمیں دو چہیتے لوگوں کی ایک ساتھ خوشی کا موقع فراہم کیا۔

اس خواجہ کی سخاوت، دامن اور جیبوں کو مالا مال کر دیتی ہے خاصکر غریبوں اور محتاجوں کو۔ ان دونوں باپ بیٹے کی خصلت بہت ہی نیک ہے ان کے ساتھ

ملاقات ہوتے ہی دل فرطِ مسرت سے جھومنے لگتا ہے۔ اِن کی تعریف بیان سے باہر ہے چاہے کتنے ہی دفتر کیوں نہ لکھے جائیں!

خواجہ صمد جو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ سرینگر گئے ہوئے تھے اور اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرے تھے جہاں آپ اچانک بخار میں مبتلا ہو گئے اور ساتھ ہی اچانک انتقال کر گئے۔ آپ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء عید میلاد کے دن رحلت کر گئے اور سلطان العارفین حضرت مخدومؒ کی زیارت شریف کی طرف جانے والے صدر دروازے کے اندر پہلے ہی زینے کے قریب دفن کئے گئے۔ آپ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت مخدومؒ کے ساتھ والہانہ روحانی عقیدت رکھتے تھے۔ خواجہ موصوف کی رحلت پر سرینگر کشمیر کے کئی شعراء نے مرثیے لکھے۔ اِن میں سے کچھ اشعار نمونے کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں۔ پہلا مرثیہ مہدی کشمیری کا لکھا ہوا ہے۔ جس کے چند اشعار بذیل ہیں۔

آہ ازیں جور و جفائے گردوں
شد دل و جان جگر از غم خون

ترجمہ: (افسوس! کہ آسمان نے آج ہم پر یہ کیا ظلم ڈھایا۔ کہ ہمارا دل جگر اور ہماری روح لہو افشاں ہے)۔

غم و اندوہ ز عالم سرزد
کرد رحلت ز جہاں خواجہ صمد

ترجمہ: (اس سانحہ ارتحال نے پوری دُنیا کو حُزن و یاس میں مُبتلا کر دیا ہے۔ کیونکہ آج خواجہ صمد جو جیسا نیک انسان دُنیا سے چل بسا)۔

افضل الناس بعقل و قیاس
ہمچو الیاس گرفتہ چیلاس

ترجمہ: (وہ عقل اور فہم کو کام میں لانے والوں میں سب سے اعلیٰ تھا۔ چیلاس جیسی جگہ پر قبضہ کر کے اُس نے الیاس جیسا کارنامہ انجام دیا)۔

ہمہ اجمیر و بہار و کشمیر
گشت از مردنِ او بس دلگیر

تمام مقامات کے لوگ چاہئے اجمیر شریف کے ہوں، بہار کے ہوں یا کشمیر سے تعلق رکھتے ہوں۔ آپ کی رحلت کی خبر سُن کر دل افسردہ ہو کر رہ گئے۔

بود بر ملک مہاراجہ امین
رفت چوں گنج گہر زیرِ زمین

اِس خواجہ کو مہاراجہ نے اپنے خزانوں کا امانتدار بنایا تھا اس طرح سے چل بسا جیسے شاہی خزانے غائب ہو گئے۔

احمد از نورِ منور روشن
شد صمد ہمچو اسد در گلشن

خواجہ احمد اللہ جو خانیار کے منور جو گندرو کا فرزند تھا اور خواجہ اسد اللہ بھی جو نیک خصال تھا دونوں سلطان العارفینؒ کی درگاہ کے احاطہ میں مدفون ہوئے اور خواجہ صمد جو بھی ان ہی کہ طرح اس سُلطانی گلشن میں پہنچ گئے یعنے یہیں پر دفن ہوئے۔

ہر سہ را درگاہ سُلطان جا شد
ثالث شان سوی خاقان تا شد

ان تینوں کو درگاہ سلطانی کے احاطہ میں تدفین کی جگہ ملی۔ اس تیسرے شخص صمد جو کے وہاں پہنچنے سے پہلے دو اشخاص کی یاد بھی ہمیں تازہ ہوگئی۔

سال تاریخ وصالش از ماہ
حسبت مہدؔی بہمہ گریہ وآہ

مہدؔی نے آپ کے سال وفات کو روتے ہوئے قمری مہینوں میں تلاش کیا۔

با سر پردہ دل ماہ نوشت
جائے عبدالصمد شد بہ بہشت
۱۳۱۰ھ

ترجمہ:(اور چاند نے پوشیدہ طور پر کہا کہ عبدالصمد کا ٹھکانہ جنت میں ہے)۔

دستیاب شدہ ایک چوتھے مرثیہ میں ایک اور شاعر خواجہ صمد جو کو عالموں اور شعراء کے قدردان ہونے کا اشارہ دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

مصدر جود و سخا عبدالصمد
آمد از روی قضا ا ز بانہال

خواجہ عبدالصمد سخاوت کا منبع تھا۔ فرشتہ اجل نے انہیں بانہال سے یہاں تک کھینچ لایا۔

اے دریغا خدمتِ صاحب دِلاں
ے نمودے دائما از بذل مال

افسوس کا مقام ہے کہ وہ نیک شخص چل بسا جو علماء اور فضلا اور صاحب دل لوگوں پر ہر وقت مال و زر نچھاور کرتا تھا۔

اہل شعر از بس شعورش بہرہ مند
در چنیں بے قدری قحط الرجال

اس قحط الرجال اور ناقدردانی کے دور میں، آپ کا زیادہ فائیدہ شعراء اور ادبا کو حاصل تھا، جن کا وہ پورا خیال رکھتا تھا۔

چار شنبہ دوم عرس شریف
کرد سوے دار باقی انتقال

اس روز بدھ وار اور عرس میلاد کا دوسرا دن تھا جب اس نے دارالبقا کی طرف کوچ کیا یعنے اللہ کو پیارا ہوگیا۔

یا الٰہی جنت فردوس باد
"مسکن عبدالصمد از بہر سال"
۱۳۱۰ھ

پانچواں مرثیہ کسی جیدؔ نامی شاعر کا لکھا ہوا جو ۹/اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں آپ کی رحلت پر کافی رنج وغم کا اظہار کیا گیا ہے: چند اشعار

دریغا کہ آں خواجہ عبدالصمد
رُخ خویش از دوستداراں نہفت

ترجمہ:(افسوس! کہ آج خواجہ عبدالصمد اپنے دوستوں سے منہ کو چھپا کر چلے گئے)۔

بگلگشت کشمیر از بانہال
رسید و دل از گردِ تشویش رفت

ترجمہ: (آپ بانہال سے کشمیر گھومنے آئے اور ہمارا دل دُکھا کر چل بسے)۔

سحر سال او چونکہ جید مجست
"سروشے بہ جنت خرامیدہ" گفت

ترجمہ: (جید نے قطعہ تاریخ وفات نکالنا چاہا۔ فرشتے نے آواز دی کہ وہ جنت مکانی ہوگئے ہیں)۔

چھٹا مرثیہ زیرک نامی کسی شاعر نے لکھا ہے۔ یہ مرثیہ سب سے طویل مرثیہ ہے جو ۴۴ کے قریب اشعار پر مشتمل ہے جس میں خواجہ صمد جو موصوف کے گوناگوں اوصاف کو سراتے ہوئے افسوس و ماتم کیا گیا ہے۔ چند نمونے کے اشعار:

وا دریغا کہ زغم گشت جہانے دیگر
واہ دردا ز الم ہست زمانے بہ تغیّر

ترجمہ: (افسوس! کہ پورا عالم غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور پورا زمانہ درد کی پکار بن گیا ہے)۔

خواجہ نیک سیر، منعم پاک سرشت
آنکہ عالم بہ غمش جامہ سیاہ چوں قلم است

ترجمہ: (نیک سیرت اور پاک خصلت دریادل خواجہ نے پورے عالم کو داغ مفارقت دیا)۔

آوخ! ایں چہ فلک سخت و جفا کوش شدہ
لالہ گلشن اقبال کفن پوش شدہ

ترجمہ: (ارے بھائی۔ آسمان نے یہ کیا ظلم کیا کہ لالہ گلشن اقبال نے کفن اوڑھ لیا)۔

خواجہ عبدالصمد از مشغل جہاں رای گرفت
چوں ازیں دہر فنا سوی بقا پای گرفت

ترجمہ: (خواجہ عبدالصمد نے دُنیا کے مشاغل کو چھوڑ کر عالم فانی سے عالم بقا کی طرف قدم بڑھایا)۔

سال تاریخ و صالش زدہ سر مُلہم غیب
"صمد از لطفِ محمدؐ بہ ارمِ جای گرفت"
۱۳۱۰ھ

ترجمہ: (فرشتہ غیب نے آپ کے سال وصال قطعہ استخراج کیا۔ کہ صمد جو پیغمبر کی وصالت سے ارم میں جگہ پائی)۔

خواجہ صمد جو کے خاندان کے کچھ لوگ آج بھی خانیار اور راولپورہ سرینگر میں موجود ہیں۔ لیکن ان کے وُرثا آج بھی یہاں بانہال کے ڈولیگام گاؤں اور کسکوٹ میں موجود ہیں اور زمینیں اور جائیداد رکھتے ہیں۔ خواجہ خالد نظام اس خاندان کا ایک نمائندہ وارث ہے جو یہاں کا ایک معروف ایڈوکیٹ ہے اور گزشتہ چالیس برس سے اس پیشہ سے جڑا ہوا ہے۔

شجرہ نسب خواجہ عبدالشکور



(بہ توسط خواجہ نیاز احمد نائب تحصیلدار پانتھال)

خواجہ سعداللہ میر

ریاست میں دوسری جگہوں کی طرح خواجہ سعداللہ میر ڈوگرہ دور حکومت میں اس علاقے کا ایک با اثر ''زیلدار رہا ہے'' اور یہاں کے مالی امور کے حصول اور لوگوں باہمی معاملات میں آپ کی رائے اور فیصلے کا اچھا خاصا دخل رہا ہے۔ سعداللہ میر کے خاندان کا مورث اعلیٰ اکبر میر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سوپور کشمیر کے کسی علاقے سے ۱۰۸۵ھ میں ہجرت کر کے یہاں مسکن پذیر ہوا۔ جبکہ آپ کا دوسرا بھائی ستار میرو ہیں اپنے آبائی علاقے میں ہی سکونت پذیر رہا۔ اکبر میر کے دو فرزند ہوئے دائم میر اور عظیم میر۔ دائم میر ابتدا سے ہی ایک فقیر منش شخص تھا وہ دُنیوی آلائش سے دور اپنی ہی فقیرانہ حالت میں ہی محو رہا کرتا تھا لوگ اُسے ایک ولی خدا جان کر کافی عقیدت واحترام سے پیش آتے تھے، دائم میر کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی وہ ۱۱۰۳ھ میں واصل بحق ہوا اور اس کے خاندان کے لوگ آج تک اُس کی روحانی عقیدت کے مُعترف ہیں۔ دائم میر کا دوسرا بھائی عظیم میر شخصی دور حکومت میں کسی فوجی منصب پر متعین تھا اور لداخ میں خاص کارکردگی کا مظاہرہ کر چکا تھا جس کے سبب آپ کو سرکار کی جانب سے یہاں کچھ اراضی یا جاگیر تفویض کی گئی اور اس کے علاوہ ایک تلوار۔ ایک تانبے کا

پٹہ اور ایک زریں چغہ بھی عطا کیا گیا۔ دائم میر کی وفات کے بعد اس کے بھیجے (بیٹے؟) عظیم میر نے اپنے والد اکبر میر کو بھی کشمیر سے لا کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ عظیم میر کی وفات کے بعد نامدار میر جاگیر کا حقدار کہلایا۔ نامدار میر کے چھ بیٹے ہوئے، عزیز، اسعد اللہ، سکندر، ارسلا، احد اللہ اور مصطفٰے نامدار میر کے بعد عزیز میر زیلداری کا مستحق تھا لیکن سعد اللہ میر نے اُسے اپنی جائیدا کا نصف حصہ دے دیا اور اُس کے عوض زیلداری کا منصب حاصل کیا اسطرح سے سعد اللہ میر یہاں کا آخری زیلدار مقرر ہوا جو تقسیم ملک تک برابر، یہاں کا زیلدار بنا رہا'' اور جاگیر نامدار کی جاگیر آج بھی ان کے خاندان والوں میں مشترکہ طور پر تقسیم ہو چکی ہے۔ تلوار اور پغہ آگ کی ایک واردات میں خاکستر ہوا البتہ پٹہ ابھی ان کے پاس موجود ہے۔ سعد اللہ میر ایک مدبر زیلدار تھا جس کی زیلداری کا یہاں آج تک اعتراف موجود ہے۔ وہ ایک مدبر اور خدا ترس شخص تھا اور لوگوں کی ہر ممکن مدد کرتا تھا۔ سعد اللہ میر کے تین فرزند ہوئے اسد اللہ میر، سکندر میر اور امان اللہ میر۔ میر اسد اللہ آگے چل کر اس علاقے کے پہلے قانون کے گریجویٹ اور ایک باا‌ثر رکن اسمبلی اور وزیر کابینہ رہے۔ سعد اللہ میر کا خاندان آج بھی یہاں ایک شائستہ سادہ وضع اور پڑھا لکھا خاندان مانا جاتا ہے۔

☆

میر اسد اللہ

خواجہ اسد اللہ میر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، بااثر، خوددار، خودکفیل اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا بچپن اگرچہ شخصی دور حکومت پروان چڑھا لیکن آپ ایک آسودہ حال اور متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے تحریک آزادی کو قریب سے دیکھا اور حصول آزادی کے بعد آپ صوبائی سطح پر نیشنل کانفرنس تنظیم کے صدر رہے، جس کی قیادت شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھوں میں تھی۔ مئی ۱۹۵۱ء کے ریاستی صدارتی اعلان نامہ کے مطابق جب ریاست میں شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں ریاستی آئین کی تشکیل اور انتظامی کارگزاری کے لئے پہلی قانون ساز اسمبلی کا انتخاب عمل میں لایا گیا تو آپ اُسوقت کے تحصیل رام بن سے بلا مقابلہ منتخب قرار دئے گئے۔ آپ اس علاقہ کے پہلے تعلیم یافتہ شخص تھے جو ریاستی سرکار میں حصول آزادی کے بعد اس علاقہ کی نمائندگی کرتے رہے۔ ریاستی اسمبلی کے اولین سپیکروں میں شامل ہونے کے علاوہ آپ ایک کامیاب اور فعال وزیر کابینہ کی حیثیت سے بھی اپنی سوجھ بوجھ۔ کارکردگی اور انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منواتے رہے۔ جس کے سبب آپ اس علاقے میں فخر کوہستان کے نام سے بھی اپنے رُفقا میں جانے جاتے تھے۔

یہ ایک ستم ظریفی ہے کہ آپ اپنی چھوٹی عمر میں ہی رحلت ہونے کی وجہ سے اپنے سیاسی کیریر کے مزید جوبن کو دیکھ نہ سکے اور یہ علاقہ آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے سے اور آپ کی خدمات سے محروم رہا۔

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

میر اسد اللہ بانہال کے موضع چریل میں ۱۹۲۴ء میں خواجہ سعد اللہ میر کے ہاں تولد ہوا جو اس علاقہ کے ایک ذیلدار ہوا کرتے تھے۔ دراصل وہ شخصی دور حکومت کے ایک موروثی ذیلدار تھے اور اُن کے والد نامدار میر بھی ذیلدار رہ چکے تھے جن کو شخصی دور حکمت میں یہاں جاگیر بھی تفویض ہوئی تھی جو آبی زمین پر مشتمل تھی جو ایک بہت ہی زرخیز قطعہ اراضی ہے اور آج بھی اُسے جاگیر نامدار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سعد اللہ میر کے تین بیٹے تولد ہوئے۔ سکندر میر، اسد اللہ میر اور امان اللہ۔ پہلے دو بیٹے آپ کی پہلی بیوی سے تولد ہوئے اور امان اللہ جو چھوٹا بیٹا تھا آپ کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوا۔

میر اسد اللہ نے ابتدائی تعلیم بانہال قصبہ کے سرکاری مڈل سکول سے حاصل کی۔ اُس کے بعد دسویں جماعت کا امتحان اُدھمپور سے پاس کیا کیونکہ بانہال میں اسوقت ہائی سکول موجود نہ تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جب آپ کی عمر قریباً سولہ برس کی تھی آپ نے جموں کے پرنس آف ویلز کالج (جو آجکل جی۔ جی۔ ایم سائینس کالج کہلاتا ہے) میں داخلہ لیا جہاں سے آپ نے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد اسی کالج سے ۱۹۴۳۔۴۴ کے دوران گریجویشن

ی۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ علی گڑھ چلے گئے جہاں سے آپ نے ۴۶۔۱۹۴۴ کے دوران فارسی میں ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ علی گڑھ کالج میں آپ ایک ممتاز طالب علم کے طور پر معروف رہے۔ علی گڑھ سے واپس آنے کی بعد آپ نے اودھمپور میں وکالت کا پیشہ شروع کیا۔ اودھمپور اسوقت اس علاقے کا ضلع صدر مقام تھا اور بھدرواہ۔ ڈوڈہ۔ کشتواڑ وغیرہ تحصیلیں اس ضلع میں شامل تھیں۔ آپ کی شادی یہاں کی ایک پڑھی لکھی خاتون ہاجرہ بیگم سے ہوئی جو آپ کی وفات کے بعد یہاں کی رُکن اسمبلی کے طور پر نامزد کی گئی اور پانچ سال تک ریاست کے ایوان اسمبلی میں نمائیندگی کرتی رہی۔ میر اسد اللہ نے یہاں کی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا اور ضلع میں شیخ محمد عبداللہ کی زیر قیادت نیشنل کانفرنس کی تنظیم کو منظم کرنے میں کافی کام کیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب شدید برف باری کے سبب درہ بانہال کا راستہ اکثر و بیشتر مسدود رہا کرتا تھا۔ آپ نے ۱۹۴۷ کے دوران فوج کو چائے۔ نمک اور دوسری اشیائے خوردنی اور رسد پہنچانے میں بھی کام کیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب ریاستی صدارتی اعلان نامہ کے مطابق ریاست میں پہلی بار آئین سازی اور انتظامی کارگزاری کے لئے قانون ساز اسمبلی کو تشکیل دیا گیا تو آپ بلا مقابلہ رکن اسمبلی منتخب ہوئے ۱۹۵۱۔۵۷ تک آپ رکن اسمبلی کے علاوہ ڈرافٹ کمیٹی کے بھی ممبر نامزد کر لئے گئے۔ ۱۹۵۳ء میں جب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کیا گیا تو آپ نے اس گرفتاری کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کر کے احتجاج کیا اور سرکار آپ کو بھی اس پاداش میں گرفتار کرنے کے

درپے ہوگئی۔ آپ کئی ماہ تک روپوش رہے اور اپنے آپ کو گرفتاری سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران آپ کے اور ایک ساتھی محمد ایوب خان بھی آپ کے ہم جلیس رہے بالآخر بخشی غلام محمد جو شیخ محمد عبداللہ کی گرفتار کے بعد وزیر اعظم بنائے گئے انہوں نے اپنے درمیانہ داروں کے ذریعے آپ کو اپنی وزارت میں شامل کرلیا اور اسطرح سے آپ ریاستی کابینہ میں ۱۹۵۳ء۔ ۵۷ تک نائب وزیر تعمیرات کے منصب پر فائیز رہے۔ ۱۹۵۷ میں آپ کو باتفاق رائے ریاستی آئین ساز اسمبلی کا سپیکر منتخب کیا گیا اور ۱۹۶۰ء تک آپ ایوان کی کاروائی کو بہت ہی کامیابی اور خوش اسلوبی سے چلاتے رہے۔ اس سے پہلے آپ نے ۱۹۵۹ء میں مغربی یورپ۔ عرب امارات اور کئی دیگر ملکوں کا بھی دورہ کیا تاکہ آپ ان ممالک میں پارلیمانی جمہوریتوں کے طریقہ کار کا مشاہدہ کریں اور اس کے علاوہ ان ممالک کے دانشوروں اور صحافیوں کو بھی کشمیر کی صورتحال سے آگاہ کریں۔ اگست ۱۹۶۰ء میں آپ نے اسپیکر کے عہدہ سے استعفےٰ دیا اور آپ کو خوراک اور زراعت کے وزارت کا قلمدان دیا گیا۔ ۱۹۶۱ کے ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں آپ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور آپ کے مدمقابل شری لبورام اور شری ٹھاکر دیوی داس جو پرجا سوشلسٹ اور پرجا پریشد کے ٹکٹ پر مقابلہ کررہے تھے صرف گنتی کے کچھ ووٹ لے سکے۔ انتخابات میں کامیابی کے بعد ریاستی کابینہ میں آپ نے اپنے پہلے ہی عہدہ کو برقرار رکھا اور آپ وزیر برائے خوراک اور زراعت کا قلمدان سنبھالے رہے۔ آپ ایک ذہین اور حاضر جواب شخصیت کے مالک تھے اور ایک فعال وزیر کابینہ کی حیثیت سے اپنی زیر نگرانی محکموں کو

ترقی سے ہمکنار کردیا آپ کے حمایتی لوگ آپ کو یہاں ''فخر کوہستان کے نام سے پکارتے تھے۔ ۱۹۶۷ء کے اسمبلی انتخابات میں آپ اپنے مدمقابل نیشنل کانفرنس کے واحد امیدوار محمد اختر نظامی سے چند ووٹوں سے پیچھے رہ گئے۔ اُس وقت خواجہ غلام محمد صادق ریاست کے وزیر اعلیٰ تھے اور آپ نے کانگریس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا۔ آپ کے ہار جانے میں آپ کی پارٹی کا عدم تعاون بھی ایک وجہ بن گئی۔ آپ ریاست کے لینڈ مارگیج بنک کے اعزازی چیرمین بھی رہے اور ایک اچھے کوارپریٹور مانے گئے۔ ۱۹۶۹ء میں آپ کا جوان سال بیٹا جو ڈاکٹری کی تربیت مکمل کرکے مزید تربیت حاصل کرنے کے لئے لندن جانے کا خواہاں تھا اچانک ایک رات کو اپنے کمرے میں سردی کے موسم میں کمرے کی بخاری سے گیس کے اخراج ہونے سے چل بسا اور یہ صدمہ آپ کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا جس کے بعد آپ ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو جب آپ کی عمر صرف ۴۷ برس کی تھی آپ معمولی بیماری کے بعد رحلت کرگئے۔ اور اپنے پیچھے اپنی اہلیہ اور چار لڑکوں کو چھوڑ گئے۔ آپ کا بڑا فرزند نذیر احمد امریکہ میں مقیم ہے جو وہاں پر چیف انجینئر کے عہدہ پر فائز ہے دوسرا بیٹا ڈاکٹر پرویز بھی وہیں پر مقیم ہے اور ایک ماہر سرجن ہے۔ آپ کا چھوٹا فرزند محمد فاروق اپنی والدہ اور بچوں کے ہمراہ سرینگر میں مقیم ہے جہاں پر آپ کا مکان اور بڑا قطعہ اراضی وغیرہ موجود ہے۔

☆

ایوب خان

خواجہ محمد ایوب خان ایک معتمد وزیر کابینہ ایک رُکن پارلیمان اور ریاستی کانگریس کے صدر کی حیثیت سے اپنی نمایاں شخصیت اور شناخت کے حامل رہے ہیں۔ آپ ایک خاموش طبیعت لیکن سرگرم سیاسی کارکن نرم گو با اخلاق اور مدبر شخصیت کے مالک تھے۔ اپنے وسیع سیاسی تجربہ اور پارٹی وفاداری کی بنیاد پر آپ طویل عرصہ تک سیاست اور امور حکومت کے مختلف قلمدان ہائے وزارت کو خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ چلاتے رہے۔ اپنی شرافت نفسی اور غیر متنازعہ شخصیت کی بنا پر آپ لوگوں میں ہر دل عزیز رہے۔ آپ ایک لمبے عرصے تک اپنے حلقہ اسمبلی کے عوام کی ہر ممکن ترقی کے لئے کام کرتے رہے اور ریاست اور ملک کی سیاست میں اپنا رول ادا کرتے رہے۔

خواجہ محمد ایوب خان ۲۳ ستمبر ۱۹۲۳ء کو تحصیل بانہال کے موضع چملواس میں خواجہ سکندر خان کے ہاں پیدا ہوئے جو اس علاقے کا باثر خاندان رہا ہے۔ آپ اپنے والد کے پانچویں اور سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔ ابتدائی تعلیم مڈل سکول بانہال سے پاس کرنے کے بعد آپ نے میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی لاہور سے درجہ اول میں امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد آپ

سرینگر کے ایس۔ پی کالج میں ایف۔ اے کے لئے داخل ہو گئے اور بعدازاں امر سنگھ کالج سرینگر سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ مالیگام پوگل بانہال کے ایک دینی طرز کے رضا کارانہ سکول ''کوہستان کشفیہ سکول'' میں تین روپیہ ماہانہ مشاعرہ پر تعینات ہوئے' جس کا ذکر آپ کے ہاں یوں ملتا ہے۔ ''۱۹۴۴ء کا زمانہ تھا کہ میں کالج سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں چملواس میں اپنے آئندہ کے لئے پلان سوچ رہا تھا۔ ایک روز یونہی سرِراہ میری ملاقات اپنے مرحوم اُستاد پیرزادہ حاجی سیف الدین صاحب کے ساتھ ہوئی جو ان دنوں پوگل کے لور مڈل سکول میں متعین تھے اور ساتھ ساتھ انجمن کشفی کوہستانی پوگل پرستان مالیگام میں بھی انتظامیہ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ باتوں باتوں میں اُن سے انجمن کی کارکردگی کا ذکر ہوا پیر صاحب نے مشورہ دیا کہ جب تک میں بیکار ہوں انجمن کے ساتھ وابستہ ہو کر وقت گزاروں۔ مہاراجہ کی حکومت تھی۔ ریاست میں آزادی کی تحریک جاری تھی اُس دور کے ہر نوجوان کی طرح میری بھی کوئی منزل نہ تھی۔ پیر صاحب مرحوم کی بات سُن کر میں نے سوچا کہ اس تجویز پر عمل کرنے میں ہرج ہی کیا ہے۔

چنانچہ کچھ دنوں کے بعد بوریا بستر لیکر میں مالیگام پہنچا اور پھر پورے ڈھائی سال کے لئے وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اُن دنوں اس سکول کے ناظم اعلیٰ میاں محمد اسمٰعیل صاحب تھے۔ اُن کا دل انسانی ہمدردی اور ملی درد سے معمور تھا۔ آپ اگرچہ لاہور کے رہنے والے تھے مگر شادی پوگل میں کی تھی۔ گرمی کا موسم وہ لامحالہ پوگل میں گزارتے تھے اور یہاں رہ کر انجمن کی خدمات سرانجام دیتے

تھے۔ اُس زمانے میں انجمن کے سکول پرستان۔ پوگل۔ نیل۔ چک ناڑ واو اور ہنجہال میں چل رہے تھے۔ سکول چلانا اُن دنوں آسان کام نہیں تھا۔ مخیر حضرات افریقہ۔ ہندوستان اور باقی ممالک سے تھوڑی تھوڑی نقدی امداد کے طور پر بھیجا کرتے تھے جس سے بمشکل گزارہ ہوجاتا تھا۔ چونکہ سرکار کی طرف سے اس وسیع وعریض پہاڑی اور پسماندہ علاقہ کی طرف کوئی توجہ مبذول نہیں کی جاتی تھی اس لئے انجمن کا کام بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ میاں محمد اسماعیل صاحب یہ ذمہ داری نبھانے میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ چندہ کی فراہمی، حساب و کتاب رکھنا اور تمام سکولوں کی دیکھ بال کرنا اور معاینہ کرنا اُن ہی کا کام تھا۔ اُن کے کام میں معاونت اور اعانت مولوی عبدالسبحان صاحب مرحوم۔ محمد یوسف بالی مرحوم اور خاکسار اور دیگر اساتذہ کرتے تھے۔ ہم سب لوگ محض پیسے کے لئے نہیں بلکہ ایک عظیم مشن کے لئے دن رات محنت کرتے تھے۔ کبھی تنخواہ ملتی تھی اور کبھی نہیں ملتی تھی۔ مگر تنخواہ ہی ہمارے لئے سب کچھ نہ تھی۔ اس محنت شاقہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۴۷ء میں مالیگام میں ایک اچھی خاصی عمارت میں ایک بارونق مڈل سکول تھا۔ اچانک برصغیر میں تقسیم کی آندھی چلی اور ہمارے خوابوں کی دُنیا اُجڑ گئی۔ سارا انتظام درہم برہم ہوکر رہ گیا۔ میاں صاحب لاہور ایسے گئے کہ پھر وہاں سے واپس نہ آسکے۔ مجھے ناچار پوگل چھوڑنا پڑا اور یکا یک تقسیم سے متاثرہ فرقہ وارانہ فسادات میں تباہ شدہ لوگوں کی دوبارہ آباد کاری میں مصروف ہوگیا اور پھر سیاست کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زن ہوگیا[1]۔" تقسیم ملک کے واقعہ کے

۱: منظر پس منظر مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل اثری صفحہ ۱۰-۱۱۔

بعد اور کشفیہ سکول کی ملازمت سے کنارہ کش ہوکر آپ نے مہاجرین کی آباد کاری کے لئے ہمہ وقت کام کیا۔ اس وقت مہاجرین کی آبادکاری اور امن و قانون کی بحالی کے لئے سرینگر کشمیر کے ایک آفیسر خواجہ محمد امین کو رام بن بانہال میں ایمرجنسی آفیسر تعینات کیا گیا جو بعد میں ضلع ڈوڈہ کے ڈپٹی کمشنر بھی متعین ہوئے۔ خواجہ محمد ایوب خان کو بھی رام بن اور گول وغیرہ علاقہ جات میں بحالی آفیسر تعینات کیا گیا لیکن آپ کچھ ہی عرصہ بعد مستعفی ہوکر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی جانب سے چلائی جانے والی تحریک آزادی کے سرگرم رُکن بن گئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد مہاراجہ ہری سنگھ ریاست چھوڑ کر چلے گئے اور شیخ محمد عبداللہ نے بحیثیت وزیراعظم اختیارات حاصل کر لئے۔ ۱۹۵۱ء میں جب ریاست میں ایک صدارتی اعلان نامہ کے مطابق پہلی بار آئین سازی اور انتظامی کارگزاری کے لئے قانون ساز اسمبلی کو تشکیل دیا گیا تو آپ بلامقابلہ گول ارناس کے حلقہ انتخاب سے رُکن اسمبلی قرار دیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو وزیر مال کے ساتھ پارلیمانی سکریٹری کے طور پر بھی ۱۹۵۲-۵۳ میں متعین کیا گیا۔ آپ نیشنل کانفرنس کے پارلیمانی انتظامیہ کے بھی رُکن رہے۔ اسی دوران شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ گرفتار ہوئے اور بخشی غلام محمد برسر اقتدار آگئے۔ نیشنل کانفرنس کے سرگرم کارکن اور شیخ صاحب کے حامی ہونے کے سبب آپ بھی گرفتاری سے بچنے کے لئے روپوش ہوگئے اور بعد ازاں بخشی غلام محمد کے درمیانہ داروں کی وساطت سے پھر سے حکومت میں شامل ہوگئے۔ آپ ۱۹۵۱ سے لیکر ۱۹۷۵ء تک بلاخلل کے تقریباً چوبیس سال تک لگاتار حلقہ انتخاب گول ارناس کی نمائندگی کرتے

رہے۔ بخشی غلام محمد کے دورِ حکومت میں آپ نیشنل کانفرنس کے صوبائی نائب صدر رہے۔ اور جب خواجہ شمس الدین وزیر اعظم ہوئے آپ کو ٹرانسپورٹ اور ایکسائیز کا قلمدان دیا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں نیشنل کانفرنس کے بیشتر ممبران کے کانگریس میں ادغام کے بعد آپ کانگریس میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۶۷ سے ۱۹۷۶ء تک آپ ایک فعال وزیر کابینہ کی حیثیت سے امور حکومت میں ہاتھ بٹاتے رہے اور محکمہ مال، محکمہ صحت اور محکمہ جنگلات جیسے اہم قلمدان وزارت کے عہدوں پر فائیز رہے اور بہت ہی حُسن خوبی کے ساتھ ان قلمدانوں کو چلاتے رہے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۶ء تک آپ ہند۔ روس کلچر سوسائیٹی کے اعزازی چیر مین رہے اور کئی سفارتی دوروں پر گئے اس کے علاوہ آپ کو تنظیمی اموارت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کی گئیں اور آپ ۱۹۷۱۔ ۷۵ تک ریاستی پردیش کانگریس کے صدر کے عہدہ پر فائیز رہے اسوقت سید میر قاسم ریاست کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے برسر اقتدار تھے۔ ۱۹۷۷ کے انتخابات میں آپ حاجی بلند خان سے اپنے دیرینہ انتخابی حلقہ گول ارناس سے انتخاب ہار بیٹھے اور شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں نیشنل کانفرنس بھاری اکثریت کے ساتھ پوری ریاست میں چھائی رہی۔ ۱۹۸۷ میں آپ حلقہ انتخاب ریاسی سے ممبر اسمبلی منتخب ہوئے اور اس کے دو سال بعد ۱۹۸۹ میں پارلیمانی حلقہ ڈوڈہ۔ اودھمپور سے ملک کی پارلیمنٹ کے لئے بھاری اکثریت سے رُکن پارلیمان منتخب ہوئے۔ آپ وقتاً فوقتاً مختلف حکومتی اور نیم سرکاری اداروں کے بھی اعزازی عہدہ دار رہے۔ آپ ۱۹۹۰ سے لیکر ۲۰۰۷ تک جموں اینڈ کشمیر کواپریٹو یونین کے صدر رہے اور ۱۹۹۸ سے

۲۰۰۷ء تک ریاست کے JACKFED کے چیر مین رہنے کے علاوہ تاحیات گاندھی سیوا سدھن کے مسلسل نائب چیئر مین رہے۔ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ کو آپ کچھ عرصہ تک بستر علالت پر رہنے کے بعد انتقال کر گئے اور گوجر نگر جموں کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اس موقعہ پر ریاستی وزرا۔ ممبران اسمبلی اور سرکردہ شہری اور معززین آپ کی تدفین اور نمازِ جنازہ میں شامل رہے ریاست کے مختلف اردو اور انگریزی روزناموں نے آپ کی سیاسی خدمات اور شخصیت کے حوالے سے خاص کالم شائع کئے۔ آپ کی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہوا ہے۔ آپ کی بڑی لڑکی جو پیشے سے ڈاکٹر ہے اپنے ہم پیشہ شوہر جو راجستھان کے ٹونک شہر سے تعلق رکھتا ہے آج مسکت MUSKAT میں رہائش پذیر ہے۔ دوسری لڑکی جو فوجی سکول میں معلمہ تھی اپنے شوہر کے ہمراہ دوبئی Dubai میں مقیم ہے اور آپ کی تیسری دختر زاہدہ پروین ضلع کٹھوعہ میں آج کل ترقیاتی کمشنر کے فرائض انجام دے رہی ہے۔ آپ کا فرزند ڈاکٹر دانش ریاست کے محکمہ صحت میں تعینات ہے اور اُس کی اہلیہ بھی اسی پیشے سے تعلق رکھتی ہے خان صاحب کی اہلیہ محترمہ ابھی بقید حیات ہیں۔

قدرت کی حفاظت (ایک حیرت انگیز واقعہ):

خان صاحب بی۔ اے میں زیر تعلیم تھے اور سرمائی تعطیلات پڑنے کی وجہ سے سرینگر کشمیر سے اپنے گھر یا ننھیال آنے والے تھے۔ قاضی گنڈ پہنچکر آپ نے تھوڑا سا آگے اُجر کے مقام پر رات کو اپنے رشتہ داروں کے ہاں قیام کیا۔ اُن دنوں مسافروں کو پیر پنچال پہاڑ کے اُوپر سے گاڑی میں سفر کرنا پڑتا تھا اس لئے

اس سفر پر پوری تیاری کے ساتھ نکلنا پڑتا تھا۔ جب آپ دوسری صبح کو اُجر سے نکلے تو آپ کے رشتہ داروں نے آپ کو پورے دن کا کھانا اور کانگڑی میں آگ وغیرہ ڈال کر دی۔ اُن دنوں بس کے پچھلے نصف حصے میں سرکاری ڈاک یا مال ہوتا تھا اور اگلے نصف حصے میں سواریاں ہوتی تھیں۔ جب آپ بس میں سوار ہوئے تو تھوڑی دیر کے بعد برف گرنا شروع ہوگئی بس پیر پنچال کے بالائی حصے پر پہنچ گئی تو برف اتنا زیادہ گری کہ راستہ مسدود ہوگیا۔ اتفاق سے بس ایک ایسی جگہ پر رُک گئی جہاں پر چھت کی مانند ایک چٹان باہر کو نکلی ہوئی تھی اور ڈرائیور نے اُسی چھت نما چٹان کے تلے گاڑی کھڑی کردی۔ سواریاں اور ڈرائیور نیچے اُتر گئے اور نیچے وینیوہ گاؤں کی بستی کی طرف رخ کیا۔ خان صاحب نے ایک مسافر کو دو روپے دیئے کہ وہ اُن کی کتابوں کی صندوقچی کو اٹھائے۔ لیکن تھوڑا دور چل کر برف کی موٹی تہہ کو دیکھکر اُس نے صندوقچی اُٹھانے سے انکار کیا اور خانصاحب کو اُس صندوقچی کو واپس گاڑی میں رکھنے کو کہا اور یقین دلایا کہ وہ اُنکا انتظار کریں گے خانصاحب نے صندوق گاڑی میں ڈالا اور جب واپس پہنچا تو وہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے تھے اور اکیلے آگے نہ جا سکے اسطرح سے چارونا چار واپس مُڑ کر بس میں بیٹھ گئے۔ چونکہ بس کے مسافروں کو جموں جانا تھا اس لئے انہوں نے اپنے ساتھ دو تین دن کا کھانا بنا کر ساتھ لا کر بس میں رکھا تھا۔ اس کے علاوہ کانگڑیاں۔ کوئیلہ اور گھاس کے جوتے بھی ساتھ لائے تھے جو بس میں ہی رکھ گئے تھے۔ رات کو اتنی زیادہ برف گرگئی کہ پوری گاڑی برف میں غائب ہوگئی البتہ چٹان کے نیچے دائیں طرف کا حصہ قدرے برف سے بچا رہا

اور وہاں سے روشنی اور ہوا آتی رہی برف لگاتار گرتی رہی۔ بس میں کچھ امبری سیب کی پیٹیاں اور اخروٹ کی گریوں کے ڈبے بھی رکھے ہوئے تھے۔ خان صاحب نے تو پہلے کسی چیز کو ہاتھ لگانا مناسب نہ سمجھا لیکن جب بھوک کی شدت بڑھ گئی تو آپ نے اپنے چاول کھانے کے بعد سواریوں کے رکھے ہوئے پکائے ہوئے چاول بھی آہستہ آہستہ کھانا شروع کئے اور ساتھ میں جو کوئیلے مسافروں نے گاڑی میں رکھے ہوئے تھے' کانگڑی میں ڈال کر خود کو گرمی بھی پہنچاتے رہے۔ دوسرے یا تیسرے دن کے بعد آپ نے سیبوں اور اخروٹ کی گریوں کا بھی مزا چکھنا شروع کیا اور اس طرح سے بھوک پر قابو پاتے رہے اور خود کو بچاتے رہے۔ یہاں سے آپ کے رشتہ داروں تک یہ خبر پہنچ گئی کہ آپ کہیں راستے میں پھنس کر رہ گئے ہیں اور وہ جھلو اس سے نکل کر پیر پنچال کی طرف روانہ ہوتے رہے لیکن تیز آندھی اور برف کے سبب ٹھہار یا نہال سے آگے جا نہ سکے اور وہاں سے واپس آتے رہے تقریباً ایک ہفتہ کے بعد کھلی دھوپ نکل آئی۔ آپ گاڑی سے نیچے اُترے لیکن راستے ہر طرف سے غائب تھے۔ آپ نے بڑی ہمت سے کام لیا اور گاڑی میں رکھے ہوئے کشمیری مسافروں کے پٹے جن کو "پوتو ہوز" کہتے ہیں اپنی ٹانگوں پر باندھ لئے اور گھاس کے جوتے پہنکر (پُولے) پہن کر یخ بستہ برف پر چل کر نیچے گاؤں کی اور رُخ کیا۔ کیونکہ جمی ہوئی برف پر چلنا اب آسان تھا۔ تھوڑا سا نیچے چل کر آپ نے ایک لکڑی کا Hut دیکھا۔ جو محکمہ تار اور ٹیلیفون والوں کا تھا۔ آپ نے اندر جھانک کر دیکھا اس میں محکمہ کے دو اہلکار مردہ حالت میں تھے اور ایک آدمی ٹیلیفون کا رسیور ہاتھ

میں پکڑے ہوئے ہی دم توڑ بیٹھا تھا۔ اسی اثناء میں گاؤں کے کئی لوگ جن کو گاڑی کے بارے میں سواریوں نے بتایا ہوا تھا پہاڑ کی طرف آنے لگے اور آپ کو دیکھ کر حیران ہوگئے اور آپ کو بہ حفاظت گاؤں میں پہنچایا۔ وہاں آپ کے کچھ دور پار کے رشتہ دار بھی رہتے تھے۔ تقریباً ایک ہفتہ کے بعد آپ کے رشتہ دار وہاں سے آپکو اپنے گھر چملو اس میں پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ کسی کو ایک آپ کے زندہ بچنے کی اُمید نہیں تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے اُس کی حفاظت کا کس طرح سے انتظام کرتا ہے (یہ واقعہ راقم کو مرحوم خان صاحب کے بھتیجے جناب قمرالدین خان صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ کمشنر جو خان صاحب کے فرزند نسبتی بھی ہیں نے سُنایا جو اُن کو من وعن مرحوم خان صاحب نے سُنایا ہوا تھا)

☆

مولوی عبدالرشید

مولوی عبدالرشید بانہال کے پہاڑی علاقے مالیگام پوگل سے تعلق رکھنے والے ایک بے باک دیانتدار، سیاست کار اور بے داغ شخصیت کے مالک ہیں جو گذشتہ دو دہائی سے زیادہ عرصہ تک اس علاقہ کی نمائندگی کرتے رہے۔ آپ محاذ رائے شماری کے اولین اراکین اور شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھیوں اور حمایتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں جب شیخ صاحب کو برطرف کر کے گرفتار کیا گیا تو آپ اُن کے ایک سرگرم حمایتی ہونے کی سبب جیل بھیجدیے گئے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۹۶ء تک اور پھر ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۸ء تک آپ ریاستی قانون ساز اسمبلی میں اس علاقے کی نمائندگی کرتے رہے اور اسمبلی میں کچھ عرصہ ڈپٹی اسپیکر اور کچھ ماہ کے لئے قائم مقام اسپیکر کے طور پر بھی رہے۔ قریباً اسی (۸۰) برس سے زیادہ عمر میں آج بھی خوددار اور خورسندہ نظر آتے ہیں اور اپنے سادہ وضع کے آبائی مکان میں رہتے ہیں۔ نیشنل کانفرنس کے وفادار اور دیرینہ کارکن کی حیثیت سے اپنی پارٹی میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مولوی عبدالرشید ۱۶ راکتوبر ۱۹۳۲ء میں تھنہ مالیگام پوگل میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد کا راجپوت خاندان سے تعلق ہونا بتاتا جاتا ہے جو مغلیہ دور

حکومت میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سلطان راجپوت کا فوج میں ملازم ہونا بتایا جاتا ہے جس کا زور آور سنگھ کے ساتھ کسی لڑائی میں کام آنا ہوا بتایا جاتا ہے۔

مولوی عبدالرشید کے والد عبدالسبحان ایک نیک سیرت، دیندار اور صالح شخصیت تھے جنہوں نے اس علاقہ میں اُس وقت کے دینی درسگاہ کشفی کوہستانی سکول کی بنیاد رکھی۔ مولوی عبدالسبحان کی دو ازدواج تھیں پہلی بیوی کے بطن سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں اور دوسری بیوی، جو اس علاقہ کے ایک معروف عالم دین مولوی احمد اللہ بالی، جو آپ کے ماموں بھی تھے کی دختر سے ہوئی، جس کا واحد فرزند مولوی عبدالرشید ہوا۔ مولوی عبدالرشید نے ابتدائی ساتویں درجے تک کی تعلیم کشفیہ کوہستانی سکول میں ہی حاصل کی۔ ساتویں جماعت کے بعد آپ کا اُستاد جو خانیار سرینگر کا رہنے والا تھا آپ کو اپنے ہمراہ لے گیا اور وہاں زیر تعلیم رکھا۔ مڈل اسٹنڈرڈ کا امتحان آپ نے اودھمپور سے پاس کیا اور ۱۹۴۶ء میں بھدرواہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے جموں کے پرنس آف ویلز کالج میں ایف۔ اے کے لئے داخلہ لیا، لیکن اس دوران جموں میں حالات بگڑ گئے اور اکتوبر میں فساد برپا ہوا۔ آپ تقریباً دو ماہ تک جموں کے اُستاد محلہ میں پابند ہو کر رہ گئے۔ دسمبر میں جب شیخ صاحب جموں پہنچے اور حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کی تو آپ مشکل سے جان بچا کر گھر پہنچ گئے۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں مولوی صاحب کی شادی اپنے گاؤں کے ایک دیندار شخص مولوی محمد یوسف بالی کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں آپ کے والد مولوی

عبدالسبحان رحلت فرما گئے اور آپ پر گھریلو ذمہ داریوں کے بوجھ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ۱۹۵۳ء میں جب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کو جو اس وقت ریاست کے وزیر اعظم تھے، ایک منصوبہ کے تحت اقتدار سے برطرف کر کے گرفتار کیا گیا تو آپ بھی اس غیر منصفانہ اقدام کے خلاف اپنے علاقے کے ایک جوشیلے جوان کی حیثیت سے احتجاج کرنے والوں کے پیش پیش رہے اور گرفتار ہو کر تین ماہ تک جموں کے سینٹرل جیل بھیجدئے گئے۔ رہائی کے کچھ عرصہ بعد آپ کو پنچایتوں کا انسپکٹر تعینات کیا گیا۔ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو آپ نے نوکری سے استعفےٰ دے دیا اور مرزا افضل بیگ کی قائم کردہ محاذ رائے شماری میں شامل ہو گئے اور رام بن تحصیل کے اس تنظیم کے سیکریٹری مقرر کئے گئے۔ ۱۹۵۷ء میں جب بخشی غلام محمد کی زیر قیادت انتخابات کا عمل شروع کیا گیا آپ نے انتخابات کے بائیکاٹ کرنے کیلئے مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپ رام بن میں حراست میں لئے گئے اور تین ماہ کے بعد رہا ہوئے۔ اس کے بعد دو سال تک آپ کے خلاف عدالت میں مقدمہ چلتا رہا۔ ۱۹۶۱ء میں تحریک کا سرگرم رکن ہونے کی حیثیت سے آپ کو تحصیل رام بن کیلئے محاذ رائے شماری کا صدر بنایا گیا اور آپ سرگرمی کے ساتھ تنظیم کا کام کرنے لگے۔

دریں اثنا آپ کو سیفٹی ایکٹ کے تحت حراست میں لیکر ریاسی کے سب جیل میں بھیجدیا گیا، جہاں چھ ماہ تک جیل کی عقوبت جھیلتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کو پھر سے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت پہلے کٹھوعہ اور پھر کد جیل میں رکھا گیا اور ۳۰/ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پیرول پر رہا کر دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں محاذ رائے شماری پر

پابندی لگادی گئی اور اس تنظیم کے بیشتر اراکین کو گرفتار کیا گیا اور مولوی صاحب بھی گرفتار ہو کر تقریباً ایک سال کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ شیخ صاحب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیشِ نظر مفاہمت کا راستہ نکالنے کی کوشش کی گئی اور ۱۹۷۵ء میں اندرا شیخ ایکارڈ کے تحت شیخ صاحب دوبارہ برسرِ اقتدار آ گئے اور کانگریس کے اراکین نے آپ کی حمایت کی، سید میر قاسم جو اس وقت وزیر اعلیٰ تھے، شیخ صاحب کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ ۱۹۷۶ء میں جب ضلع ترقیاتی بورڈوں کا قیام عمل میں لایا گیا تو مولوی صاحب اپنے ضلع کے بورڈ کے ایک ممبر بنائے گئے اس کے علاوہ آپ رام بن زون کے تنظیمی صدر اور ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر بنائے گئے۔ ۱۹۷۶ء میں ہی ایک ڈیلی گیٹ سیشن منعقد ہوا، جس میں بڑے بحث و مباحثہ کے بعد محاذ رائے شماری کے ممبران بھی نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۷۷ء میں کانگریس نے شیخ صاحب سے حمایت واپس لی اور شیخ صاحب کی سفارش پر گورنر نے اسمبلی کو تحلیل کر کے نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ مولوی عبدالرشید اس انتخاب میں نیشنل کانفرنس کے امیدوار کی حیثیت سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے اور آپ کے مدمقابل محمد اختر نظامی انتخاب ہار گئے۔ ۱۹۸۳ء کے انتخابات میں آپ پھر سے نیشنل کانفرنس کے امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوئے اور آپ کے مدمقابل کانگریس کے ثناء اللہ بانہالی اور دیگر کئی امیدوار ہار گئے۔ ۲؍جولائی ۱۹۸۴ء کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حکومت کو برخاست کر دیا گیا اور غلام محمد شاہ ۲۶؍کانگریس ممبران کی حمایت سے وزیر اعلیٰ بن گئے۔ مولوی صاحب کو اس موقعہ پر آپ کے بقول فاروق سرکار کی

حمایت ترک کرنے کیلئے لاکھوں روپے کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے اس پیشکش کو ٹھکرایا اور اپنے موقف پر کاربند رہے۔

مارچ ۱۹۸۶ء میں کانگریس نے غلام محمد شاہ سے حمایت واپس لی اور اس لنگڑی حکومت کا خاتمہ کر کے گورنر راج لاگو کیا گیا۔ ۱۹۸۷ء میں پھر سے انتخابات ہوئے اور آپ تیسری بار بھی کامیاب ہوئے اور آپ کے مدمقابل کانگریس کے ثناء اللہ بانہالی متحدہ محاذ کے امیدوار اور آزاد امیدوار بھی الیکشن ہار بیٹھے۔ آپ کو ریاستی اسمبلی کا ڈپٹی سپیکر بنایا گیا اور ۱۹۸۸ء میں اسپیکر کے استعفےٰ کے بعد آپ کچھ ماہ کے لئے قائمقام اسپیکر بھی رہے۔ ۱۹۸۹ء میں وادی میں حالات کشیدہ ہو گئے اور عسکری کارروائیوں کا آغاز ہونے لگا۔ ریاست کے اُس وقت کے گورنر شری جگموہن نے حکومت کو برخواست کر کے گورنر کا نفاذ کیا۔

۱۹۹۶ء میں آٹھ سال کے وقفہ کے بعد انتخابات کا عمل شروع ہوا۔ مولوی صاحب اپنے ہی ایک جوان سال سابقہ کارکن محمد فاروق میر آزاد امیدوار کے ہاتھوں الیکشن ہار بیٹھے اس انتخاب میں اُس وقت کے سبکدوش شدہ ایڈوائزر عبدالحمید خان بھی الیکشن ہار بیٹھے جو کانگریس کے ٹکٹ پر امیدوار تھے۔ ۲۰۰۲ء میں نیشنل کانفرنس نے مولوی صاحب کی عمر بھر کی وابستگی کو نظر انداز کر کے ٹکٹ دینے سے ہاتھ کھینچ لیا اور آپ ایک آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے ۷۰؍برس کی عمر میں میدان میں اُترے اور اپنے مدمقابل نیشنل کانفرنس کے محمد فاروق میر پر سبقت حاصل کی اس انتخاب میں کانگریس کے سرکردہ رہنما محمد ایوب خان بھی الیکشن ہار بیٹھے۔ ۲۰۰۸ء کے انتخاب میں آپ کانگریس کے منڈیٹ کیلئے متوقع

امیدوار تھے لیکن پارٹی نے آخری وقت میں فیصلہ بدل کر نوجوان امیدوار وقار رسول کو میدان میں اُتارا اور مولوی صاحب پھر سے ایک آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے میدان میں آگئے۔ لیکن پی۔ڈی۔پی کے اُمیدوار شوکت، ڈینگ نے آپ کے علاقے کے ووٹوں کی اکثریت کا توڑ کر دیا اور کانگریس کے جوان سال امیدوار وقار رسول کامیاب قرار دیے گئے۔ اس انتخاب میں نیشنل کانفرنس کے جواں سال امیدوار سجاد شاہین کے علاوہ ایک درجن سے زیادہ دیگر جماعتوں سے تعلق رکھنے والے اور آزاد امیدوار میدان میں پیچھے رہ گئے۔

۲۰۰۶ء میں مولوی صاحب نے فریضہ حج انجام دیا۔ آپ بچپن سے شکار کھیلنے اور گھوڑا سواری کے شوقین تھے اور بسا اوقات اونچی پہاڑی، اوواروں میں جہاں آپ کے مال مویشی بھی ہوتے تھے اس شوق کو پورا کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آج بھی ۸۰؍ برس کی عمر میں پُر عزم اور بشاش دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے علاقے کی تعمیراتی کاموں میں آپ نے حتی المقدور اپنا حصہ ادا کیا۔ ایک لمبے عرصے تک رُکن اسمبلی کی حیثیت سے لگاتار جیت درج کرانے کے حوالے سے آپ وزارتی کونسل میں رُکنیت کے مستحق ہو سکتے تھے لیکن آپ کو یہ موقع دینے میں قدرے جانبداری اور ناانصافی سے کام لیا جس کے سبب اس علاقے کی ترقی میں حسب توقع پیش رفت نہ ہو سکی۔ نیشنل کانفرنس کے دیرینہ کارکن کی حیثیت سے آج بھی اپنی پارٹی میں احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔

☆

ٹھاکور دیوی داس

جسٹس شری دیوی داس ٹھاکور ایک ماہر قانون۔ ریاستی عدلیہ کے ایک فاضل جج ملک کی سپریم کورٹ کے ایک معزز اور سینئر ایڈووکیٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سرکردہ سیاسی صلاح کار، انتظامی اور حکومتی سربراہ ہونے کے علاوہ ایک ادیب، صحافی اور دانشور کی حیثیت سے ایک ممتاز اور با اثر شخصیت کے مالک رہے ہیں۔ آپ نے اپنی لگاتار محنت ذہانت اور لگن سے ایوان انصاف اور سیاست کے اعلیٰ عہدوں تک رسائی حاصل کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور عوامی خدمت کا فرض انجام دیا۔ مرحوم شیخ محمد عبداللہ نے آپ کو پہاڑوں سے نکلے ہوئے ایک ہیرے کا نام دیا تھا۔ آپ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بُردبار اور دُور اندیش شخصیت کے مالک تھے اور اپنے پسماندہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ بہت ہی نرم مزاجی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آتے رہے۔ ایک ماہر قانون اور ایک انتظامی سربراہ کی حیثیت سے آپ کی کارکردگی نمایاں اور قابل ستائش رہی ہے۔

شری ٹھاکور دیوی داس ۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو رام سو مکڑ کوٹ تحصیل بانہال کے ایک گاؤں بڑرو میں ٹھاکر موتی رام کے ہاں تولد ہوئے۔ آپ کے مورث اعلیٰ

ٹھاکور گلاب سنگھ شخصی دور حکومت میں اُودھمپور کے دوندری گاؤں سے منتقل ہو کر پہلے رام بن اور پھر بڑو علاقے میں مقیم ہو گئے تھے۔

ٹھاکور دیوی داس کے والد موتی رام پہلے رام بن میں اور بعد میں بڑو میں دُکانداری کا کام کرتے تھے اور اپنے علاقے کے ایک معتبر پنچ بھی تھے۔ ٹھاکور دیوی داس اپنی ماں کے اکلوتے لڑکے اور پریوار کے چہیتے بیٹے تھے۔ آپ کی تین اور چھوٹی بہنیں بھی تھیں۔

چار سال کی عمر میں ٹھاکور دیوی داس کو اپنے مقامی پرائمری سکول بڑو میں داخل کیا گیا۔ ۱۹۴۱ء میں آپ نے اس سکول سے پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا اور آپ کے والد نے آپ کو بانہال جا کر وہاں سرکاری مڈل سکول میں آپ کا داخلہ کرا لیا اُس وقت اس سکول میں ایک نیک دل ہیڈ ماسٹر ترلوک سنگھ اور بنکوٹ کے مولوی غلام احمد شاہ اُستاد تھے جن کی رفاقت کا آپ نے خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

ٹھاکر صاحب کے والد کا خیال تھا کہ وہ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کو عرائض نویسی کا پیشہ اختیار کرائیں گے۔ لیکن حالات نے آپ کا اچھا ساتھ دیا اور آپ نے اُودھمپور میں میٹرک کے لئے داخلہ لیا۔ یہاں پر آپ نے ابتدا میں ایک پنڈت ہری بھگت کے گھر میں قیام کیا جو آپ کے والد کا واقف تھا اور اُن کے یہی مراسم، دراصل آپ کے داخلہ کا بھی سبب بن گئے۔ اُودھمپور میں آپ نے دو سال قیام کیا اور ۱۹۴۶ء میں یہاں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اُودھمپور میں آپ نے ایک دن ایکسکرشن کے دوران ایک گہری ندی میں

تیرنے کی کوشش کی لیکن پانی کے تیز بہاو نے آپ کو ڈبو لیا۔ سب لڑکے آپ کے بچاؤ کے لئے دوڑے لیکن بے سود۔ آخر آپ اچانک ایک چٹان کے قریب پہنچ کر رُک گئے جہاں سے آپ کو بچا لیا گیا۔ آپ اس واقعہ کا یوں ذکر کرتے ہیں ”چالیس سال بعد جب میں محکمہ بجلی کا منسٹر تھا اور چنینی پاور ہاؤس کے پروجیکٹ کے دوسرے مرحلے کا سنگ بنیاد رکھنا تھا میرے ساتھ ایک درجن گاڑیوں کا قافلہ تھا۔ میں اچانک اس جگہ پر رُک گیا تو سب کے سب لوگ رُک گئے۔ میں اُس واقعہ کو یاد کر کے رونے لگا۔ دوسرے لوگوں نے سوچا شاید میرے ذہن میں کوئی دوسرا پروجیکٹ ہے لیکن میں نے انہیں بتایا کہ کسطرح ۱۹۴۴ء میں میں یہاں ڈوبا تھا اور قدرت کسطرح میرے بچاؤ کے لئے آئی تھی“[1]۔ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ کو جب آپ کی عمر سولہ برس کی تھی۔ آپ کی شادی اپنے ہی علاقے کی ایک لڑکی سرسوتی دیوی سے ہوئی۔ اس کے بعد جون ۱۹۴۶ میں آپ نے سرینگر جا کر ایس۔ پی کالج میں داخلہ لیا۔ اس داخلہ میں آپ کو سرینگر کے ایک کشمیری پنڈت رام چند بھان کی تحریک اور حمایت حاصل رہی جو اسوقت آپ کے ہاں بڑو میں آپ کے چچا کے ایک کرایہ دار تھے اور جو دان سنگھ نریندر سنگھ فارسٹ لیسز کے منیجر کے طور پر کام کرتے تھے۔ اسی دوران ۱۹۴۶ میں شیخ محمد عبداللہ کو مہاراجہ کی حکومت نے گرفتار کیا اور پنڈت جواہر لال نہرو اُن کی وکالت کیلئے آئے جن کو کوہالہ میں گرفتار کیا گیا۔ سرینگر میں حالات بگڑ گئے آپ کوہالہ کے راستے جموں اور پھر وہاں سے اپنے گھر بڑو پہنچ گئے۔ اسی دوران بقول آپ کے مظفر آباد کی

---

۱ یادوں کے چراغ جسٹس ڈی ڈی ٹھاکور، ترجمہ محمد حسین۔

جانب سے قبائیلی حملہ ہوا۔ کرنل نارائین سنگھ جو دومیل میں مقیم تھے اُسے اپنے ہی سپاہیوں نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ حملہ آوروں نے بارہمولہ پر قبضہ کرلیا۔ اور مہاراجہ نے موٹروں کے قافلہ کے ساتھ جموں کا رُخ اختیار کیا۔ لوگوں کو مہاراجہ کے بھاگنے پر افسوس ہوا اور اُسے بزدل قرار دیا گیا۔ بخشی غلام محمد۔ مرزا محمد افضل بیگ مولانا مسعودی اور ڈی۔ پی دھر اُس وقت یہاں کے مشہور رہنما تھے۔ مولانا مسعودی نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری تھے ۲۲ اکتوبر سے ۲۶ اکتوبر تک ہندوستانی افواج جہازوں کے ذریعے سرینگر کے ہوائی اڈے پر اُتری۔ کالج کو ایمرجنسی کی وجہ سے بند کردیا گیا اور آپ بھی اپنے گھر چلے آئے۔ یہاں ان دنوں عبدالرحیم بالی سولہ سترہ برس کے ایک خوش اخلاق اور سنجیدہ نوجوان تھے جو بی۔ اے میں زیر تعلیم تھے جو بقول آپ کے پورے علاقے میں ایمرجنسی کے دوران چھایا رہا اور نیشنل کانفرنس کی جانب سے اس تنظیم کی کاروائی کو اخبار ''چاند'' اور ''خدمت'' میں چھپواتا رہا۔ ٹھاکر صاحب بھی بقول آپ کے جلوس میں شرکت کرتا رہا۔ دوسرے سال فروری میں سرینگر میں پھر سے سکول کُھل گئے اور آپ پھر سرینگر چلے گئے۔ اُسی سال بقول آپ کے فوج کے ایک میجر نے امر سنگھ کالج میں طلبا کو فوج میں کمشنڈ آفسر بھرتی ہونے کے لئے انتخاب کیا اور آپ بھی ٹرینگ کے لئے منتخب ہوئے لیکن آپ کو اپنے ایک دوست جنار دھن نے فوج میں بھرتی ہونے سے روکا۔ آپ نے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا اور بی۔ اے کے لئے امر سنگھ کالج میں داخلہ لیا۔ ۲۰ سال کی عمر میں آپ نے گریجوشن کا امتحان پاس کیا اور آپ پونگل پرستان کے پہلے گریجویٹ ہوئے۔

۱۹۵۰ء میں آپ نے نیشنل کانفرنس کے ایک کنونیشن میں اپنے علاقے کے ایک ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شرکت کی۔ خواجہ عبدالغنی گونی اسوقت اس تنظیم کے ضلع کے صدر رہتے تھے جو بعد میں رُکن اسمبلی بھی رہے۔ اسی دوران شیخ محمد عبداللہ سرینگر سے جموں جاتے ہوئے رام بن میں رُکے تو آپ نے اُنہیں نائب تحصیلدار تعینات کرنے کے لئے اپنی درخواست پیش کی جس پر آپ نے رضامندی ظاہر کی اور آپ کو جموں میں آنے کو کہا لیکن بعد میں ایسا نہ ہوسکا۔ آپ کے پی۔ اے نے آپ کو ڈپٹی ڈائریکٹر ایجوکیشن کے نام ایک مکتوب دیا اور اُن کے پاس جانے کو کہا۔ ڈپٹی ڈائریکٹر جان کی ناتھ کول امر سنگھ کالج میں آپ کے استاد بھی رہ چکے تھے۔ آپ نے اُنہیں کلرک بننے کے بجائے اُستاد بننے کو کہا لیکن آپ باہر نکل کر آرڈر لئے بغیر چل دیے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کو ایک لفافہ موصول ہوا جسمیں آپ کو بہ حکم پرائم منسٹر صاحب سنٹرل سکول پونگل میں اُستاد تعینات کیا گیا۔ آپ کچھ عرصہ کے لئے اس سکول میں ڈیوٹی انجام دیتے رہے یہاں پر سات یا آٹھ اُستاد اور بھی تھے۔ بکرمی ۲۰۰۱ کو آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے الہ آباد لکھنو یونیورسٹی میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے داخلہ لیا۔ یہاں آپ کو وائیس چانسلر لاج ہوسٹل میں رہنے کے لئے جگہ مل گئی اور آپ کے ساتھ یہاں ایک نواب زادہ ہریندر بھی رہتا تھا جس کو ماہوار پندرہ سو روپیہ خرچہ ملتا تھا اور تیسری بار بھی امتحان میں فیل ہوا تھا۔ اس دوران آپ نے ٹائپ سیکھنے کی بھی مہارت حاصل کی اور ایک آرٹ ایمپوریم میں جزوقتی کام بھی کرنے لگے۔ اس ہوسٹل میں اگنی ہوتری اور جے پی شاہ نام

کے آپ کے اور دو ساتھی تھے جو بعد میں ایڈوائزر کے عہدوں سے سبکدوش ہوگئے۔ آپ یہاں پر ڈاکٹر نندنی۔ ڈاکٹر شرد کمار اور ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے بھی شاگرد رہے جو بعد میں صدر جمہوریہ کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آپ یونیورسٹی کے قانونی شعبہ کے مناظرات میں حصہ لیتے رہے اور انعامات بھی حاصل کرتے رہے۔ آل انڈیا انٹر یونیورسٹی کے ایک مناظرے میں آپ نے اول انعام حاصل کیا اور آپ اپنے اساتذہ کی نظروں میں سماگئے۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں قانون کی ڈگری کا امتحان دینے کے بعد آپ کو اپنے گھر واپس آنا تھا لیکن آپ مسٹر چڈّی جی فوجداری کے ایک مشہور وکیل کے چیمبر کے ساتھ منسلک ہوگئے۔ آپ کو بقول آپ کے لکھنو کی شائستگی۔ وضاحت و بلاغت اور آداب نشست و برخاست نے آپ کے دل کو موہ لیا۔ ۱۹۵۳ء میں بخشی غلام محمد جو اسوقت ریاست کے وزیراعظم تھے جب بقول آپ کے ایک بار لکھنو یونیورسٹی میں آئے تو آپ کشمیر سے تعلق رکھنے والے طلبا سے ملاقی ہوئے۔ اور جب آپ کے تعارف کی باری آئی تو آپ نے اُن سے کہا کہ میں وکالت کی ڈگری کر رہا ہوں۔ اس پر آپ نے زیادہ توجہ نہ دی اور کہا "ہمیں صرف ڈاکٹروں اور انجینئروں کی ضرورت ہے"۔ نومبر ۱۹۵۶ میں آپ نے بقول آپ کے نیشنل کانفرنس سے استعفےٰ دے دیا۔ اسوقت میر اسداللہ تحصیل رام بن کے ایم۔ ایل۔ اے اور کابینہ میں ڈپٹی منسٹر تھے۔ آپ نے اپنا استعفےٰ بقول آپ کے اُن کے ساتھ کسی ناراضگی کی بنا پر دیا۔ الہ باد سے واپسی پر آپ سرینگر وکالت کا لائسنس حاصل کرنے کے لئے گئے اور بقول آپ کے جب آپ اسوقت کے

چیف جسٹس کے چیمبر میں داخل ہوگئے تو آپ نے انہیں پوگل پرستان کے بارے میں کچھ سوالات پوچھے جس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور آپ کو بقول آپ کے منصف کے عہدہ پر تعینات کرنے کو کہا لیکن آپ نے رضامندی ظاہر نہ کی۔ اسوقت منصف کا گریڈ ۹۰۔۶۔۱۵۰ روپیہ ماہوار ہوا کرتا تھا[1]۔ انتظامیہ اور جوڈیشری کو علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔ تحصیلدار کو سول معاملات میں ایک منصف کے اختیارات حاصل ہوا کرتے تھے اور اُس کے فیصلوں کی اپیل ڈسٹرکٹ جج جموں میں دائر کی جاسکتی تھی۔ کیونکہ ہر ضلع میں ڈسٹرکٹ جج موجود ہونے کی اسکیم رائج نہ تھی۔ اُن دنوں رام بن ایک تحصیل تھی اور آپ نے یہیں پر وکالت شروع کی۔ یہاں پر شادی لال کوتوال اور مشہور سول وکیل جناردھن ٹینگ نام کے وکیل بھی تھے۔ ٹینگ سرینگر کا رہنے والا تھا اور بار ایسوسی ایشن کا صدر بھی تھا۔ شری ٹینگ شیر کشمیر کی تحرک کے خلاف تھا۔ جب شیخ صاحب ریاست کے پرائم منسٹر ہوئے تو ٹینگ اپنے ایک تحصیلدار دوست مسٹر وانچو کے ہمراہ ریاست چھوڑ کر ڈیرہ دون چلے گئے اور وہاں قالین کا کاروبار کرنے لگے لیکن تجربے کی کمی کے سبب روپیہ ضائع کر بیٹھے اور پھر آخر کار رام بن میں وکالت شروع کی[2]۔

ٹھاکر صاحب نے مارچ ۱۹۵۴ سے ۱۹۵۹ تک رام بن میں وکالت کی لیکن یہ عرصہ بقول آپ ایک تضیع اوقات تھا۔ این سی سے مستعفی ہونے کے بعد آپ پرجا سوشلسٹ پارٹی میں شامل ہوئے۔ جموں سے اوم پرکاش صراف اس پارٹی کا صدر تھا اور عمر بٹ کشمیر سے صدر تھا۔ دھن راج بڑگوترہ اور ماسٹر روشن

۱، ۲ یادوں کے چراغ مصنف ڈی ڈی ٹھاکر۔

لال ایڈیٹر اخبار "شیخ جموں" وغیرہ زعماء جماعت تھے۔ ۲۷ مئی ۱۹۵۴ کو الیکشن ہوا اور آپ الیکشن ہار بیٹھے۔ فروری ۱۹۵۹ کو آپ کی ملاقات بھدرواہ کے عبدالغنی گونی سے ہوئی جو این۔ سی کے ضلعی صدر تھے اور گرفتاری کے بعد رہا ہوئے تھے۔ اُن کے مشورے پر آپ جموں آئے جہاں پر گونی صاحب نے آپ کو محکمہ کسٹوڈین کا ایک مکان رہائش کے لئے دیا جو اُن کی تحویل میں ہی تھا اور اپنے مقدمات بھی آپ کے حوالے کرنے کی پیشکش کی کیونکہ وہ خود کسی سرکاری کام سے دو سال کے لئے سمندر سے پار جانے والے تھے۔ آپ جموں میں نامور وکیل چوہدری اندرداس گرور اور بخشی ایشور سنگھ کے چیمبر کے ساتھ منسلک ہو گئے اسوقت جموں ہائیکورٹ صرف تین ججوں پر مشتمل تھا۔ جسٹس جانکی ناتھ وزیر چیف جسٹس کے عہدے پر فائز تھے۔ جموں میں کوئی میڈیکل کالج یا یونیورسٹی نہ تھی یہ گجندر گڈکر کمشن کی رپورٹ کے بعد معرض وجود میں آئے۔ فروری ۱۹۶۲ء میں آپ نے میر اسداللہ کے خلاف انتخاب لڑا اور الیکشن ہار گئے۔ ۱۹۶۷ء میں تحصیل رام بن کو دو انتخابی اسمبلی حلقوں میں بانٹا گیا اور آپ نے رام بن سے ہنس راج ڈوگرہ کے خلاف انتخاب لڑا جس میں آپ پھر کامیاب نہ ہو سکے۔ ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ کو آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ۶ فروری ۱۹۷۳ء کو صدر جمہوریہ نے آپ کو جسٹس ہائیکورٹ کے طور پر تقرری کی اور ۲۳ مارچ کو آپ نے اس عہدے کا حلف لیا۔ ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء تک آپ ہائیکورٹ کے جج رہے۔ یہ زمانہ بقول آپ کے لئے ایک آسودہ خاطر اور اطمینان کا زمانہ رہا۔ اس دوران آپ نے کئی خاص معاملات میں فیصلے سُنائے۔ مثلاً ڈی۔ آئی۔ جی۔ ایم۔ ایم

کھجوریہ کے توہین عدالت کا واقعہ۔ کھجوریہ اور میر نصراللہ کا واقعہ وغیرہ۔

۱۹۷۴ء میں آپ چیف جسٹس سے رخصت لیکر اپنے ایک دوست کے ہمراہ بیروت (لبنان) ایتھنز (یونان) روم (اٹلی) برلن (فرانس) لندن (انگلستان) ہیمبرگ (جرمن) آمسٹرڈیم (ہالینڈ) اور جنیوا (سوئیزرلینڈ) جیسے ممالک کے سفر پر گئے۔ بہ واپسی کچھ عرصہ بعد جب آپ سردار رنگیل سنگھ کے بھائی کی شادی میں گئے ہوئے تھے جو اسوقت ریاستی حکومت میں وزیر تھے تو آپ کا تعارف وہاں ایک نامور بیوپاری اور راجیہ سبھا کے ممبر تیرتھ رام آملہ سے ہو گیا جو مسز اندرا گاندھی کے بہت ہی قریب تھے۔ دوسرے روز آملہ موصوف آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کو شیخ صاحب کا یہ پیغام دیا کہ وہ آپ کو صوبہ جموں سے بطور وزیر کے اپنی کابینہ میں لینا چاہتے ہیں اور وہ آپ سے اس بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ آپ کو پہلے اس بات کا یقین نہیں آیا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے لیکن اُنہوں نے بتایا کہ جی۔ پارتھا سارتھی جو اُسوقت پالیسی پلاننگ شعبہ کے چیرمین اور پرائم منسٹر کے نمائندہ بھی تھے اُن کے اور مرزا محمد افضل بیگ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا ہے جس کی رُو سے شیخ صاحب کو کانگریس لیجسلیٹر پارٹی کا لیڈر بنایا جانا طے پایا ہے اور پھر اُنہیں بحیثیت چیف منسٹر حلف دیا جائے گا۔ پھر کیبنٹ کا انتخاب شیخ صاحب کی رضامندی سے ہوگا جس میں کانگریس کا کوئی بھی ممبر نہ ہوگا۔ کیبنٹ میں صرف تین منسٹر لینا مقصود تھا یعنی جموں کشمیر اور لداخ سے ایک ایک وزیر۔ اُس وقت آپ کی تنخواہ ۳۵۰۰ سو روپے ماہوار تھی جب کہ منسٹر کی تنخواہ صرف ۱۱۰۰ روپے ہوا کرتی تھی آپ کافی

سوچ بچار کے بعد آمادہ ہوئے اور مسٹر اے۔ این۔ رے چیف جسٹس آف انڈیا کو اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ دیوکانت مرواہ چندھی گڑھ سے آئے ہوئے تھے تاکہ اقتدار معاہدہ کے مطابق منتقل ہو۔ سید میر قاسم اسوقت ریاست کے چیف منسٹر تھے۔ اس کے بھی ممبران بقول آپ کے اس فیصلہ کے خلاف تھے۔ لیکن جب میٹنگ ہوئی تو میر قاسم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا " شیخ صاحب کشمیر کے بابائے سیاست ہیں۔ آپ کی قیادت میں تاریخ کشمیر ایک خوشگوار رُخ اختیار کرے گی۔ ڈاکٹر کرن سنگھ غیر حاضر رہے۔ لیکن وزیر اعظم نے اُن کی مخالفت کو رو کر دیا۔ اس کے بعد شیر کشمیر کو تقریر کرنے کے لئے کہا گیا جو بقول آپ کے " ایک نفیس سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ معمول کے مطابق ڈبل برسٹ کا کورٹ جس کے بٹن کے کالر میں گلاب کا پھول لگا ہوا تھا"۔[1]

کڑے کالر کی سفید قمیض، ریشمی ٹائی پہنے وہ اس حلیہ میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شاندار شخصیت دکھائی دیتے تھے جب وہ تقریر کے لئے اُٹھے وہ بہت سنجیدہ اور باوقار دکھائی دے رہے تھے۔ اُن کے گال پر کالا تل اُن کے بے تاب چہرے کی شان کو بڑھاتا تھا۔ وقت کے تقاضے اور فکر مندی اُن کے چہرے پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے اور نہ اُن کے چہرے پر کوئی جھری تھی۔ وہ ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسا میں نے انہیں ۱۹۵۱ء میں دیکھا تھا جب میں اُن کے پاس نائب تحصیلداری کے عہدے کے لئے گیا تھا"۔[2] ٹھاکر صاحب کو وزارت میں شامل کرنے کے بعد۔ فائنانس۔ ایکسائیز۔ ٹرانسپورٹ قانون اور خوراک

۱؎ یادوں کے چراغ مصنفہ جسٹس ڈی۔ ڈی ٹھاکور۔ ترجمہ محمد حسین۔

وسول سپلائیز کے قلمدان دے گئے۔ کچھ عرصہ بعد بقول آپ کے فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کی ایک میٹنگ دہلی میں ہوئی جس میں تمام وزراء اعلیٰ نے شرکت کی۔ بعد میں مسٹر رے۔ چیف جسٹس آف انڈیا نے آپ کو دعوت دی جسمیں سپریم کورٹ کے تمام جج صاحبان بھی تھے۔ جنہوں نے آپ سے یہ پوچھا کہ آپ نے جوڈیشری سے انتظامیہ میں جانا کیوں پسند کیا؟ تو آپ نے بقول آپ کے جواب میں یہ کہا کہ انتظامیہ میں عدلیہ کی نسبت عوامی خدمت کے زیادہ مواقع حاصل ہیں"۔[1] ۱۹۷۷ء میں آپ نے پھر سے نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ کچھ عرصہ بعد جب کانگریس نے ایکارڈ کی مخالفت کرتے ہوئے شیخ صاحب سے حمایت واپس لینے کی کوشش کی تو شیخ صاحب اسوقت دہلی میں تھے۔ اور انہوں نے آپ کو نئی دہلی آنے کو کہا۔ دوسرے روز گورنر صاحب اور آپ نے اکٹھے جہاز میں سفر کیا۔ اور جب گورنر صاحب نے آپ سے بقول آپ کے یہ پوچھا کہ اس سے پہلے کہ وہ وزیر اعظم سے ملنے میں وہ قانونی جواز چاہتے ہیں آیا کہ وزیر اعلیٰ اسمبلی کو تحلیل کر سکتا ہے۔ آپ نے بقول آپ کے اُن کو مشورہ دیا کہ ۱۹۷۵ء کا ایکارڈ ایک بے مثال واقعہ ہے جس میں کانگریس کے اراکین اسمبلی نے شیخ صاحب کی راہنمائی کو بغیر انتخاب کے تسلیم کیا ہے جس میں ملک کا وزیر اعظم بھی ایک فریق ہے۔ اس لئے اس کی خلاف ورزی ایک شعبدہ بازی ہوگی اور کانگریس کو اقتدار حوالہ کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی"۔[2]

اس پر گورنر صاحب اور شیخ صاحب متفق ہو گئے اور اسی رات ساڑھے آٹھ

۱؎ یادوں کے چراغ مصنفہ جسٹس ڈی۔ ڈی ٹھاکور۔ ترجمہ محمد حسین۔

بجے اسمبلی کو تحلیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد بقول آپ کے جنتا پارٹی نے شیخ صاحب کے ساتھ انتخابی مفاہمت کی پیش کش کی۔ لیکن شیخ صاحب نے یہ قبول نہ کیا۔ کیونکہ جن سنگھ کی اکائی دفعہ ۳۷۰ کے خلاف تھی اور شیخ صاحب کی موجودگی میں ایسا ہرگز ممکن نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد انتخابات شروع ہوئے۔ شیخ صاحب نے آپ کو رام بن سے انتخاب لڑنے کو کہا لیکن آپ نے کچھ ذاتی عذر پیش کیا۔ اور پھر ٹکٹ آپ کے ایک دیرینہ ساتھی پریم ناتھ راجو کو جو آپ سے چار سال پہلے کالج میں پڑھاتا تھا دیا گیا۔ وہ اسوقت بی۔ ڈی۔ او کے عہدے پر تھا اور اُس نے استعفےٰ دے دیا۔ انتخابات میں راجو رام بن سے مولانا سہروردی ڈوڈہ سے بشیر احمد کچلو کشتواڑ سے اور مولوی عبدالرشید بانہال سے کامیاب قرار دیے گئے۔ شیخ صاحب کو ایوان میں مکمل اکثریت حاصل ہوگی۔ الیکشن کے بعد آپ کو پھر سے وزیر بنایا گیا اور ایکسائیز۔ تعلیم۔ ہاوسنگ۔ شہری ترقی اور لوکل باڈیز کے قلمدان دئے گئے۔ ۱۹۷۹ء میں بیگ صاحب کے وزارت سے نکلنے کے بعد آپ کو محکمہ صحت عامہ کا اضافی چارج بھی دیا گیا۔

اس دوران آپ نے ریشم کی صنعت کو ریاست میں بڑھاوا دینے کیلئے۔ تھائی لینڈ۔ بنکاک۔ انڈونیشیا اور ویتنام جیسے ممالک کا بھی دورہ کیا ۱۹۸۰ء میں آپ نے اُودھمپور پارلیمانی حلقہ سے ڈاکٹر کرن سنگھ کے مقابلے میں انتخاب لڑا۔ مقابلہ سخت رہا لیکن آپ کی جیت نہ ہو سکی۔ وزیر منصوبہ بندی کی حیثیت سے آپ نے۔ نیو پارک۔ شکاگو۔ کوپن ہیگن۔ پیرس۔ اور لندن جیسے شہروں کا دورہ اسوقت کے نائب وزیر دلاور میر اور ڈایریکٹر ٹوریزم کے ساتھ کیا تا کہ

سیاحوں کو ریاست کی جانب راغب کیا جائے۔ آپ نے ان شہروں سے متعلق دلچسپ معلومات کو اپنی خود نوشت سوانح میں قلمبند کیا ہے۔ ۸ ستمبر کو شیخ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد اقبال پارک سرینگر میں ایک ماتمی اجلاس ہوا اور فاروق عبداللہ نے کابینہ کو تحلیل کر دیا اور نئی سرکار کو تشکیل دیا۔ ستمبر ۱۹۸۴ء میں آپ نے سپریم کورٹ میں وکالت کرنے کی غرض سے دہلی کا رُخ کیا۔ ۲ جولائی ۱۹۸۴ء کو جی۔ ایم۔ شاہ نے گورنر شری جگموہن کو ایک مرقومہ پیش کیا جسمیں بارہ ممبران اسمبلی کے دستخط تھے جن میں منشی حبیب اللہ۔ محمد دلاور میر۔ حسام الدین بانڈے۔ شیخ جبار۔ طالب حسین۔ ڈاکٹر محبوب بیگ۔ حکیم یسٰین۔ محمد خلیل جوہر۔ گر بچن کماری۔ غلام حسن میر۔ بھیم لتا وکھلو اور ثناء اللہ ڈار جیسے ممبران تھے جنہوں نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ والی سرکار سے عدم اعتماد کی درخواست پیش کی اور جی ایم شاہ کی قیادت میں نئی سرکار کی تشکیل کی استدعا کی۔ اس کے ساتھ ایک اور مرقومہ بھی تھا جسمیں کانگریس کے ۲۶ ممبران اسمبلی اور ایک آزاد امیدوار علی محمد نایئک کی حمایت کا بھی ذکر تھا۔ جس کے نتیجے میں گورنر جگموہن نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے استعفےٰ طلب کیا اور جی۔ ایم۔ شاہ کی قیادت میں نئی مخلوط سرکار کو حلف دیا۔ جسمیں ٹھاکر دیوی داس کو بحیثیت نائب وزیر اعلیٰ حلف دیا گیا۔ چند یوم بعد شیخ بھدرواہی۔ جگ موہن لال (ریاسی) اور رفیق حسین خان (مینڈر) بھی جی۔ ایم۔ سرکار میں شامل ہو گئے۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو جب شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم کو اپنے محافظوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تو پورے ملک کی حالت کشیدہ ہو گئی۔ اس کے بعد لوک سبھا انتخابات

ہوئے اور شری راجیو گاندھی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر وزیر اعظم بن گئے۔ دریں اثناء مفتی محمد سعید اور جی۔ ایم شاہ کے مابین وزیر اعلیٰ کی کرسی کے لئے کشمکش شروع ہونے لگی۔ فاروق عبداللہ نے اس اختلاف کا فائدہ اٹھایا اور اسمبلی کو تحلیل کرنے کی تحریک شروع کی۔ دریں اثناء بابری مسجد کا واقعہ پیش آیا جس سے ریاست میں بھی حالات متاثر ہوئے اور جی ایم شاہ حالات پر قابو نہ پا سکے اور انہوں نے ۷ مارچ ۱۹۸۶ء کو اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ وزارت سے علیحدہ ہونے کے بعد ٹھاکر صاحب نے صحافت کے میدان میں قدم رکھنا شروع کیا اور اپنے دوستوں دھرم ویر تیرہ کے چھوٹے بھائی امرت تیرہ اور گرور کی شراکت میں ''حال ہند'' اور رائیزنگ نیشن'' کے نام سے اردو اور انگریزی زبان میں جرائید شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ بلراج ورما اور روپا گپتا کو بالترتیب ان جرائید کا مدیر مقرر کیا۔ دونوں جرائید کو ملک گیر سطح کی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ ''حال ہند'' کو جموں وکشمیر اور اتر پردیش میں ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا۔ آپ نے ان جرائید میں پُر مغز اداریے تحریر کئے۔ لیکن بعد میں یہ جرائید بند ہو گئے۔ ۱۹۸۷ء کے کانگریس اور نیشنل کے مشترکہ انتخاب کو آپ نے نقصان دہ قرار دیا ہے کیونکہ بقول آپ کے ان دونوں پارٹیوں نے انتخابی دھاندلیوں کا فائدہ اُٹھایا اور حزب المجاہدین کا چیف جو بقول آپ کے بھاری اکثریت سے کامیاب ہو رہا تھا اس کے حریف کو کامیاب قرار دیا گیا۔[1] آپ اسوقت کے صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ سے بھی بقول آپ کے ملاقاتیں کرتے رہے۔ اُن کے پاس بقول آپ

۱۔ یادوں کے چراغ مصنفہ جسٹس ڈی، ڈی ٹھاکور۔ ترجمہ محمد حسین۔

کے کوئی اعلیٰ تعلیمی سند نہ تھی لیکن وہ عملی میدان کے آدمی تھے اور اونچے اور شفاف خیالات کے مالک۔ ایک بار انہوں نے بقول آپ کے آپ سے مخاطب ہو کر کہا ''پیارے آپ سیاست میں نئے آئے ہیں۔ میری بات سُن لیجئے۔ اس ملک کا پاور ہاؤس صفدر جنگ روڈ ہے۔ آپ اور میں چھوٹے چھوٹے بلب ہیں جو کہ تاروں کے ذریعے اس گھر کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اگر تار ٹوٹ گئی تو ہماری روشنی ختم ہو جائیگی۔ اس لئے ہر تیسرے دن دیکھنا کہ تار کسی چوہے نے تو کاٹی نہیں ہے۔[1]'' شری ٹھاکر سپریم کورٹ آف انڈیا کے سرکردہ ایڈوکیٹوں میں شامل تھے۔

اپریل ۱۹۹۰ء کو صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو آسام کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد جب اروناچل پردیش کے گورنر کی معیاد ختم ہوگئی تو آپ کو یہ چارج بھی دیا گیا۔ دریں اثناء جب شری وی پی سنگھ نے بطور وزیر اعظم استعفیٰ دیا اور چندر شیکھر نے کانگریس کی حمایت سے چارج سنبھالا تو آپ کو نئے صدر نے دہلی بلا کر اپنے عہدے پر برقرار رہنے کو کہا۔ ۱۵ مارچ ۱۹۹۱ کو آپ نے اس عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ سپریم کورٹ میں وکالت کے دوران آپ جموں وکشمیر۔ پنجاب۔ ہریانہ۔ جے پور۔ ہماچل پردیش اور راجستھان وغیرہ ریاستوں میں بحثیت ایڈوکیٹ جاتے رہے لیکن کرناٹک ہائیکورٹ میں ۱۹۹۶ء کے بعد BREFT نہ کیا کیونکہ وہاں آپ کا بیٹا جسٹس تیرتھ سنگھ بحثیت جج مقرر ہوا تھا۔ آپ نے بھجن لال۔ لالو پرشاد یادو۔ شریمتی جے للتا۔ اور رام لال جیسے مختلف

۱۔ یادوں کے چراغ مصنفہ جسٹس ڈی، ڈی ٹھاکور۔ ترجمہ محمد حسین۔

ریاستوں کے وزراء اعلیٰ کے کیسوں کی وکالت کی اس کے علاوہ رام کرشن ہیگڑے۔شری یادو۔وی پی سنگھ۔چندر بابو نائیڈو۔مسٹر راما راو اور شری نرسمہا راو جیسے ملک کے چوٹی کے سیاستدانوں کی وکالت کی۔ وکالت سے آپ کو اچھی خاصی آمدن ہوگئی اور ۲۰۰۰ء تک آپ کو ملک کے بڑے آمدنی ٹیکس ادا کرنے والوں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔اور آپ کو راشٹریہ سمان کے اعزاز سے نوازا گیا۔۱۹۹۶ میں آپ نے جنتادل کے امیدوار کی حیثیت سے اُودھمپور پارلیمانی حلقہ سے انتخاب میں حصہ لیا اور بیاسی ہزار سے زائد ووٹ حاصل کئے لیکن بی جے پی کے امیدوار شری چمن لال گپتا نے سبقت حاصل کرلی۔ ۱۷ اگست ۲۰۰۱ء کو جب آپ ایک انتخابی عذرداری کی پیروی کر رہے تھے تو آپ کی سانس پھولنے کی شکایت پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے آپ کے گردے میں تکلیف کو تشخیص کیا اور آپ گیارہ ماہ تک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔اور ٹھیک ہونے پر اپنے بیٹے جسٹس تیرتھ سنگھ کے ہاں بنگلور میں قیام کیا۔مئی ۲۰۰۳ء کو آپ جموں میں اپنے مکان واقع موتی باغ میں آئے اور پھر یہاں سے ہنوت میں اپنے گرمائی موسم والے مکان میں آئے جہاں ۲۱ ستمبر تک قیام کیا۔ اس کے بعد آپ کی صحت رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی اور آپ ۲؍فروری ۲۰۰۷ء کو انتقال کر گئے تمام سیاسی حلقوں نے آپ کے انتقال پر دکھ کا اظہار کیا اور اخبارات نے تعزیتی ادارے شائع کئے۔

☆

ثناءاللہ بانہالی

خواجہ ثناء اللہ بانہالی بانہال کے ایک سرگرم سوشل ورکر سیاست کار اور ریاستی قانون سازیہ کے ایک رُکن کی حیثیت سے ایک معروف شخصیت کے مالک رہے ہیں۔آپ کے پاس جس قدر بھی مبلغ علم تھا اُس کو خوب برتا اور اُس پر عمل پیرا رہے۔ آپ نے بانہال علاقے میں شجرکاری کے پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور لوگوں کو بھی اس جانب راغب کیا۔

ثناء اللہ بانہالی ۱۳؍مارچ ۱۹۲۷ء کو بانہال کے قصبہ دیگوں کے متصل رلو گاؤں میں خواجہ محمد جووانی کے ہاں پیدا ہوئے جو اپنے گاؤں کے ایک مدبر شخص تھے۔ثناء اللہ نے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی اور اُس کے بعد اپنے والد کے ساتھ دُکانداری کے کام میں اُن کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ چنانچہ آپ ایک ہوشمند ذہن کے مالک تھے تو سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے اور ڈیموکریٹک نیشنل کانگریس کے ایک ورکر کی حیثیت سے اس تنظیم کے ساتھ ہو لئے اور خاموشی کے ساتھ کام کرتے رہے جب خواجہ غلام محمد صادق وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے برسر اقتدار آگئے تو آپ نے ریاست کے مختلف

علاقوں کا دورہ کیا۔ جب آپ نے بانہال میں ایک عوامی جلسہ منعقد کیا تو اس موقعہ پر آپ نے شاہ اللہ بانہالی کی پارٹی وابستگی کو سراہا اور آپ پر یہاں کے لوگوں کی نظریں پڑنے لگیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کو ۱۹۷۲ء میں ریاستی قانون سازیہ کا ایک رکن کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ شاہ اللہ بانہالی ایک سرگرم کواپریٹور کی حیثیت سے بھی کام کرتے ہے اور آپ کو بورڈ آف ڈائیریکٹرس کا ممبر بھی چن لیا گیا۔ ریاست میں جب شجر کاری کے پروگرام کا اغاز ہوا تو آپ نے اس پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ''غریبی ہٹاؤ'' نام سے ایک چھوٹا کتابچہ بھی جاری کیا۔ آپ غیر منقسم ضلع ڈوڈہ کے کانگریس کے صدر بھی رہے اور پانچ سال تک اس اعزازی عہدہ کو برقرار رکھا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں آپ نے کانگریس کے اُمیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا لیکن نیشنل کانفرنس کے مولوی عبدالرشید سے ہار گئے۔ اس انتخاب میں متحدہ محاذ کی جانب سے عبدالاحد مسرور بھی ایک امیدوار کی حیثیت سے مقابلے میں کھڑے رہے۔ ۱۹۸۲ء کے انتخابات میں شاہ اللہ بانہالی پھر سے کانگریس کی جانب سے میدان میں آگئے۔ لیکن انتخاب جیت نہ سکے۔

بانہال میں شجر کاری پروگرام کو متعارف کرانے میں آپ کا خاص حصہ ہے۔ جب مرکزی وزیر ایل، کے بہوگنا شجر کاری کے مشن کے حوالے سے بانہال سے گزرے تو خواجہ شاہ اللہ نے آپ کا پُرتپاک استقبال کیا۔ آپ کو شجر کاری کے پروگرام کو عملانے کے عوض کئی اعزازات بھی ملے جو حسب ذیل ہیں۔

1. Indra Priya Darshani vaikantra pusker (Gold Medal)
2. Indra Priya Darshani vaikantra award 1990 by Indin Council Roprevi Rologal action J&K
3. 1990(Gold madal) for honesty loyal dedication of effication service.
4. Heritage tree research of demonstration centre Banihal.(sitvar medal).

۱۹۹۰ء کے نامساعد حالات کے بعد آپ نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو موقوف کیا اور اپنے گھر میں تنہا خانہ نشین ہوگئے۔ ۱۲ر فروری ۱۹۹۹ء میں آپ مختصر علالت کے بعد انتقال کرگئے۔ آپ کی وجہ سے آپ کے خاندان میں ایک اچھا سیاسی ماحول پیدا ہوا جو اب تک بدستور ہے۔

☆

محمد اختر نظامی

خواجہ محمد اختر نظامی، ریاستی قانون ساز اسمبلی کے دو مرتبہ رُکن اسمبلی رہے۔ تعلیم کے دوران آپ اپنے کالج کے ایک سڈول قد کے اچھے کھلاڑی رہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پہلے وکالت اور پھر سیاست کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ محمد اختر نظامی ۱۸ر فروری ۱۹۳۵ء میں حاجی خواجہ شمس الدین نظامی کے تولد ہوئے جو قصبہ بانہال کے ناگ بل کے مقام پر مسکن آباد تھے اور یہاں کے

ایک مدبر اور معزز شخص مانے جاتے تھے۔ ٹھیکداری اُن کا پیشہ تھا لیکن اس کے علاوہ علاج وحکمت میں بھی دسترس رکھتے تھے اور کسی اُجرت کے بغیر چھوٹی موٹی بیماریوں کا علاج کرتے تھے، عموی طور پر پنجابی زبان بولتے تھے۔ محمد اختر نظامی میٹرک تک بانہال کے مقامی سکول میں زیر تعلیم رہے۔ میٹرک کے بعد آپ نے ایس، پی کالج سرینگر اور امر سنگھ کالج سے ایف، اے اور بی، اے کا امتحان بالترتیب پاس کیا۔ ۱۹۵۹ء میں علی گڈھ چلے گئے اور قانون کی ڈگری حاصل کی۔ علی گڈھ سے فارغ ہونے کے بعد چند ماہ گزر اوقات کیلئے عارضی طور پر مقامی ہائیر سکنڈری سکول بانہال میں اُستاد کی حیثیت سے عارضی طور پر پڑھاتے رہے اور پھر وکالت کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ ۱۹۶۷ء میں جب ریاستی اسمبلی کے انتخابات ہونے لگے تو آپ نیشنل کانفرنس کے ٹکٹ پر (جس کی قیادت بخشی غلام محمد کیا کرتے تھے)۔ سیاست میں آ گئے اور بانہال کے سرکردہ سیاست دان اور کانگریس کے اُمیدوار میر اسد اللہ جو وزیر کابینہ بھی تھے پر سبقت لے گئے اور قانون سازیہ میں حزب مخالف کا رول ادا کرتے رہے جس کے سبب علاقے کو زیادہ فائیدہ حاصل نہ ہو سکا، لیکن پھر بھی آپ یہاں کے دور افتادہ علاقوں کی بات کرتے رہے۔ اُس وقت کے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق آپ کے رول سے خاصے مطمئن تھے۔ ۱۹۷۲ء کے انتخابات میں رام بن حلقہ اسمبلی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور محترمہ ہاجرہ بیگم کو بانہال سے ایم، ایل، اے کے طور پر نامزد کیا گیا، اس طرح سے اختر صاحب کو رام بن سے کانگریس کا ٹکٹ دیا گیا جہاں آپ نے اکثریت سے الیکشن جیت لیا۔ ۱۹۷۷ء

میں آپ پھر سے اسمبلی حلقہ بانہال سے کانگریس کے امیدوار کی حیثیت سے میدان میں آ گئے۔ لیکن شیخ صاحب کی نیشنل کانفرنس کے سامنے حزب مخالف کے بڑے بڑے سورما ٹک نہ سکے اور آپ بھی نیشنل کانفرنس کے مولوی عبدالرشید کے مقابلے میں الیکشن ہار بیٹھے۔ آپ نے فاروق عبداللہ کے ساتھ بھی دست تعاون بڑھانا چاہا۔ لیکن بعد ازاں اپنے ٹھیکداری وغیرہ کے کاروبار میں مصروف کار رہ کر زیادہ تر جموں اور سرینگر کے شہروں میں ہی مقیم رہے اور یہاں کی جانب رُخ نہ کیا۔ تاہم آپ کو نیشنل کانفرنس کے زُعما کے ساتھ بھی اچھے مراسم رہے اور اس وقت قریباً اسی برس کی عمر میں بھی اپنے کاروبار کی اچھی طرح سے دیکھ ریکھ کر رہے ہیں۔

غلام رسول وانی:

خواجہ غلام رسول وانی قصبہ بانہال کے متصل رلو گاوں میں ۲۹ راپریل ۱۹۳۱ء میں خواجہ محمد جو وانی کے ہاں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میٹرک کے درجے تک مقامی ہائی سکول بانہال میں حاصل کی اس کے بعد ڈگری کالج اننت ناگ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ محکمہ اطلاعات میں تعینات رہ کر ضلع سطح پر ادبی سرگرمیوں کا انعقاد کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے برادر اکبر شاہ اللہ بانہالی پہلے ہی سیاست سے وابستہ تھے اسی لئے آپ نے بھی سیاست میں کانگریس کی حمایت میں کافی دلچسپی سے کام کیا اور اُس وقت کے مرکزی وزیر مملکت اطلاعات خواجہ غلام نبی آزاد کے بہت قریب آ گئے۔ انتخابات کے تکمیل ہونے کے بعد آپ ریاستی قانون سازیہ کے رُکن کے طور پر نامزد ہوئے اور

علاقہ کے ترقیاتی کاموں میں دلچسپی لینے لگے۔ سیاست کے ساتھ ساتھ آپ مطالعہ کرانے کے بھی شوقین تھے۔ ۱۶رمئی ۱۹۷۹ء کو جب مرکز کے ایک سرکردہ سیاست دان اور ماہر ماحولیات، ماحولیات کے تحفظ کے حوالے کے ریاست کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ تو آپ نے بانہال میں اُن کے منعقدکردہ پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اُن کا پُرتپاک استقبال کیا۔ پروگرام کے اختتام کے بعد قریباً چار بجے آپ رام بن کے اُس وقت کے ایم، ایل، اے شری بھارت گاندھی کے ساتھ بانہال سے سرینگر کیلئے اپنی پارٹی کی کسی میٹنگ میں شرکت کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے لیکن جواہر ٹنل کے اُس پار لورمنڈا کے نزدیکی فاصلے پر آپ کی گاڑی ایک ٹرک کے ساتھ ٹکرا کر حادثے کا شکار ہوگئی اور آپ جان بحق ہوگئے۔ جبکہ آپ کا دوسرا ساتھی شری بھارت گاندھی شدید زخمی ہوگیا۔ بانہال میں آپ کی میت کو سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا۔

محمد فاروق میر:

خواجہ محمد فاروق میر بانہال کے موضع کراوہ میں ۱۹۵۷ء میں غلام محمد میر کے ہاں تولد ہوئے جو ایک اچھے رُتوق والے شخص تھے اور محکمہ جنگلات میں فارسٹ گارڈ تھے۔ ہائیر سکنڈری کا امتحان پاس کیا تو والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ طالب علمی کے دوران کھیلوں کے شوقین اور نفاست پسند تھے بالی وڈ کے اداکاروں کے ڈائیلاگ اور گیتوں کی نقل اُتارنے میں مہارت رکھتے تھے۔ چھوٹی عمر میں ہی نیشنل کانفرنس کے حامی ہوگئے اور نیشنل کانفرنس کے مولوی عبدالرشید کے

انتخابی جلسوں میں موقع محل تقریروں سے توجہ کا مرکز بن گئے۔ ۱۹۹۴ء میں گورنر راج کے دوران لوگوں کی مدد کرتے رہے۔ ۱۹۹۶ء کے اسمبلی انتخابات میں اپنی جیت درج کرائی۔ آپ کے مدمقابل این سی کے مولوی عبدالرشید اور کانگریس کے عبدالحمید خان انتخابات ہار بیٹھے۔ ۲۰۰۲ء کے اسمبلی انتخابات میں پھر سے میدان میں اُترے لیکن مولوی عبدالرشید سے انتخابات ہار بیٹھے جواب کی بار اپنی دیرینہ جماعت نیشنل کانفرنس سے ناراض ہوکر آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اُترے تھے۔ آجکل آپ اپنے ٹھیکداری کے کام میں مصروف ہیں لیکن سیاست پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔

وقار رسول وانی:

خواجہ وقار رسول وانی ایک جوان سال اور تازہ ذہن سیاست کار ہیں جنہوں نے چھوٹی سی عمر میں اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا اور ۲۰۰۸ء کے اسمبلی انتخابات میں کامیابی حاصل کرکے وزارت کابینہ میں بحیثیت وزیر مملکت اپنی جگہ بنائی۔ آپ ۲۲ردسمبر ۱۹۶۶ء قصبہ بانہال کے متصل موڑہ رلو میں مرحوم غلام رسول وانی کے ہاں تولد ہوئے۔ جو ریاستی قانون سازیہ کے ایک رکن تھے اور چھوٹی عمر میں ہی کار کے ایک حادثے میں اسوقت جان بحق ہوگئے۔ اس طرح سے نوعمر وقار رسول تیرہ برس کی عمر میں ہی اپنے والد کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ نے بانہال کے مقامی ہائیر سکنڈری سکول سے بارہویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔ چنانچہ آپ کے گھر میں وراثتی طور پر ایک سیاسی ماحول تھا کیونکہ آپ کے والد اور اُن کے بڑے بھائی مرحوم خواجہ ثنااللہ دونوں

قانون سازیہ کے رکن اور کانگریس کے سرگرم حامی رہ چکے تھے اس طرح بالواسطہ طور پر آپ کے ذہن میں بھی اس ماحول کا اثر جاگزین ہوتا رہا۔ ۲۰۰۶ء میں جب کافی مدت کے بعد ریاست میں بلدیاتی انتخابات عمل میں آئے تو آپ کانگریس کے امیدوار کی حیثیت سے قصبہ بانہال میں وارڈ ممبر کے طور پر سامنے آئے اور کانگریس کے حق میں مہم کو اس طرح چلایا کہ نوٹیفائیڈ ایریا بانہال کے ساتوں وارڈوں میں کانگریس کے ممبران نے جیت حاصل کی اور آپ کو نوٹیفائیڈ ایریا بانہال کے تمام ممبران نے متفقہ طور ٹاون ایریا بانہال کا چیرمین بنالیا۔ کانگریس کی اس نمایاں کامیابی پر آپ نے مرکزی وزیر اور کانگریس کے سرکردہ رہنما خواجہ غلام نبی آزاد کے دل میں بھی ایک گوشہ پیدا کرلیا، جو آپ کے والد مرحوم کے ساتھ پہلے سے قریبی مراسم رکھتے تھے۔ ۲۰۰۸ء میں جب ریاست میں قانون ساز اسمبلی کے انتخابات عمل میں آنے لگے تو آپ کو انتخابات شروع ہونے صرف دو یا تین یوم قبل کانگریس پارٹی نے اپنا ٹکٹ دے دیا اور کانگریس کے متوقع امیدوار مولوی عبدالرشید کو جو نیشنل کانفرنس سے کانگریس کی طرف لوٹ آئے تھے ٹکٹ دینے سے ہاتھ کھینچ لیا اور وہ پھر سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں کود پڑا۔ اس دوران کانگریس اور خاصکر خواجہ غلام نبی آزاد نے وقار رسول کی انتخابی مہم میں ذاتی طور شرکت کر کے آپ کو بھرپور تعاون پیش کیا اور آپ نے ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب ووٹ لیکر اپنی جیت درج کرلی۔ آزاد امیدوار مولوی عبدالرشید م شوکت احمد ڈینگ اور نیشنل کانفرنس کے سجاد شاہین بالترتیب پیچھے رہ گئے۔ اس کے علاوہ تقریباً درجن بھر اُمیدوار میدان میں

اُترے ہوئے تھے جو ضمانتیں گنوا بیٹھے۔ کچھ ماہ کے بعد آپ کو کل ہند کانگریس کی مرکزی تنظیم میں یوتھ کے ایک جنرل سیکریٹری کے طور پر نامزد کیا گیا۔ مخلوط سرکار نے ۲۰۱۲ء میں جب وزراء کی دوسری فہرست جاری کی تو آپ کو ٹیکنکی تعلیم کے آزادانہ چارج کے علاوہ قانون وانصاف پارلیمانی امور، دیہی و پنچایت، سوشل ویلفیر، پاور، توانزا، انفارمیشن اور عوامی تقسیم کاری کے وزرائے مملکت کے قلمدان وزارت دیئے گئے۔ آپ اگرچہ پہلی بار وزارت میں شامل ہوئے لیکن آپ اپنے محکمہ جات کو بڑی ہوشیاری اور کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں اور کافی مدت کے بعد یہاں کے ترقیاتی کاموں میں سُرعت لانے کی کوشش کی۔

حال ہی میں ریاست کے نومبر ۲۰۱۴ء کے اسمبلی انتخابات میں آپ نے پھر سے کانگریس کے ٹکٹ پر پی، ڈی، پی کے اپنے قریبی مدمقابل جناب بشیر احمد رونیال سے چار ہزار سے زاید ووٹ لے کر جیت درج کرلی۔ نیشنل کانفرنس کے حاجی سجاد شاہین اور بی، جے، پی کے شوکت ڈینگ تیسرے اور چوتھے نمبر پر رہے۔ باقی دو اُمیدوار ضمانت کھو بیٹھے۔

☆

دیگر معروف شخصیات

ستارے ڈوبنا شبنم کا رونا شمع کا بجھنا
ہزاروں مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

محمد اقبال خان

خواجہ محمد اقبال خان ایک ذہین متین دیانت دار فاضل جج اور ماہر قانون کی حیثیت سے امتیازی اوصاف کے مالک رہے ہیں۔ اپنی بے داغ شخصیت اور بے لوث محنت کی وجہ سے آپ محکمہ انصاف اور عوام میں کافی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

محمد اقبال خان ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو بانہال کے موضع چملواس میں غلام نبی خان کے گھر پیدا ہوئے۔ یہ خاندان اس علاقے کا ایک بارونق خاندان رہا ہے۔ آپ کے دادا علی خان یہاں پر اپنے وقت کے معروف شخص رہے ہیں۔ محمد اقبال خان نے ابتدائی تعلیم اپنے مقامی مڈل سکول سے حاصل کی اور پھر میٹرک کا امتحان اودھمپور سے پاس کیا۔ اس کے بعد آپ نے اننت ناگ کالج سے ایف اے اور بی۔ اے کی ڈگری کی۔ اس کے بعد میں علیگڈھ سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اپریل ۱۹۶۴ میں آپ نے رام بن میں بحیثیت وکیل کے قانونی مشق شروع کی۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ نے کشمیر جوڈیشل سروس کا امتحان پاس کیا اور منصف کے عہدے پر فائیز ہوئے۔ اس دوران آپ نے مختلف

مقامات پر کام کیا ۱۱ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آپ نے سب جج کا عہدہ سنبھالا۔ آپ کو ترقی دیکر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سری نگر تعینات کیا گیا۔ بحیثیت جج کے آپ نے اپنی بے مثال اور دیانتدارانہ کارکردگی سے اپنا ایک خاص مقام پیدا کیا۔ ۲۱ جون ۱۹۸۷ء کو آپ کو ویجیلنس کمشنر (جوڈیشری) جموں تعینات کیا گیا اور ۲۶ اپریل ۱۹۹۵ء کو آپ نے بحیثیت ایڈیشنل رجسٹرار ہائیکورٹ جموں چارج سنبھالا اور اس کے علاوہ ممبر سپیشل ٹرابیونل جموں بھی کام کیا۔ ۱۹۹۶ء میں آپ کو سپیشل ڈسٹرکٹ اینڈ شیشن جج کے ترقی دے گئی۔ اپنی حسن کارکردگی اور دیانتداری کی وجہ سے محمد اقبال خان جوڈیشری میں ایک معروف نام رہا۔ آپ بہت ہی ذہین لیکن درویشانہ خصائل کے مالک تھے۔ اپنی گفتگو کے دوان اکثر وبیشتر اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کے روحانی کمالات کے بارے میں اپنے وسعت مطالعہ اور روحانی تمکن کا عندیہ دیتے تھے آپ کی شخصیت جس قدر پرکشش تھی اُس قدر سادہ اور بے نیاز بھی۔ آپ کے بڑے بھائی نذر محمد خان۔ محکمہ مال میں اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ خواجہ محمد ایوب خان جو ریاستی کابینہ کے ایک فعال وزیر ایک رُکن پارلیمان اور ریاستی کانگریس کے صدر رہے آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۹۷ کو آپ ریاستی محکمہ عدلیہ سے باعزت طور پر سبکدوش ہو گئے۔ ۳۱ مارچ ۲۰۰۶ء کو آپ کچھ عرصہ تک بیمار رہنے کے بعد رحلت فرما گئے۔ اور اپنے پیچھے اپنی اہلیہ اور تین بچیوں کو چھوڑ گئے۔ ساری عمر محلہ دلپتاں جموں میں محکمہ کسٹوڈین میں قیام پذیر رہے۔

محمد عبداللہ ملک:

الحاج محمد عبداللہ ملک بانہال علاقہ کے ایک معتبر سماجی کارکن ایک تجربہ کار اور جانے مانے ایڈوکیٹ رہے ہیں۔ جو تقریباً چالیس برس تک اس علاقہ میں اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ محاذ رائے شماری کے ابتدائی حامیوں میں تھے اور اس تنظیم کے تحصیل سیکریٹری رہے۔ آپ نیشنل کانفرنس کے زُعما کے نزدیک رہے۔ ملک عبداللہ ۱۳ / جون ۱۹۳۲ء کو بانہال کے موضع کرادہ میں محمد یوسف ملک کے ہاں پیدا ہوئے۔ جو اس گاؤں کے نمبردار تھے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر محکمہ مال میں پٹواری کے طور پر تعینات ہوئے۔ لیکن بعد میں اس ذمہ داری سے الگ ہو گئے اور عرائض نویس کا کام کرنے لگے۔ بعد ازاں ۱۹۵۶ء میں جموں وکشمیر یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۶۰ء میں مسلم علی گڈھ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کے پیشے سے منسلک ہو گئے اور ایک تجربہ کار وکیل کہلائے۔ ۱۹۷۷ء میں جب شیخ محمد عبداللہ نے کانگریس کے عدم تعاون کے نتیجے میں ریاستی اسمبلی کو تحلیل کرانے کی سفارش کرنے کے بعد نئے انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو ملک صاحب مرحوم بھی حلقہ اسمبلی رام بن سے بطور آزاد امیدوار کے میدان میں اُترے لیکن بہت کم ووٹ حاصل کر سکے۔ آپ کا انتخابات میں آزاد امیدوار کے طور پر اترنا دراصل آپ کا نیشنل کانفرنس کے ساتھ ایک طرح کا اظہار شکوہ تھا کیونکہ آپ کو اس جماعت (N C) کی جانب سے بانہال سے ٹکٹ ملنے کی اُمید تھی جبکہ فیصلہ اس کے برعکس ہوا۔ آپ

ایک معتبر شخصیت کے مالک تھے۔ عیدگاہ بانہال اور جامع مسجد شریف رام بن کی تعمیر بھی آپ کا خاص تعاون حاصل رہا۔ آپ کے چار فرزند ہیں اور تین لڑکے وکالت کے پیشے سے منسلک ہیں۔ ۱۰ رمئی ۱۹۹۷ء کو آپ مختصری علالت کے بعد رحلت کر گئے۔

پیر محمد افضل جیلانی:

پیر محمد افضل جیلانی ایک اچھے تعلیم یافتہ اور ملنسار آفیسر تھے۔ آپ ۲۷ر اپریل ۱۹۳۷ء میں موضع درشی پورہ بانہال میں پیر مبارک شاہ کے ہاں تولد ہوئے جو وراثتی طور پر ایک دینی گھرانہ تھا۔ میٹرک کا امتحان بانہال کے مقامی ہائی سکول سے پاس کرنے کے بعد آپ نے ایس پی کالج سرینگر سے ایف اے کے بعد بی اے کی ڈگری حاصل کی اور مزید مطالعہ کیلئے علی گڈھ چلے گئے۔ جہاں سے آپ نے ایم اے اردو اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور اس کے بعد رام بن میں وکالت کے پیشہ سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۶۲ء میں جب ریاستی اسمبلی کے انتخابات شروع ہوئے تو آپ نے بھی سیاست میں دلچسپی لینا شروع کیا۔ لیکن آپ کو ان ہی ایام میں اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو کے طور پر تعینات کیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں آپ کو کے۔اے۔ایس میں انڈکٹ کیا گیا اور آپ اسسٹنٹ کمشنر ایمپلائمنٹ ڈوڈہ کے طور پر تعینات کئے گئے۔ یہاں سے تبدیل ہو کر آپ ڈپٹی ڈائریکٹر پنچایت بنائے گئے جو ڈی سی سینٹرل کے ہم پایہ کا عہدہ تھا اور سول سکریٹریٹ میں اس کا صدر دفتر تھا۔ ڈپٹی کمشنر سنٹرل کے بعد آپ کو ڈائریکٹر رورل ڈیولپمنٹ کے طور پر ترقی دی گئی جہاں قریباً ڈیڑھ برس تک آپ اپنا

فرض منصبی نبھاتے رہے۔ اس کے بعد آپ کو ڈپٹی کمشنر ڈوڈہ کے طور پر تعینات کیا گیا اور قریباً آٹھ ماہ تک اس عہدہ پر برقرار رہے اور آپ یہاں سے تبدیل ہو کر ڈائریکٹر لوکل باڈیز جموں کے منصب پر تعینات ہوئے اور یہیں سے سرکاری فرائض سے فارغ ہو گئے۔ مئی ۱۹۹۷ء میں آپ کچھ عرصہ کیلئے بیمار رہنے کے بعد رحلت ہو گئے۔

سید محمد اسلام:

سید محمد اسلام گیلانی ایک فعال آفیسر رہے۔ آپ ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۹ء میں ادھمپور کے نگروٹہ کلر موڑہ میں سید اکبر علی شاہ کے ہاں تولد ہوئے۔ ادھمپور اس وقت اس علاقے کا ضلع صدر مقام تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جب افراتفری کا ماحول پیدا ہوا اور فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے آپ بھی ان حالات سے متاثر ہوئے اور نقل مکانی کر کے بانہال میں پناہ حاصل کی۔ اس وقت آپ کی عمر چھ یا سات برس کی تھی۔ یہاں پر آپ نے اپنے برادر اکبر جو محکمہ جنگلات میں فارسٹر تھے کے ہمراہ آ کر ان کی سرپرستی میں رہے اور نامساعد حالات میں ہی بانہال کے ہائی سکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا جس کے بعد آپ یہاں کے ایک مقامی سکول ٹھہار میں مدرس تعینات ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد یہاں سے تبدیل ہو کر رام بن کے ہائی سکول میں تعینات ہوئے۔ آپ نے پرائیویٹ طور پر ادیب فاضل اور بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ دریں اثنا آپ ۱۹۶۱ء میں محکمہ کواپریٹو میں اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو کے طور تعینات ہوئے۔ آپ کے دو اور ساتھی ملک محمد عبداللہ اور محمد اقبال خان

جو انہی ایام میں علی گڈھ سے ایل ایل بی کی ڈگری کر کے آئے تھے اور رام بن میں وکالت شروع کر چکے تھے انھیں بھی اس عہدہ پر تعینات کیا گیا۔ لیکن انہوں نے اپنے وکالت کے پیشہ سے وابستہ رہنا پسند کیا۔ ۱۹۷۳ء میں آپ ترقی پا کر ڈپٹی رجسٹرار کے عہدے پر تعینات ہوئے اور ڈوڈہ سے اننت ناگ کے لئے تبدیل ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں آپ مزید ترقی پا کر اسسٹنٹ کمشنر ڈیویلپمنٹ ڈوڈہ کے طور پر تعینات ہوئے۔ ۱۹۸۳ء سے آپ کے اے ایس میں انڈکٹ ہو گئے اور جولائی ۱۹۹۷ء میں اعزازی طور پر ایڈیشنل رجسٹرار کوآپریٹو کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔ آپ اپنے محکمہ کے ایک باصلاحیت آفیسر مانے جاتے تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی تقریباً آٹھ برس تک ریجنل ٹریننگ، آر، ای، ٹی رنبیر سنگھ پورہ جموں کے اعزازی پرنسپل رہے۔ آج بھی اس ادارے میں اور IMPA میں گیسٹ سپیکر کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً مدعو کئے جاتے ہیں۔ دینی مطالعہ سے بھی آپ کو خاص رغبت حاصل ہے تا حال چار بار زیارت حج بیت اللہ اور تقریباً بارہ بار عمرہ شریف سے مشرف یاب ہوئے ہیں۔ مرکزی جامع مسجد بانہال کے نذر آتش ہونے کے بعد آپ نے اس کی دوبارہ تعمیر میں اپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔

☆

آنریبل جسٹس شری ٹی ایس ٹھاکور

جسٹس شری ٹی ایس ٹھاکور حال ہی میں سپریم کورٹ آف انڈیا کے چیف جسٹس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ ایک بہت ہی بُردبار شخصیت کے مالک ہیں اور محنت و لگن کا غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ کا انداز بیان سنجیدہ، متوازن اور پُرکشش ہے جو آپ کی ذہانت و لیاقت کا عکاس ہے۔ آپ ۴؍ جنوری ۱۹۵۲ء کو شری ڈی ڈی ٹھاکور کے ہاں تولد ہوئے۔ جو ریاست جموں و کشمیر کے ایک ماہر قانون اور ریاستی ہائیکورٹ کے ایک فاضل جج اور بعد میں ریاست کے نائب وزیر اعلیٰ اور ریاست آسام کے آنریبل گورنر جیسے ممتاز اور کلیدی عہدوں پر فائز رہ کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد شری ٹی ایس ٹھاکور ایک پلیڈر کی حیثیت سے اپنے والد شری ڈی ڈی ٹھاکور کے چیمبر سے منسلک ہو گئے اور بہت ہی کم عرصہ میں ایک ذہین ایڈووکیٹ کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آ گئے اور ۱۹۹۰ء میں ایک سینئر ایڈووکیٹ کی حیثیت سے معنون کئے گئے۔ ۱۶؍ جنوری ۱۹۹۴ء میں آپ کو جموں و کشمیر ہائیکورٹ کے ایڈیشنل جج کی عہدہ پر فائز کیا گیا اور مارچ ۱۹۹۴ء میں آپ کا یہاں سے تبدیل ہو کر ریاست کرناٹک کے ہائیکورٹ کے جج کے

عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۹۵ء میں ایک مستقل (Parmanent) جج کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۹/اپریل ۲۰۰۸ء میں آپ دہلی ہائیکورٹ میں ایک ایکٹنگ جج کے طور پر تعینات کیا گیا جہاں آپ نے اپنی بے مثال صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ ۱۱/اگست ۲۰۰۸ء میں آپ پنجاب اور ہریانہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کے طور پر فائز کیا جہاں آپ تقریباً دو سال کے عرصہ تک اپنی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ۱۷/نومبر ۲۰۰۹ء میں آپ نے مزید ترقی پا کر آنریبل سپریم کورٹ آف انڈیا کے جج کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کا منصب سنبھالا۔ بحیثیت سینیئر ترین جج آنریبل سپریم کورٹ آپ نے کئی ایسے بینچوں کی قیادت کی جس میں آپ نے BCCI (کرکٹ کنٹرول بورڈ آف انڈیا) اور MCCP (ملٹی کروڑ چٹ فنڈ) جیسے خرد برد کے سنگین معاملات کی سماعت کے بعد تاریخی فیصلے صادر کر دیے۔ اپنی غیر معمولی صلاحیت، ذہانت اور قابلیت کی بناء پر آپ کو ملک کی عدلیہ کے اعلیٰ ترین منصب پر دسمبر ۲۰۱۵ء میں بحیثیت چیف جسٹس آنریبل سپریم کورٹ آف انڈیا کے فائز ہوئے آپ نے جسٹس ایچ ایل دتو کی جگہ لی جو اس عہدے سے سبکدوش ہوئے جسٹس شری آدرش سین آنند کے بعد آپ ریاست سے تعلق رکھنے والے دوسری شخصیت ہیں جو اس عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ ایک سال کے زائد عرصہ تک عہدہ پر فائز رہیں گے۔

☆

شکیل احمد بیگ

جناب شکیل احمد بیگ ایک متوسط قد کے ایک سڈول، خوش وجاہت، چست و چوبند اور بیدار ذہن پولیس آفیسر ہیں۔ آپ ۲۵/مئی ۱۹۵۵ء میں بانہال کے موضع چریل میں حاجی عبداللطیف بیگ کے ہاں تولد ہوئے۔ بائیو سائنس مضمون میں پوسٹ گریجویٹ ڈگری حاصل کرنے کے بعد ریاستی پبلک سروس کمیشن کے مسابقتی امتحان (KAS/KPS) میں شمولیت کی اور کامیاب ہو کر ڈپٹی سپرانٹنڈنٹ کے طور پر طعینات ہوئے۔ دو سال کے عرصہ تک اودھم پور پولیس ٹریننگ سکول اور سرینگر میں پیشہ وارانہ تربیت حاصل کرنے کے بعد سرینگر کے جنوبی شہر کے اہم حساس پولیس سب ڈویژن میں تعینات کیے گئے جہاں پر آپ نے اپنی تیز ذہانت کی بدولت نقب زنی کی اہم واردات کا سراغ لگانے کے علاوہ، ربط ضبط اور عوامی تعلقات قائم کرنے کے حوالے سے ایک نمایاں رول ادا کیا، اس کے علاوہ منشیات اور براون شگر وغیرہ وغیرہ اخلاقی دھندوں کا بہت حد تک قلع قمع کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں آپ کو شہر جموں میں ٹریفک کا چارج دیا گیا جہاں آپ نے تن دہی سے کام کیا۔ آر۔ایس پورہ بس اڈہ کو موجودہ جگہ پر منتقل کرنا بھی آپ کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ ۱۹۹۲ء میں

آپ ریاست کے ویجیلنس محکمہ میں تعینات ہوئے۔ جہاں پر آپ نے رشوت ستانی کے کچھ اہم جرائم کو طشت ازبام کرنے میں کافی سعی کی۔ اپنی بے لوث پیشہ ورانہ خدمات اور دیانتداری کے صلے میں آپ کو ۱۹۸۴ء میں DGP Commendation medal کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ۱۹۹۴ء میں آپ ترقی پاکر ایس، پی آپریشنز کپوارہ کے طور پر تعینات ہوئے اور مارچ ۱۹۹۷ء میں ایس، پی، جے اینڈ کے سی، آئی، ڈی نئی دہلی تعینات ہوئے جہاں انچارج دہلی سیل کے طور پر آپ کی خدمات کافی نمایاں رہیں۔ جس کی بنا پر آپ کو پولیس میڈل سے نوازا گیا جو آپ کو ۲۰۰۰ء میں یوم جمہوریہ کے موقعہ پر دیا گیا۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں آپ کو نیشنل ہائے وے رام بن پر ایس، ایس، پی تعینات کیا گیا۔ جہاں آپ نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ۲۰۰۴ء میں ایس، ایس، پی جموں تعینات ہوئے اس دوران امرناتھ یاترا کے نقل وعمل بقومی تقریبات کے انعقاد اور ضوابط قانون کی عمل آوری میں کلیدی رول ادا کیا۔ ۲۰۰۶ء میں آپ کو بہترین کارکردگی کے عوض شیر کشمیر میڈل دیا گیا۔ ۲۰۱۰ء میں آپ ایس، ایس، پی بارہمولہ تعینات ہوئے۔ اس دوران وادی میں پتھراو کے واقعات کی وارداتیں ہونے لگیں۔ آپ نے لوگوں کو ہر ممکن تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی اور عوامی رابطوں کا عمل جاری رکھا۔ ۲۰۱۲ء میں آپ ترقی پاکر ڈی، آئی، جی ٹریفک جموں تعینات ہوئے۔ اس دوران آپ نے ٹریفک کو باقاعدہ بنانے اور حادثات کو کم کرنے کے حوالے سے مختلف پروگراموں کا اہتمام کیا اور ماتحت عملے کو قواعد کی عمل آوری میں چوکس رہنے کی ہدایت دی۔ اس وقت موصوف ڈی،

آئی، جی جموں کٹھوعہ رینج کے طور پر خدمات انجام دے رہیں ہیں۔ آپ نے اس دوران آپ نے کشتواڑ کے علاقے میں حالیہ نقص امن کے تناظر میں فرقہ وارانہ فسادات اور امن واتحاد کو یقینی بنانے میں اپنی سرگرم کوششیں جاری رکھیں۔ آپ کو پولیس عملے کی بہادرانہ قیادت کے سلسلے میں "صدارتی پولیس میڈل" عطا کیا گیا جو آپ کو یوم جمہوریہ ۱۹۱۴ء کی تقریب پر دیا گیا۔ آپ پولیس محکمہ کے ایک ہر دل عزیز آفیسر مانے جاتے ہیں۔

بشیر احمد رونیال

جناب بشیر احمد رونیال ایک ذہین اور ہر دل عزیز بیوروکریٹ رہے۔ آپ بانہال کے ایک دور افتادہ پہاڑی علاقہ مالیگام پوگل میں ۱۰ر مارچ ۱۹۵۴ء میں عبدالرحمان رونیال کے ہاں تولد ہوئے جو ایک نیک سیرت زمیندار تھے۔ مڈل درجے تک مالیگام کے مقامی سکول میں زیر تعلیم رہنے کے بعد ہائی سکول پوگل سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۳ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج اننت ناگ سے کمپاونڈ آرٹس میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران کالج کے سالنامہ جریدہ "ویری ناگ" کے معاون مدیر بھی رہے۔ ۱۹۷۶ء میں کشمیر یونیورسٹی سے اقتصادیات کے حقوق میں پوسٹ گریجویٹ ڈگری حاصل کی اور اسی دوران ریاست کے مسابقتی امتحان (KAS) پاس کیا۔ ۱۹۷۷ء میں تحصیلدار کے طور پر تربیت کے لئے منتخب ہوئے اور تربیت سے فارغ ہوکر تحصیلدار زرعی اصلاحات تحصیل مہور متعین ہوئے جہاں بڑی لگن کے ساتھ کام کیا۔ اس کے بعد آپ بانہال میں تحصیلدار کے طور تعینات ہوئے اور یہاں سے تبدیل ہوکر

ضلع ترقیاتی کمشنر ڈوڈہ کے دفتر میں ہیڈ کوارٹر اسسٹنٹ رہے اور پھر ڈوڈہ میں بطور تحصیلدار تعینات ہوئے۔ یہاں سے ترقی پا کر ایس ڈی ایم بن گئے اور کشتواڑ اور شوپیان جیسے علاقوں میں خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد اسسٹنٹ کمشنر راجوری اور ڈپٹی سیلز ٹیکس کمشنر کے طور پر بھی کام کیا۔ بعد ازاں مزید ترقی پا کر ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر سرینگر، ایڈیشنل ڈی سی جموں، ڈپٹی کمشنر راجوری، اننت ناگ، ڈائریکٹر فوڈ اینڈ سپلائز کشمیر، ڈائریکٹر دیہی ترقیات کشمیر، ایڈیشنل کمشنر کشمیر اور ریلیف کمشنر جموں جیسے عہدوں پر تعینات رہے۔ ۲۰۰۵ء میں آپ آئی، اے، ایس کے امتیازی کیڈر میں شامل ہوئے اور یہ ترقی آپ کو ۱۹۹۵ء سے دی گئی۔ آپ نے اُوڑی میں پیش آنے والے زلزلہ کے سانحہ کے دوران وہاں پر ریلیف کمشنر کے طور بشمول اپنے رفقاء کے اپنی بے لوث اور قابل ستائش کارکردگی کا مظاہرہ کیا جس کے عوض حکومت ہند کی جانب سے آپ کو پانچ لاکھ روپے کے نقد انعام اور گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ یہ اعزاز پہلی مرتبہ ریاست میں کسی سول سروس آفیسر کو دیا گیا اور یہ اعزاز آپ کو ۲۱ رمئی ۲۰۰۹ء کو ''یوم سول سروس'' کے موقعہ پر وزیر اعظم ہند شری من موہن سنگھ کے ہاتھوں ملا۔ موصوف نے ڈائریکٹر اسٹیٹس، ڈائریکٹر ٹیکنیکل ایجوکیشن، کمشنر سیکریٹری ٹیکنیکل ایجوکیشن، ریونیو اور بحالیات جیسے کلیدی عہدوں پر رہ کر اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ حال ہی میں کمشنر سیکریٹری اور ایمپلائمنٹ کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے اور اب سیاست میں آ کر عوامی خدمت کے مزید خواہاں ہیں۔

جسٹس شری دھیرج سنگھ:

جسٹس شری دھیرج سنگھ آنریبل ہائیکورٹ کے ایک جوان سال اور قابل جج ہیں۔ آپ ۲۵/اپریل ۱۹۶۴ء میں جسٹس شری ڈی ڈی ٹھاکور کے ہاں تولد ہوئے جو ریاستی ہائیکورٹ کے ایک قابل جج۔ سپریم کورٹ کے ایک سینیر ایڈووکیٹ ہونے کے علاوہ ریاست کے نائب وزیر اعلیٰ اور ریاست آسام کے گورنر جیسے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ شری دھیرج سنگھ نے ابتدائی تعلیم جموں کے پرزنٹیشن کانونٹ سے حاصل کرنے کے بعد جموں کے گاندھی میموریل سائینس کالج سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور بعد ازاں جموں یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد آپ اپنے برادر اکبر شری ٹی، ایس ٹھاکور کے چیمبر سے منسلک ہو کر ہائیکورٹ میں پریکٹس کرنے لگے اور کئی اہم فیصلوں کی پیروی کر کے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اپنی تیز ذہانت کی بدولت آپ ہائیکورٹ کے سینیر ایڈووکیٹ ہوئے اور اپنی صلاحیتوں لا لوہا منواتے رہے۔ ۸/مارچ ۲۰۱۳ء کو آپ جموں وکشمیر ہائیکورٹ میں ایک مستقل جج کے طور پر تعینات ہو کر اس عہدہ پر فائیز ہوئے اور تا حال اپنے فرائض منصبی کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں۔

زاہدہ خان

محترمہ زاہدہ خان ایک ایسے خانوادہ سے تعلق رکھتی ہیں جہاں ایک پڑھا لکھا سیاسی ماحول تھا۔ آپ کے والد مرحوم محمد ایوب خان ریاستی کابینہ کے ایک آزمودہ کار وزیر کابینہ رہنے کے علاوہ پردیس کانگریس کے صدر اور لوک سبھا کے

ممبر بھی رہے۔ زاہدہ پروین ۱۲/ مارچ ۱۹۵۷ء میں بانہال کے چملو اس علاقے میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم سرینگر کے ملنسن سکول میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان جموں سے پاس کرنے کے بعد بی، اے، ایم، اے اور ایم، ایڈ کے امتحانات بھی جموں یونیورسٹی سے پاس کئے۔ ۱۹۷۴ء میں ریاستی پبلک سروس کا امتحان کے، اے، ایس پاس کیا اور انڈر سیکریٹری کے طور پر تعینات ہوئیں اور مختلف محکموں میں کام کیا۔ اس کے بعد ترقی حاصل کر کے کچھ عرصہ جموں کے میڈیکل کالج میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کی حیثیت سے نمایاں کام کیا۔ اس کے بعد جن دیگر محکموں میں کام کیا اُن میں جوائنٹ ڈائیریکٹر ہینڈی کرافٹ، رجسٹرار اپیشل ٹریبونل اور ایڈمنسٹریٹو آفیسر سکول ایجوکیشن جیسے مناصب شامل ہیں۔ مزید ترقی حاصل کر کے ڈائیریکٹر سکول ایجوکیشن کے عہدہ پر تعینات ہوئیں جہاں تقریباً تین برس تک کافی محنت اور لگن اور ایمانداری سے کام کیا۔ ۲۰۱۱ء میں آپ کو ڈپٹی کمشنر کٹھوعہ کے طور پر فائیز کیا۔ آپ صوبہ جموں سے تعلق رکھنے والی پہلی مسلم ڈائیریکٹر اور ڈپٹی کمشنر رہی ہیں۔ مارچ ۲۰۱۳ء میں آپ اپنے اسی عہدہ سے کٹھوعہ سے سبکدوش ہوگئی۔

آفاق احمد:

مسٹر آفاق احمد گیری ایک اُبھرتے ہوئے باصلاحیت جوان سال ہیں جس کو ضلع رام بن سے قومی سطح کے آئی، ایس، کے وقاری امتحان میں کامیاب ہونے والے یہاں کے پہلے اُمیدوار کا اعزاز حاصل ہے۔ آفاق احمد ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء میں بانہال کے موضع بنکوٹ میں محمد یوسف گیری کے ہاں تولد ہوئے جو

محکمہ سوشل فارسٹری کے ایک ملازم ہیں۔ آفاق احمد کی ابتدائی تعلیم جموں کے ایک پبلک سکول میں ہوئی اور چھٹی جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد سینگ سکول نگروٹہ سے بارہویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد جموں کے انجینئرنگ کالج سے الیکٹرانک اور مواصلاتی انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی۔ تھوڑے سے وقت کیلئے ایک پرائیویٹ کمپنی (Nokia) میں کام کرنے کے بعد یہ مشغلہ چھوڑ دیا اور جامعہ ملیہ دہلی یونیورسٹی لائبریری میں مطالعہ سے استفادہ کیا اور ۲۰۱۳ء میں منعقد ہونے والے آئی، اے، ایس امتحان میں پہلی ہی کوشش میں کامیابی حاصل کی۔ دورانِ تعلیم سماجی کاموں میں بھی دلچسپی لیتے رہے اور ایک N G O کے فعال رکن بن گئے۔ آفاق کے سامنے مستقبل قریب میں ترقی کے نئے آفاق موجود ہیں۔ آپ کی کامیابی سے یہاں کی نئی پود کی صلاحیتوں کو ایک نئی جلا اور حوصلہ ملا ہے۔

فاروق احمد خان:

جناب فاروق احمد خان ایک باسلیقہ اور فرض شناس سرکاری آفیسر رہے۔ آپ ۲۴/ اگست ۱۹۵۵ء میں بانہال قصبہ کے خان محلّہ میں محمد یوسف خان کے ہاں تولد ہوئے جو محکمہ شیپ میں ایک دیانتدار اور فرض شناس شیپ ڈیولپمنٹ آفیسر مانے جاتے تھے۔ فاروق احمد خان نے ۱۹۸۴ء میں اقتصادیات کے مضمون میں پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر کے طور سلیکٹ ہوگئے۔ ۱۹۸۴ء میں ریاست کے مسابقتی امتحان کے، اے، ایس میں شامل ہو کر کامیابی حاصل کی اور دو سال کی تربیت کے بعد

۱۹۸۶ء میں تحصیل مہور میں بلاک ڈیولپمنٹ آفیسر تعینات ہوئے۔ اس عہدہ پر مختلف مقامات پر ڈیوٹی سرانجام دی۔ ۱۹۹۱ء میں ترقی پاکر پونچھ میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے طور تعینات ہوئے۔ اس کے بعد مہور اور ڈوڈو نسبت گڑھ جیسے علاقہ جات میں ایریا ڈیولپمنٹ آفیسر اور ایس ڈی ایم کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۹۹ء میں مزید ترقی پاکر اسسٹنٹ کمشنر ڈیولپمنٹ ڈوڈہ کے طور پر تعینات ہوئے۔ یہاں سے ۲۰۰۱ء میں تبدیل ہوکر جوائنٹ رجسٹرار کوآپریٹو کشمیر کے طور تعینات ہوئے۔ اس کے بعد تقریباً تین سال تک ایس ڈی ایم کولگام کشمیر اور کشتواڑ کے طور پر کام کیا۔ کشتواڑ سے تبدیل ہوکر جوائنٹ ڈائریکٹر فوڈ جموں کے عہدہ پر متعین ہوئے۔ مئی ۲۰۱۰ء میں جموں سے تبدیل ہوکر ڈپٹی کمشنر کولگام کے عہدہ پر فائیز ہوئے جہاں تقریباً دو برس تک خدمات انجام دیتے رہے اور اپنی بے لوث کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ۲۰۱۲ء میں یہاں سے تبدیل ہوکر سپیشل سیکریٹری فائنانس بنائے گئے اور تقریباً چھ ماہ تک یہاں کام کرنے کے بعد ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈس کشمیر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اگست ۲۰۱۳ء میں خوش اسلوبی کے ساتھ سرکاری خدمات سے سبکدوش ہوگئے۔ آپ اپنی پوری سروس کے دوران ایک شریف النفس اور فرض شناس آفیسر کے طور پر لوگوں میں ہر دل عزیز رہے۔

غلام حسن بٹ:

جناب غلام حسن بٹ ۱۳ر اگست ۱۹۳۹ء میں موضع تھہار بانہال میں عبدالکبیر بٹ کے ہاں تولد ہوئے۔ ہائی سکول بانہال سے میٹرک پاس کرنے

کے بعد اننت ناگ ڈگری کالج سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد کلکتہ چلے گئے اور بنگال انجینئرنگ کالج سب پور سے بی ای الیکٹرنگ کی ڈگری لی۔ اس کے بعد FRI۔ ڈیرہ دون سے ووڈ ورکنگ میں ڈپلوما حاصل کیا اور Specrilisation سٹڈی ٹور کی خاطر جرمنی، لندن، فرانس اور سویزرلینڈ جیسے ممالک کا دورہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مختلف تنظیموں کی جانب سے مختلف منیجمنٹ پروگراموں میں شمولیت کی خاطر ملک اور ملک سے باہر بھی چلے گئے۔ ٹمبر ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن کے تاحیات ممبر ہیں۔ آپ نے ۱۹۶۵ء میں سٹیٹ الیکٹریکل ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ انجینئر (پروبیشنر) کے طور پر اپنی سرکاری نوکری کا آغاز کیا۔ اس کے بعد وولن مل بمنہ میں ڈیپوٹ کیے گئے جہاں ۱۹۷۳ء تک انجینئر کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۷۳ء میں گورنمنٹ جوائیری پامپور میں ڈپٹی منیجر کی حیثیت سے تعینات ہوئے اور ۱۹۷۸ء میں ترقی پاکر منیجر کے عہدے پر فائیز ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں مزید ترقی پاکر ڈپٹی جنرل منیجر کے عہدے پر فائیز ہوئے جہاں ۱۹۸۹ء تک خدمات انجام دیتے رہے۔ اور اس دوران گورنمنٹ جوائیری مل پامپور اور گورنمنٹ سلک فیکٹری راج باغ سرینگر جیسی اہم جگہوں پر رہے۔ ۱۹۸۹ء میں ترقی پاکر جنرل منیجر ریزن فیکٹری میران صاحب جموں ریزن فیکٹری سندر بنی اور راجوری کے عہدوں پر تعینات رہے۔ JKI میں اپنی بہترین کارکردگی کی بنا پر آپ کو وزیر اعلیٰ کی جانب سے بہترین کارکردگی کا ایوارڈ دیا گیا۔ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۳ء تک پھر ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۰ء تک TCI کے جنرل منیجر رہے اور پھر ۲۰۱۰ء کے بعد TCI MAX کے جنرل منیجر

رہے۔ غلام حسن بٹ ایک بہت ہی محنتی اور دیانتدار آفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے اور اپنے متعلقہ اداروں کو چار چاند لگاتے رہے۔ سرکاری خدمات سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ یہاں کے فلاحی اور سماجی کاموں میں پیش پیش نظر آتے ہیں اور کافی عزت واحترام سے دیکھے جاتے ہیں۔

عبدالاحد مسرور:

عبدالاحد ملک تخلص مسرور بانہالی، بانہال کے ایک دین پسند اور صالح سماجی صلح کار ہیں۔ ۷ فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ بانہال کے متصل رتو موزہ میں شاہ اللہ ملک کے ہاں تولد ہوئے جو ایک بہت ہی شریف اور کم گو شخص تھے۔ مسرور صاحب کے نانا خواجہ سکندر ملک اس علاقہ کے ایک شائستہ شخص اور تحریک آزادی کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مسرور بانہالی نے مڈل تک سرکاری سکول میں تعلیم پانے کے بعد دینی کتب کا مطالعہ جاری رکھا اور جامعہ اردو دیوبند سے ماہر دینیات کا امتحان پاس کیا۔ چھوٹی عمر میں تحریک جماعت اسلامی جموں وکشمیر کے ساتھ وابستہ ہوگئے اور اس جماعت کے ایک سرگرم اور فعال رکن بن گئے۔ آپ ایک فصیح وبلیغ، دینی مبلغ اور ایک شعلہ بیان کشمیری خطیب ہونے کے ساتھ ایک فعال دینی، سماجی اور سیاسی کارکن بھی ہیں۔ اس کے علاوہ شعر گوئی کا ایک باسلیقہ ذوق رکھتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء کے اسمبلی انتخابات میں آپ نے متحدہ محاذ ٹکٹ پر انتخاب میں حصہ لیا لیکن جیت درج نہ کرا سکے۔ آپ اسوقت جماعت اسلامی کے ضلع سطح کے ناظم ہیں اور اپنا ایک حلقہ اثر رکھتے ہیں۔ اپنی خدمات کے سلسلے میں یہاں کے مختلف علاقوں میں بھی جا کر قرآن وحدیث

کی بات کہتے ہیں اور جامع مسجد شریف میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ آپ کے کلام میں اصلاح احوال کے ساتھ ساتھ عوامی بے راہ روی پر بھی ایک زیریں طنز پایا جاتا ہے۔ یہاں کے عوام میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

خالد نظام:

خواجہ خالد نظام، خواجہ صمد جو بانہالی کے ورثا میں سے ہیں، جن کا شخصی حکومت میں یہاں ایک دبدبہ رہا ہے۔ خالد نظام ۷/ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں موضع ڈولیگام بانہال میں خواجہ نظام الدین کے ہاں تولد ہوئے۔ ہائر سکنڈری الیکو کا امتحان ہائر سکنڈری امیرا کدل سرینگر سے پاس کرنے کے بعد ایس، پی کالج سے بی، ایس، سی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں جموں یونیورسٹی سے ایل، ایل، بی کی ڈگری لی اور ستمبر ۱۹۷۳ء میں رام بن بار ایسوسی ایشن کے ساتھ شامل ہوکر پریکٹس شروع کی اور پھر بانہال میں منصفی قایم ہونے کے بعد، گذشتہ تقریباً چالیس برس سے وکالت کے اپنے پیشے سے جُڑے ہوئے ہیں۔ آپ اس وقت یہاں کے ایک سینیر ایڈوکیٹ ہیں۔ کئی برس تک کانگریس کے تحصیل سکریٹری رہے۔ لیکن سرگرم سیاست میں آگے نہیں آئے۔

☆

پوگلی .... ایک مختصر تعارف

بانہال کا علاقہ اگر چہ مجموعی طور پر ایک کشمیری علاقہ ہے لیکن یہاں کے شمال مشرقی علاقے اور کچھ دیگر بالائی موزہ جات میں ایک اور مقامی بولی بولی جاتی ہے جو ''پوگلی'' کے نام سے منسوب ہے جو کشمیری زبان کی ایک نزدیک ترین شاخ یا ڈیلیکٹ (Dialect) مانی جاتی ہے، جس کا بیشتر لفظی سرمایہ اور لہجہ کشمیری سے ملتا جلتا اور قریبی مشابہت رکھتا ہے۔ ''یہ بولی تحصیل بانہال کے شمال مشرق میں پوگل'' پرستان، مالیگام، ہی وگن، دھنمستہ، بُہر دار، رام سو، نیل، چملواس، چکناڑ داو علاقوں میں اور شمال مغرب میں ہنجیال، چنجلو کے بالائی حصوں میں بولی جاتی ہے۔ جنوب مشرق میں یہ بولی کھڑی، شگن، ترگام، ترنہ، سرگنی، ناچلانہ، امکوٹ اور چاناپاڑی وغیرہ قریہ جات کی ایک لمبی چوڑی پٹی میں بولی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بولی رام بن، کنگا، پرنوت، گاندری، ستار سو، باتلی، دو موڑ اور ہنوت وغیرہ کے موزہ جات میں بھی بولی جاتی ہے۔ پوگل پرستان کے بیشتر لوگ اب رام بن، چنینی وغیرہ علاقوں میں منتقل ہو کر مقیم ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بولی اُن کے ہمراہ اُن جگہوں پر بھی رائج ہوتی جا رہی ہے۔ اگر چہ یہ آج

تک اردو نستعلیق میں لکھی جاتی رہی لیکن کشمیری رسم الخط اس کیلئے سب سے موزون اور مناسب ہے۔ مالیگام، پوگل پرستان میں آج بھی اردو کے کئی شیریں قلم کاتب موجود ہیں جن میں بیشتر جموں میں اخبارات میں کام کرتے ہیں اور صحافت کے ساتھ بھی جڑے ہوئے ہیں۔ (جموں صوبس منز کاشر زبان و ادبک تواریخ۔ منشور بانہالی صفحہ ۵۲_۵۳)۔ ریاست کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے کچھ بالائی علاقوں میں گوجر لوگ بھی آباد ہیں جو اپنی مادری زبان گوجری بولتے ہیں۔

پوگلی کے بارے میں، بیسویں صدی کے اوائل میں ایک مغربی محقق گراہم بیلے نے ''دی لینگوئجز آف دی ناردرن ہمالیاز'' نام کی کتاب میں اس بولی کے قواعد سے متعلق کئی باتوں پر روشنی ڈالی اور اس کے بعد نامور ماہر لسانیات سر جارج گریرسن نے ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا'' کے جلد ہشتم میں، پوگلی کے اصوات اور صرفی اور نحوی ڈھانچہ کے متعلق ایک تفصیلی جائزہ رقم کیا، جس کے بعد اس کے مزید جائیزے اور تحقیق کی جانب ماہرین لسانیات اور اہل زبان کی دلچسپی بڑھنے لگی۔ چند ہی برس قبل تقریباً ۱۹۸۸ء میں امریکہ کے ایک جوان سال پروفیسر اور ماہر لسانیات مسٹر پیٹر ہُک نے بھی پوگلی کے نظام اصوات اور صرفی نحوی قواعد کا باریک بینی سے جائیزہ لیا۔ پروفیسر موصوف ذاتی طور پر پوگل پرستان کے علاقہ جات تک پہنچے اور اومکار ناتھ نامی ایک ہم قلم کے اشتراک سے ایک تحقیقی مسودہ بھی مرتب کیا۔ پیٹر ہُک موصوف نے راقم الحروف سے بھی بالمشافہ اپنے پروجیکٹ کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ راقم الحروف نے جب

اُن سے اُن کے مطلوبہ پروجیکٹ کے بارے میں پوچھا تو آپ کا کہنا تھا کہ ''دورِ جدید میں انگریزی جیسی بڑی زبانوں کے زیرِ اثر ایک ''ثقافتی یلغار'' کا زور بڑھتا جارہا ہے اور بہت سی چھوٹی زبانیں، صفحۂ ہستی سے ناپید ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔ اس لئے اُن کے ملک نے اسی طرح کی کئی زبانوں کو ''Monoment'' اور نمونے کے طور پر محفوظ کرنے کا منصوبہ رکھا ہے اور اُنہیں پوگلی بولی کے پروجیکٹ پر کام کرنے کے لئے کہا گیا ہے''۔ پیٹر بگ کی تحقیق کے مطابق اس بولی کے بولنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ کشمیری زبان کے قلم کاروں میں پروفیسر مرغوب بانہالی، پروفیسر غلام محمد شاد، منیرہ فاطمہ اور منشور بانہالی وغیرہ حضرات نے پوگلی کے حوالے سے کئی مضامین اور تحقیقی جائیزے رقم کئے ہیں۔ مقامی طور پر نیل علاقہ سے تعلق رکھنے والے ایک مخلص استاد اور اہلِ قلم محمد اقبال نیا ئیک نے ''پوگلی زبان کا صوتی نظام'' کے نام سے اس بولی سے متعلق ایک محققانہ جائیزہ رقم کیا ہے اور اس کے مختلف اصوات اور لسانی مسافت کو کافی دیدہ ریزی کے ساتھ نمایاں کیا ہے جو اس بولی پر تحقیق کرنے والے، آئیندہ قلم کاروں کے لئے کافی کارآمد ہوسکتا ہے۔ اس بولی کا نام ''پوگلی'' کیسے پڑا؟ اس کے لئے مختلف آرا ہیں۔ عام خیال ہے کہ یہ بولی ''پوگل پرستان'' علاقے کے نام سے معنون ہے۔ جہاں کے لوگ اس بولی کو بولتے ہیں۔ ''پوگل پرستان'' ایک خوبصورت پہاڑی علاقہ ہے۔ پرانے زمانے میں اس علاقہ کے ساتھ خوبصورت پریوں کے موجود ہونے اور اُن کی انسانوں کے ساتھ دلچسپی دکھانے کے قصے بھی مشہور ہیں جو ابھی تک یہاں سینہ بہ سینہ چلے

آرہے ہیں۔ کشمیری زبان کے نامور رومانی شاعر ''رسل میر'' شاید اسی لئے ان کوہستانوں میں اپنے محبوب کی پرچھائیاں دیکھنے کے متمنی ہوکر یوں نغمہ سرا ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

مے دوندو وتم پراران وندے پوگل تہٕ پرستان
بہارٕ ڈ ژھنکھ پہاڑٕ ڈینگی کونگی ہاوتے پان

ترجمہ: اے میری محبوبہ۔ (کونگی) میں پورے موسم سرما کے دوران آپ کی خاطر پوگل پرستان کی برفیلی وادی میں آپ کا منتظر رہا۔ لیکن بہار آتے ہی تم نے دوسری جگہ یعنے ڈینگ بَل کے پہاڑوں میں گھومتے پھرنے کی ٹھان لی اور میں انتظار کرتا ہی رہا۔ اس لئے اب ملاقات میں زیادہ تاخیر نہ کرو)۔

پوگل پرستان دو متصل پہاڑی علاقہ جات ہیں جو بانہال کے شمال مشرق میں واقع ہیں۔ ان دونوں علاقوں کے دو چھوٹے دریائی نالے آکر ان کے دامن میں آکر مل جاتے ہیں اور سندری نالہ کے نام سے نالہ بچھلوی کے ساتھ آگے چل کر مل جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پوگلی بولی صرف پوگل اور پرستان علاقوں میں ہی نہیں بلکہ ایک وسیع وعریض پہاڑی پٹی میں اور یہاں کے مختلف اطراف میں بھی بولی جاتی ہے جیسا کہ ماقبل صفحات میں ذکر کیا گیا۔ اس لئے اس کو صرف یہیں تک محدود کرنا بعید از حقیقت ہے۔ اس کو ''پوگل'' نام تک ہی محدود رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ گریرسن خود ان علاقہ جات تک نہیں آیا بلکہ اپنے اہل کاروں کی وساطت سے معلومات کا حاصل کرتا رہا۔ ممکن ہے کہ اُس کے اہل کاروں کو

صرف اُن لوگوں سے ہی استفسار کا موقعہ ملا ہو جو پوگل علاقے سے متعلق ہوتے اور اُنہوں نے اس بولی کو پوگل تک ہی محدود ہونا ظاہر کیا ہو۔ غور سے دیکھا جائے تو آریائی قوم سے تعلق رکھنے والے جو کھش قبیلہ کے لوگ یہاں کے مختلف اطراف اور پہاڑی علاقوں میں آباد ہو گئے وہ کھاشا یا کھسائی بولی بولتے تھے۔ جس کو بعد میں ''کھبہ'' بولی بھی کہا گیا ہے۔ جس کا ذکر محمد اقبال نیا ئیک (نیلوی) نے بھی یوں کیا ہے۔''اس زبان کا قدیم نام ''کھبہ'' ہے جو کھاشا قبیلے سے منسوب بتائی جاتی ہے جس کا ذکر کلہن کی راج ترنگنی میں ہے[۱۵]۔ ''پوگلی'' نام بظاہر ایک محدود علاقے کا تعین کرتا ہے جبکہ اس کے بولنے والے یہاں کے مختلف دُور پار اور بالائی پہاڑی علاقوں میں بھی مسکن پذیر ہیں جو ابھی تعلیمی اور اقتصادی لحاظ سے مقابلتاً پسماندہ ہیں۔ راقم الحروف کی حقیر رائے میں اس کا ''کھبہ بولی'' یا ''پرستانی'' نام زیادہ موزوں ہوگا جس سے اس کے ایک وسیع لسانی مسند کا تعین ہوسکتا ہے اور اس کے تمام بولنے والوں کے علاقوں کی نمائندگی ہوسکتی ہے جس کے آگے چل کر کئی اور طرح کے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں اور پونچھ علاقے کی پہاڑی زبان بولنے والے لوگوں کی طرح ہی اس زبان کے بولنے والے بھی مراعات کے حقدار قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ لسانی سطح پر اس بولی کے دراصل تین طرح کے لہجے سامنے آجاتے ہیں۔ جیسے ۱۔ پوگل اور مانگام کا لہجہ۔ ۲۔ پرستان اور بڑو کا لہجہ جو پوگلی اور رام بن کا درمیانی لہجہ ہے۔ ۳۔ نیل، کھڑی، ترگام، چانپاڑی، پچھلو اور ہنجبال والا لہجہ، جس پر کشمیری کی زیادہ

پوگلی زبان کا صوتیاتی نظام۔ محمد اقبال نیا ئیک ص ۴۔

گہری چھاپ واضح ہے۔ یہ بات محتاج بیان ہے کہ کشمیری زبان کا تعلق درد خاندان سے بتایا جاتا ہے جس کا منبع دردستان کا علاقہ ہے جس میں گلگت، کشمیر، سندھ اور چترال وغیرہ علاقہ جات ہیں۔ کشمیری زبان اپنے دردمنبع سے نکل کر وادی کشمیر اور اس کے نواح میں نشوونما پاتی رہی اور خوب پھلی پھولی۔ چنانچہ وادی سے مختلف اوقات میں نامساعد حالات میں یہاں کے بہت سے لوگ نکل کر پہاڑی ملحقہ جات میں پناہ لیکر مقیم ہوتے رہے۔ وادی کے جنوب خاص کر وادی چناب میں کشتواڑی، سراجی، رام بنی اور پوگلی جیسی بولیاں رائج تھیں۔ جہاں ان کی زبان پر مقامی بولیوں کا بھی اثر پڑتا رہا اور ان کے لب ولہجہ میں بہت حد تک فرق کا عنصر غالب ہوتا گیا۔ ویسے دُنیا کی بڑی بڑی زبانیں بھی اپنے علاقائی تناظر میں اس طرح کے لب ولہجہ کے فرق کی حامل ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ صورت حال یہاں بھی موجود ہے۔ پوگلی بولنے والے کشمیری زبان کو بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں بلکہ کچھ لوگ بول بھی سکتے ہیں۔ جارج گریرسن چناب ویلی اور کشمیری زبان کے منظرنامے کے حوالے سے یوں رقمطراز نظر آتے ہیں:

Kashmir has also over flown the punjal range into the Janmu province of the state and in the valley between the water shed and the valley. Between the water shed and the valley of Chinab there are a number of mixed dialeets such as Pogli, Siraji of Doda and Rambani. The first of two represent ashmiri merging into Dogri (Grerson, 1919 : 233).

گریرسن کے اس قول کی تائید کو اس بولی کے ضمائر کے مطالعہ میں بھی دیا

طرح سے جانچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس بولی کے ضمیر غائب کا صیغہ جہاں کشمیری زبان کے عین مثل ہے وہیں واحد متکلم، جمع متکلم اور واحد حاضر پر رام بنی/یا ڈوگری کا زیادہ اثر نمایاں ہے: مثال کے طور پر۔

	واحد متکلم (میں)	جمع متکلم (ہم)	واحد حاضر (تم)	واحد غائب (وہ)	جمع غائب (وہ سب)
کشمیری:	بہٕ	اَسی	ژٕ	سُہ	تِمہ
پوگلی:	اوں	اَس	تُ	سُہ	تیوں

اس مثال میں جہاں واحد غائب (سُہ) پوگلی سے ملتا جلتا ہے وہیں واحد اور جمع متکلم پر رام بن یا ڈوگری کا نمایاں اثر ہے۔ مردم شماری ہند رپورٹ ۱۹۳۱ء کے مطابق ''پوگلی'' کشمیری کو علیحدہ طور پر دکھایا گیا ہے اور اُس وقت اس کے بولنے والوں کے اعداد و شمار کو ۱۵۱۷ کے قریب ظاہر کیا گیا ہے جبکہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں یہ تعداد صرف ۱۱۵۸ دکھائی گئی ہے جو راقم الحروف کے خیال میں صرف پوگل پرستان کے علاقے تک ہی کے لوگوں کا احاطہ کرتی ہے۔ جبکہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ پوگلی بولنے والوں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ بلکہ کشتواڑی بولی کی طرح پوگلی میں بھی مسلم اور غیر مسلم فرقوں میں لغت کے اعتبار سے کئی لفظوں میں فرق موجود ہے۔

پوگلی اور کشمیری زبان کے بیشتر سرمایہ الفاظ میں ایک قدر مشترک پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر۔

اُردو	کشمیری	پوگلی	اُردو	کشمیری	پوگلی
وہ	سُہ	سُہ	کالا	کرہُون	کورہن
چار	ژور	ژور	چاول	بتہٕ	بت
گوشت	ماز	ماز	سفید	سفید	سفید (چھوت)
آگ	نار	نار	دس	داہ	داہ
چرخہ	یندر	یندر	بارش	روُد	روُد

کم و بیش فرق والے الفاظ:

اُردو	کشمیری	پوگلی	اُردو	کشمیری	پوگلی
دودھ	دودٕ	دُو	سات	ستھ	ست
دھان	دانہٕ	دان	آٹھ	اُٹھ	اُٹھ
کتا	ہُون	ہُن	درخت	کُل	کوُل
پاؤں	کھور	کھُر	ریچھ	ہاپُت	شوپُت
رات	راتھ	رات	ایک	اکھ	یکھ
پانی	پوٗنۍ	پنیہ	طوطا	شوکہ	شُک
بھاری	گوب	گُب	کھڑا	ودنہٕ	اُدنہ
اندھا	اوٗن	اُن	روشنی	گاش	گواش
پُل	کدل	کوڈل	ہم	اَسی	اَس
لال	وُوزُل	اُزل			

چند افعال:

اُردو	کشمیری	پوگلی	اُردو	کشمیری	پوگلی
لکھنا	لیکھن	لِکھن	لانا	اَنُن	آنہٗ
پڑھنا	پَرُن	پڑُنہ	پوچھنا	پرژھن	پُرژنہ
کھیلنا	گِنڈُن	گندنہ	پکڑنا	رَٹُن	رٹنہ
ہنسنا	اَسُن	ہسنہ	دھونا	چھلُن	چھلنہ
دیکھنا	وُوچھن	باٹنہ	سننا	بوزُن	ہٹنہ

صفات:

اُردو	کشمیری	پوگلی	اُردو	کشمیری	پوگلی
سادگی	سیزر	سیجر	اونچائی	تھزر	تھجر
گرمی	تور	تیجر	ہاکاپن	لوزر	لوجر

کچھ دیگر الفاظ:

اُردو	پوگلی	اُردو	پوگلی	اُردو	پوگلی
سورج	دوس	چاند	زوُسن	اخروٹ	اچھِر
سیب	ژوہ	گندم	گولہ	شیر	گوشال
لومڑی	سِہہ	تارا	تارگن	چاول	تون
صبح سویرے	رچی	شام	ورنہ	چراغ	دیو

ماتھا　　زک　　ماسی　　مش　　چیل　　گریڑی

بندر　　ملگو　　وغیرہ وغیرہ

حیرت کی بات ہے کہ پوگلی کے چند الفاظ ایسے بھی ہیں جو للہ عارفہ اور حضرت شیخ العالمؒ کے کلام میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں جو اس بولی میں اب تک محفوظ ہیں۔ مثلاً زاگُن (انتظار) سواس (راکھ) پَشُن (دیکھنا) کا زُھونا (کوئی نہیں) وغیرہ وغیرہ بہت سارے الفاظ ہیں۔ محققین کے مطابق پوگلی بولی میں کشمیری زبان کے ساتھ سے ستر فیصد تک الفاظ دیکھنے کو ملتے ہیں اور یہ کشمیری زبان کی ایک نزدیک ترین ذیلی شاخ ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف ذخیرہ الفاظ کو ہی کسی زبان کی مماثلت کے ہدوش بنیاد بنانا کافی نہیں۔ بلکہ اس کیلئے اس کے صوتیات، فونمیات، مارفیات یا صرف ونحو اور اس کے ترسمیات کی ترکیبی اور امتزاجی صورت حال کا مطالعہ ایک کسوٹی ہے جو زبانوں کی درجہ بندی کو ایک سائنٹفک طریقے سے جانچنے کے کام کو آسان بنادیتا ہے جس کیلئے ان مختصر سطور میں گنجائش نہیں ہے بلکہ ایک علٰحیدہ اور مدلل مضمون کا ہونا درکار ہے۔ سردست صرف اسقدر ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ بانہال کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جہاں کشمیری زبان کا اور بھی ایک لہجہ محفوظ ہے۔

تاہم قارئین کی تفہیم کیلئے اس بولی کے قواعد کے حوالے سے چند ہلکے پھلکے اشتقاقی صرفیے اور لاحقے پیش مطالعہ ہیں جن سے اس بولی کی ماہیت کو کماحقہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے: مثال کے طور پر۔

اشتقاقی حرفے: ظروف زمان ومکان:

اُردو	پوگلی	اُردو	پوگلی	اُردو	پوگلی
ہمارا	اسو	اب	یہلہ	کب سے	کیلہ پاتھ
اُس کا	تسو	کب	کیلہ	تب سے	تیلہ پاتھ
کس کا	کسو	تب	تیلہ	جب تک	یہلہ تاں
اس کا	یسو	جب سے	یہلہ پاتھ	اس وقت	یہلوک
کس وقت	کیلوک	اُس وقت	تیلوک	کس جگہ	کور یھ
اُس جگہ	ہور یھ	آئندہ برس	چند س	گزرا ہوا برس	اُچہ
اوپر کی طرف	اَب کھ	نیچے کی طرف	کھلو کھ		

فعل لازم ومتعدی کے چند اشارے:

اُردو	پوگلی	اُردو	پوگلی	اُردو	پوگلی
چلنا	چنیہ	دیکھنا	بالنہ	پلانا	پیولنہ
دکھنا	بالنہ	تولنا	ٹلنہ	ہنسنا	ہسنہ
تول کرانا	ٹلنہ	ہنسانا	ہسلنہ	وغیرہ وغیرہ	

مصدر آس (آنا) سے چند جملوں کی ساخت:

ماضی مطلق	ماضی قریب	ماضی بعید	ماضی شکیہ یا احتمالی
میں آیا	میں آیا ہوں	میں آیا تھا	اوں آسہ آمت
اوں آس	اوں چھس آمت	اوں اتھوس آمت	

فعل مستقبل	ماضی استمراری	ماضی تمنائی یا شرطی
میں آؤں گا	میں آیا تھا	کاش میں آتا
اوں یوس	اوں اوسس یوتہ	اوں یوہس

بول چال کے چند جملے:

اُردو	
آپ کا کیا نام ہے؟	تن نام کت چھو
تم کہاں رہتے ہو؟	ٹ کہتہ رہیہ چھس؟
تم کیا کرتے ہو؟	ٹ کت چھس کرتہ؟
تم کیوں ہنستے ہو؟	ٹ کوز چھس ہستہ؟
سبق روزانہ پڑھنا چاہیے	سبق کو ھدو سے پڑہنہ
میں نے خواب دیکھا	مہ بالتہ خاب
اُس نے میرے سے کتاب لے لی	تن نیای مہ لب کتاب
وہ نیچے کی طرف دیکھتا ہی نہیں	نہ چھنہ بالتیے کھلو کھن

چنانچہ ایک زبان کو تب تک ایک خود مختار زبان نہیں کہا جا سکتا جب تک نہ اس کا با قاعدہ گرائمر رسم الخط ذخیرہ الفاظ اور سرمایہ ادب ہو اور اپنی ایک قومیت ہو۔ کشمیری زبان ان تینوں طرح کے خواص سے آراستہ ہے اور قومی سطح پر آ گئی درجہ کی حامل ہے۔ زبان ایک ماں کا درجہ رکھتی ہے اور بولی کو اس کی بیٹی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ پوگلی میں اگرچہ شعری ادب کی روایت موجود نہ تھی لیکن اب نئے تعلیم یافتہ لوگ اپنی کاوشوں کو بروئے کار لانے کے درپے ہیں۔

پونگلی میں پہلا نام اکبر جو نامی ایک لوک شاعر کا ملتا ہے۔ اُس کے بعد کشمیری زبان کے ایک فی البدیہہ اور ذہین شاعر پیرزادہ مشکور نے اس زبان میں شستہ اور دلپذیر کلام لکھا۔ موصوف اس علاقے میں پیر مریدی کے سلسلے میں آتے تھے اور پونگلی کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔ لیکن چھوٹی عمر میں ہی انتقال کر گئے پیر مشکور کے بعد مشتاق پونگلی، منظور پونگلی، نشاط نیلوی، محمد یوسف، آزاد اسمٰعیل اسری، راہی مالیگامی، ذوالفقار پونگلی، رفیق مالیگامی، فاروق نادم اور عبداللطیف بلبل، پونگلی کے قلمکاروں میں شامل ہیں۔ حاجی مشتاق پونگلی صاحب، منظور پونگلی، فاروق نادم اور بلبل کے شاعری کتابچے بھی شائع ہو گئے ہیں اور اس رجحان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

☆

یادِ رفتگان

کل تلک جو رونق محفل تھے یاں
اب فقط اک خامشی ہے اور بس

انسانی سماج افراد سے تشکیل پاتا ہے۔ اور کوئی بھی انسانی سماج اچھے افراد سے خالی نہیں ہوتا۔ تاریخ اور سماج افراد کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ ہر دور میں سماج میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں جو دوسروں کیلئے باعث رشک اور ہمدردی کا موجب بن جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کسی عہد ساز شخصیت کا حامل ہو یا اونچی شان شوکت اور امارت کا مالک ہو۔ بلکہ اپنی مقدور کے مطابق، اپنے سماج کے لئے اسقدر، ہمدرد، خیر خواہ اور بے ضرر رہا ہو اور مخصوص کردار کا حامل رہا ہو کہ اُس کے دُنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد بھی، اُس کی یاد دیر تک دلوں کے دریچوں پر دستک دیتی رہے اور اُس کے اوصاف واطوار کا ذکر ہوتا رہے۔ برعکس اس کے کچھ ایسے ناپسندیدہ عناصر بھی سماج میں سامنے آتے ہیں جو اپنے ہی لوگوں کے لئے اذیت رسانی اور ظلم کا موجب بن جاتے ہیں اور ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ دراصل انسانی سماج ایک دریا کی مانند ہے جو رفتار زمانہ کے ساتھ لگاتار بہتا رہتا ہے۔ جس کی تہوں میں لال و جواہر بھی ہوتے ہیں اور جس کی لہروں کے ساتھ کوڑا کرکٹ بھی بہتا رہتا ہے، لیکن قانون قدرت کا تقاضہ ہے کہ اچھائی کو ہمیشہ

پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بُرائی ہمیشہ حدف ملامت ونفرت بن جاتی ہے۔ قدرت دراصل کسی شخص کی تخلیق بے وجہ نہیں کرتی ہے اور کوئی بھی شخص اس عالم رنگ وبو میں باز خلق (Re-create) نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیب دیتی ہیں لیکن وہ لوگ جو سماج میں کسی نہ کسی حیثیت سے اپنی خدمات کا حصہ ادا کر کیں اُن کا ذکر کیا جانا آئیندہ پُود کے لئے حوصلہ افزائی اور رہنمائی کا موجب بننے کے ساتھ ساتھ ایک ارفع سماجی شعور کا تعین کرنے میں بھی مددگار بن جاتا ہے۔ زیر نظر صفحات میں بانہال علاقہ سے تعلق رکھنے والے چند ایسے بزرگوں کا تعارف کرنا مقصود ہے جو گذشتہ نصف صدی یا اس سے زیادہ کے مشکل دور میں بھی اپنی محنت لگن اور خدمت کی وجہ سے یہاں کے معززین اور اس علاقہ کے عمائدین کی صف میں شامل رہ کر بقدر ظرف اپنا حصہ ادا کرتے رہے ہیں اور اپنے یادوں کے نقوش کی امانت ہمارے پاس چھوڑ گئے ہیں۔ ع

حق مغفرت کرے کہ عجب نیک مرد تھے

مولوی رسُول شیخ

مولوی رسول شیخ موضع ڈولیگام کے رہنے والے تھے۔ آپ بانہال کسکوٹ کے جید فارسی عالم اور شاعر مولانا احمد بانہالی مرحوم کے شاگرد اور ڈلیگام کے خواجہ صمد جو بانہالی کے ہم سبق تھے جو ڈوگرہ دور حکومت میں یہاں کے وزیر وزارت بتائے جاتے ہیں۔ مولوی رسول شیخ نے خواجہ صمد جو موصوف کے تعاون سے ڈولیگام میں پہلا دینی درسگاہ قائم کیا اور لوگوں کو دینی تعلیم سے مستفید فرمایا۔ آپ ایک باعمل عالم دین اور ماہر اُستاد تھے۔ صوبہ جموں کے پہلے

کشمیری نامور شاعر مرحوم اعمٰی عبدالرحیم کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے جو آپ کی اُستادانہ مہارت اور عالمانہ فراست کا از حد قائل رہا ہے۔ اعما عبدالرحیم نے اپنی شاعری میں آپ کو کئی مقامات پر مولانا عبدالرسول کے نام سے تعظیماً اور تادیباً یاد کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیر کے نامور شاعر رسول میر نے اس درسگاہ کی مقبولیت کو دیکھکر اپنے دونوں فرزندوں (فتح میر اور اشرف میر) کو اس درسگاہ میں زیر تربیت رکھا ہوا تھا مولوی رسول شیخ کے خاندان کے لوگ آج بھی یہاں موجود ہیں۔ عبدالحمید مضروب اور اقبال شہید اس خانداب کے اُبھتے قلم کار ہیں۔

مولوی عزیز اللہ

ڈوگرہ دور حکومت میں آپ نارو پورہ (وتناڑ) کوکرناگ سے آکر بانہال کے موضع کرادہ میں سکونت پذیر ہوئے اور یہاں کے ایک دین پسند زمیندار خاندان خواجہ سکندر ملک کے ہاں شادی کی، جو یہاں کے نمبردار بھی تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس قریہ میں دینی تدریس کا کام شروع کیا اور بانہال کی جامع مسجد کے پہلے امام تھے۔ خواجہ غلام محمد ڈار گرد اور غنی ڈار اور حاجی خضر نیایک وغیرہ یہاں کے بزرگ اُس وقت آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ آپ کا بڑا فرزند الحاج مولوی سیف الدین، مولٰنا مرحوم قاسم صاحب بخاری اور پیر فاضل صاحب کلاشپورہ سرینگر کا شاگرد رہ چکا ہے اور ایک معروف عالم دین ہے جو آج بھی اسی برس کی عمر میں دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ مولانا عزیز اللہ موصوف کی فارسی دانی کا اندازہ آپ کے ایک مرقومہ سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے والد مولوی محمد خضر کے نام لکھا ہے جس کی نقل من وعن یہاں درج کی جاتی ہے۔

حاجی اعظم ڈار

سفرِ محمود پر پیدل چل کر جانے والا بانہال کا پہلا حاجی

مرحوم حاجی اعظم ڈار، بانہال علاقے کے موضع نوگام کے رہنے والے تھے جو پیر پنچال پہاڑ کے دامن میں، جواہر سرنگ سے قریباً چھ کلومیٹر کی دوری پر واقع ایک قریہ ہے۔ ڈار خاندان کے لوگ آج بھی یہاں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حاجی اعظم ڈار نے ۱۷۵۰ء میں زیارت بیت اللہ کے لئے رختِ سفر باندھا اور کشمیر سے ہوتے ہوئے پہلے لاہور پہنچے اور بعد ازاں وہاں سے ایران سے ہوتے ہوئے مرحلہ وار، مکہ مکرمہ میں پہنچے اور زیارت بیت اللہ شریف سے فیض یاب ہوگئے۔ حاجی مرحوم چند ماہ مکۃ المکرمہ میں قیام کرنے کے بعد اسی راستے سے واپس آگئے اور اس سفرِ مبارک کو بارہ سال طویل عرصے میں طے کیا۔ روایت ہے کہ بواپسی آپ نے پہلے بانہال قصبہ کے متصل قیام کیا جہاں پر آج ایک کرم ابریشم کا دفتر ہے اور بعد ازاں لوگوں نے آپ کو وہاں سے پالکی کے ذریعے پورے احترام کے ساتھ اپنے گاؤں میں پہنچایا اور لوگ دور دور جگہوں سے آپ کی ملاقات کیلئے آتے رہے۔ نوگام موضع میں ایک اور ولی خدا اخی سرور سمنانی کے نام پر ایک زیارت گاہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کی حاجی مرحوم و مذکور نے حج پر جانے سے پہلے اس زیارت کی تعمیر کا کام کیا۔[1]

۱؎ حاجی اعظم ڈار، نگاش نار کو جلد ۲۰۱۱، صفحہ ۷۔ شبیر حسین

مولانا احمد اللہ بالی (۱۸۵۲ء......۱۹۲۰ء)

مولانا احمد اللہ بالی پوگل پرستان کے مالیگام گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ایک نیک سیرت عالم دین تھے جس کے اس دور افتادہ اور پسماندہ علاقہ کو جہالت، توہم پرستی اور شرک وبدعت سے نکال کر روحانی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ مولانا احمد اللہ بالی نے اپنے عنفوان شباب میں ہی پیادہ سفر کرکے اور راستے کی طرح طرح کی صعوبتوں کو برداشت کرکے لاہور اور سیالکوٹ کا رُخ کیا۔ جہاں پر آپ نے وہاں کے نامور علماء دین حافظ عبدالمنان وزیرآبادی اور مولانا محمد حسین بٹالوی جیسے اساتذہ کی شاگردی میں رہ کر قرآن پاک اور احادیث کا اچھا خاصا مطالعہ کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ پھر اپنے وطن مالوف میں پہنچے اور یہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانے کیلئے کمربستہ ہوگئے۔ چنانچہ یہ علاقہ جب راجگان کشتواڑ کی قلمرو میں شامل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُن ایام میں جہاں ولی کامل حضرت اخیار الدین بغدادیؒ کا ورودِ مسعود بھی ہو چکا تھا جن کے طفیل یہاں کی کیاری کا بیشتر حصہ مشرف بہ اسلام ہوا تھا لیکن اکثر لوگ اسلامی تعلیمات سے پوری طرح آشنا نہ تھے اور مختلف طرح کی تنگ نظریوں اور توہم وبدعات میں مبتلا تھے۔ مولانا احمد اللہ بالی صاحب یہاں واپس تشریف لائے تو آپ ایک مومنانہ فراست اور داعیانہ تڑپ سے سرشار تھے۔ آپ نے یہاں گھر گھر جا کر اپنی داعیانہ خدمات کو جاری رکھا اور لوگوں کو دین کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرنے کی سعی کی۔ آپ نے مختلف موذہ جات میں قرآن پاک کی تعلیمات پڑھانے کا آغاز کیا۔ اس

دوران آپ کو سخت مخالفت اور مشکلات کا بھی سامنا رہا لیکن آپ اپنے مشن میں مستعد رہے اور اپنے شاگردوں کا ایک چھوٹا موٹا حلقہ بھی پیدا کیا جن میں مولوی عبدالسبحان، مولوی محمد یوسف بالی اور قاضی محمد رمضان شامل ہیں جنہوں نے آپ سے اکتساب فیض حاصل کرکے آپ کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کی سعی جمیل کی، جس کے نتیجے میں آگے چل کر یہاں ۱۹۲۶ء انجمن کوہستانی کشفیہ نام کی ایک دینی انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ غلام رسول جموی اور میجر محمد اسماعیل لاہوری جیسے دین پسند لوگ اس انجمن کے روح رواں ہے اور بعد میں اس انجمن کی سرپرستی میں ایک پرائمری سکول کھولا گیا جو اس علاقے کا ابتدائی سکول مانا جاتا ہے۔ مولانا احمد اللہ بالی ۱۹۲۰ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

چوہدری اللہ دتہ:

ایک متوسط قد کے ایک بُردبار خداترس، محنتی اور مالدار شخص تھے اور ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کولگام کشمیر سے متعلق تھے اور نوعمری میں کسی معمار کے ہمراہ پاکستان کے لاہور شہر میں تلاش روزگار کی خاطر چلے گئے اور کچھ عرصہ تک وہاں رہنے کے بعد جموں کے محلہ بابا جیون شاہ میں مقیم ہوگئے اور اس ولی خدا کی خدمت بھی بجالاتے رہے بعد میں زمین کے اُس قطعہ کو خرید کر اُن کی وفات کے بعد بابا جیون شاہ ولی خدا کا مرقد تعمیر کیا۔ جموں سے بانہال آئے اور یہاں رام سو کے مقام پر شادی کی جہاں آپ کے دولڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں پھر بانہال کے تانترے پورہ گاؤں کی مقیم ہوگئے۔ کچھ عرصہ معمار کا کام کیا اور پھر ٹھیکیداری کرنے لگے۔ ڈولیگام میں ایک بیوہ سے

دوسری شادی کی جس کے بطن سے عبدالعزیز نام کا بیٹا تولد ہوا۔ اُس کے بعد آپ بانہال کے قصبہ ہولنہ میں ایک مکان تعمیر کر کے مقیم ہو گئے اور اپنے فرزند عبدالعزیز کے ساتھ رہنے لگے اور کافی زمین وغیرہ بھی خرید لی۔ آپ سفرِ حج پر روانہ ہوئے لیکن کسی وجہ سے یہ سفر بہ عمل نہ آسکا۔ اس کے بعد آپ نے یہاں قصبہ بانہال میں ہی ایک قطعہ اراضی کو خرید کر بانہال کی مرکزی جامع مسجد کو پہلی بار خود اپنی ذات پر تعمیر کیا لیکن یہ بعد میں آگ کی ایک واردات کی نذر ہو گئی۔ آپ ایک نیک اور بااصول شخص تھے قریباً نوے برس کی عمر میں انتقال کیا۔

مولانا عبداللطیف:

مولانا عبداللطیف عربی اور فارسی کے ایک مستند عالم تھے۔ آپ دہلی کے رہنے والے تھے اور کسی وبائی بیماری کے سبب اپنے علاقے کو چھوڑ کر کسی حکیم کے مشورے پر معتدل آب وہوا کی تلاش میں یہاں پہنچے اور موضع ٹھٹھار میں ایک نیک اور دیندار شخص غفار اتو نے آپ کو از راہ قدر دانی اپنے گھر میں رکھا۔ آپ نے یہاں پر ایک چھوٹے سے درس گاہ کو قایم کیا اور پورے موڑہ کے بچوں کو اپنی تعلیم سے آراستہ کیا۔ سترہ برس تک یہاں قیام کر کے رحلت کر گئے اور اس گاؤں میں مدفون ہیں کہا جاتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ خود ایک بار سرینگر سے آکر یہاں اُن سے ملاقی ہو گئے۔

الحاج حاجی شمس الدین:

بانہال کے ایک شائستہ دماغ، خوش پوش اور صاحب ثروت شخص تھے۔ متوسط قد اور سر پر ایک طرۂ دار عمامہ پہنتے تھے۔ اپنے کاروبار کے علاوہ حکمت

کا کام بھی کرتے تھے اور لوگوں کو از راہ مُروت مفت علاج کرتے تھے۔ آپ کا والد خضر راتھر کولگام کشمیر کا رہنے والا تھا جو ایک زبردست قحط کے دوران کشمیر سے لاہور چلا گیا۔ آپ کے تین بیٹے ہوئے۔ شمس الدین، غلام رسول اور قمر الدین جو کئی برس تک پاکستان میں قیام کے بعد جموں کے محلہ باباجیون شاہ میں مقیم ہو گیا اور وہیں پر انتقال کر گیا۔ حاجی شمس الدین نے پاکستان میں ہی تعلیم پائی اور اس کے ساتھ حکمت بھی سیکھ لی۔ باپ کی وفات کے بعد اپنے بیٹوں کے ہمراہ سرینگر جا کر مقیم ہو گیا اور عبدالرحمان راتھر نامی ٹھیکدار کے ساتھ کام کرنے لگا اور بعد میں اسی کے ہمراہ بانہال چلا آیا اور بانہال کے ٹول پوسٹ پر اپنا مکان تعمیر کیا جو بعد ازاں محکمہ ایکسائیز کو فروخت کیا جو لکھنپور کے بعد دوسرا اہم ٹول پوسٹ تھا جو اب قاضی گنڈ میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ناگیل میں اپنا دوسرا مکان تعمیر کیا جو آج بھی موجود ہے۔ حاجی موصوف نے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے محمد اسلم اور ایک لڑکی پیدا ہوئی دوسری بیوی سے محمد عمر، محمد امین، محمد اختر عبدالقیوم اور محمد سلیم پیدا ہوئے تیسری بیوی سے محمد فاروق اور افتخار احمد پیدا ہوئے۔ محمد اختر نظامی بعد میں رکن اسمبلی بن گئے اور محمد سلیم انجینئر ریٹائیر ہوئے۔ خواجہ محمد عمر حاجی محمد امین حاجی عبدالقیوم اور فاروق احمد سب اے کلاس کاروباری ہیں۔ حاجی شمس الدین قریباً ۸۷ برس کی عمر میں رحلت کر گئے۔

الحاج مولوی غلام احمد:

الحاج غلام احمد موضع بنکوٹ بانہال کے رہنے والے تھے۔ آپ بانہال کے

اولین اساتذہ میں ہیں، جن کی شاگردی کا حلقہ یہاں کے پورے علاقے میں موجود ہے۔ مولوی غلام احمد موضع بنکوٹ میں ۱۹۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے آپ مڈل تک پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن عربی اور فارسی کا اچھا علم اور ذوق رکھتے تھے۔

مولوی غلام احمد کے والد مولوی جعفر شاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عبادت گزار روحانی اور حافظ کلام اللہ تھے۔ جو کشمیر کے کوکام علاقے سے پیر مریدی کے حوالے سے پہلے یہاں کے کراوہ گاؤں اور پھر وہاں سے مہو منگت کے پہاڑی علاقے میں پہنچے اور لوگوں کو دینی تعلیمات سے روشناس کرتے رہے۔ دریں ایام موضع بنکوٹ کے اُس وقت کے ایک معزز کاروباری خواجہ لسم جو گیری وہاں اپنے کاروبار کی خاطر جایا کرتے تھے۔ لسم جو موصوف مولوی جعفر شاہ کے دینی اور علمی تجر کو دیکھ کر متاثر ہوئے۔ چنانچہ مہو منگت کے علاقے میں اُس وقت اقتصادی غربت تھی۔ آپ نے مولوی جعفر شاہ کو اپنے ہمراہ اپنے آبائی گاؤں بنکوٹ میں آنے کی پیش کش کی اور دینی تعلیم پڑھانے اور مسجد شریف کی امامت کرنے پر آمادہ کیا اور بعد میں آپ مستقل طور پر یہیں پر مقیم ہو گئے۔ جعفر شاہ کے اور بھی تین بھائی تھے۔ عزیز شاہ، خلیل شاہ اور احد شاہ۔ عزیز شاہ قاضی گنڈ کے گنڈ علاقے میں جا کر بس گیا خلیل شاہ اسلام آباد کے داکیلو علاقے میں اور احد شاہ بانہال کے نوگام موڑہ میں جا بسا۔ احد شاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پیدل چل کر حج بیت اللہ پر گیا ہوا تھا اور کئی سالوں کے بعد واپس اپنے ملک میں پہنچا۔ مولوی جعفر شاہ کے تین بیٹے ہوئے۔ علی شاہ، حبیب شاہ اور غلام احمد شاہ۔ علی شاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں

کے اولین مدرس ہوئے۔ وہ اچھے عربی اور فارسی دان ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ لیکن چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے اور بعد ازاں اُن کی جگہ اُن کے بھائی مولوی غلام احمد کو تعینات کیا گیا جو ساری عمر یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور عربی اور فارسی پڑھاتے رہے۔ مولوی موصوف ایک اچھے حکیم بھی تھے اور اُن کے پاس دور کی جگہوں سے بھی لوگ علاج کی خاطر آتے تھے۔ آپ بہت ہی منکسر المزاج، جہاندیدہ اور ظریف طبیعت کے مالک تھے۔ یہاں کے کئی رُکن پارلیمانی اور وزیر آپ کے شاگرد رہ چکے تھے جو انہیں احترام کرتے تھے۔ آپ ۱۹۸۹ء میں بعمر ۸۰ سال رحلت کر گئے۔ آپ ایک پُر معلومات دینی عالم اور اُستاد تھے۔

خواجہ سکندر ملک:

آپ بانہال قصبہ کے متصل موضع رلو کے ایک بے باک اور معزز شخص تھے اور شیخ محمد عبداللہ کے بے لوث حمایتی اور مجاہد آزادی تھے۔ جب شیخ صاحب گرفتار ہوئے تو آپ کو بھی حراست میں لیا گیا۔ محاذ رائے شماری کے زبردست حامی تھے۔ جمعہ کے روز اکثر جامع مسجد بانہال میں اسم اعظم پڑھنے کے بعد محبوسیوں کے حق میں دعا کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء کے ایکارڈ کے بعد کنارہ کش ہو کر کنج عافیت میں بیٹھ گئے۔ ۱۹۷۹ء میں انتقال کر گئے۔ آپ کا بڑا فرزند غلام رسول محکمہ سری کلچر میں ملبری اسسٹنٹ کے طور ریٹائیر ہوا۔ دوسرا بیٹا محمد عبداللہ ملک ایک دیانتدار زونل ایجوکیشن کی حیثیت سے ریٹائیر ہوا اور اب یہ دونوں انتقال کر گئے ہیں۔ آپ کا تیسرا بیٹا محمد افضل سیاست میں حصہ لیتا رہا اور کچھ

عرصہ نوٹیفائیڈ ایریا بانہال کا چیرمین رہا۔ ۲۰۰۸ء کے اسمبلی کے انتخاب میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اُترا لیکن بہت کم ووٹ لے سکا۔ اب اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔

خواجہ مہدرہ جو:

بانہال حالمیدان موضع سے تعلق رکھنے والے ایک معزز اور صاحب ثروت شخص تھے۔ بانہال کے اولین کاروباریوں میں شمار ہوتے تھے۔ جنہوں نے اس پورے علاقے میں اپنے کاروبار کو پھیلایا۔ آپ کے لڑکے خواجہ غلام محمد ایک سنجیدہ اور بُردبار شخص تھے جو نیشنل کانفرنس کے تحصیل صدر بھی رہے اور کئی برس تک بیوپار منڈل کے صدر رہے۔

خواجہ غنی جو:

اونچا قد، گورا رنگ، سر پر سفید عمامہ، صاف وشفاف کوٹ پاجامہ پہنے ہوئے اور بازو کے ساتھ ایک عصا رکھے ہوئے خواجہ غنی جو ایک پرکشش شخصیت اور آن بان کے مالک تھے۔ وہ اس وقت کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد اور اُس کے بھائی بخشی رشید کے بہت قریب تھے۔ آپ نے جنگلات کی ایک فرم قایم کی اور ریاست کے اہم کاروباریوں میں شمار ہونے لگے۔ طبیعت سے سنجیدہ لیکن بہت ظریف تھے۔ جب کسی پر فقرہ کستے تو ایسا موقعہ محل ہوتا کہ اُس پر فٹ آجاتا اور آدمی سوچتا ہی رہتا۔ خواجہ غنی جو زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن پڑھنے لکھنے کی اچھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ ایک چھوٹی سطح سے ترقی کر کے ریاست کے ایک بااثر کاروباری بن گئے۔ میر اسد اللہ محمد ایوب خان اور شری ٹھاکر دیوی داس جیسی

شخصیات کے بھی بہت نزدیک رہے۔ دسمبر ۱۹۹۰ء میں تقریباً ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کر گئے اپنے وقت کے بارسوخ اور آسودہ حال شخص تھے۔ کبھی بازاری مجلسوں میں بیٹھنے کے روادار نہ تھے۔

شیخ احمد الدین:

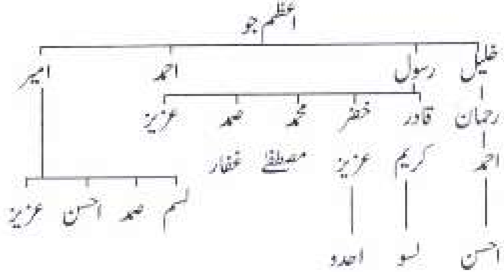
خواجہ شیخ احمد الدین مسلم لیگ جموں وکشمیر کے ابتدائی اراکین میں سے تھے۔ آپ ۱۹۰۵ء میں خواجہ علی بخش کے ہاں تولد ہوئے جو اس وقت یہاں ایک چوکی آفیسر کی حیثیت سے تعینات تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں آپ نے بانہال میں مسلم لیگ کی حمایت میں یہاں ایک زوردار احتجاج کیا اور جھنڈا بھی لہرایا۔ جب مسلم لیگ نیشنل کانفرنس میں ضم ہوگئی تو آپ کنارہ کش ہو کر سرینگر جا کر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے جہاں پر آپ کی اپنی جائیداد اور مکان وغیرہ بھی موجود ہے اور آپ کا پورا پریوار وہیں پر مقیم ہے۔ آپ ۱۹۸۶ء میں سرینگر میں انتقال کر گئے اور یہیں اُن کی تدفین بھی ہوگئی۔ بانہال میں آپ کے نام اب بھی، یہاں جائیداد اور دکانیں ہیں اور آپ کا پوتا یہاں پر ایک پرائیویٹ انگریزی سکول چلاتا ہے۔

خواجہ اعظم جوگیری:

کہا جاتا ہے کہ خواجہ اعظم جوگیری صوم وصلوات کا پابند ایک دیانتدار کاروباری شخص تھا۔ جو اننت ناگ کشمیر کے نور پورہ علاقہ سے کاروبار کی غرض سے یہاں آکر بانہال کے موضع بنکوٹ کے گاؤں میں متمکن ہوا۔ نور پورہ پہلے دو موضع جات پر مشتمل تھا یعنے گیر اور چرسو بخشی غلام محمد کے دورِ حکومت میں بعد

میں اُن کا نام بدل کر نور پورہ رکھا گیا ہے۔ کچھ عرصہ بعد خواجہ اعظم گیری کا دوسرا بھائی جس کا نام سلام تھا وہ بھی یہیں پر آ کر متمکن ہوا۔ خواجہ اعظم نے اپنے کاروبار کو یہاں کے پورے پہاڑی علاقہ میں پھیلایا کیونکہ تجارت اور کاروبار اس خاندان کا بنیادی اور امتیازی پیشہ رہ چکا تھا۔ آگے چل کر اس خاندان کے لوگوں نے تعلیم کے میدان میں بھی اچھی پیش رفت حاصل کی اور اچھے اچھے سرکاری عہدوں پر فائیز ہوئے۔ اس خاندان کے لوگ صرف بانہال کے موضع بنکوٹ میں مسکن پذیر ہیں جہاں پر حال ہی میں ڈگری کالج کھولا جا رہا ہے۔

شجرہ ضلع اودھمپورہ ۱۹۶۹ بکرمی





پیر غلام احمد مخدومی:

پیر غلام احمد مخدومی سیرن (کھڑی) علاقہ کے ایک دیندار سماجی کارکن تھے۔ اُن کا والد پیر خلیل شاہ ٹاونگر پلوامہ کشمیر کا رہنے والا تھا اور اس علاقے میں پیر مریدی کے سلسلے میں آیا کرتا تھا۔ دریں ایام اُس کی زوجہ فوت ہوگئی اور اُس نے کھڑی کے ترنہ موضع میں دوسری شادی کر لی جس کے بطن سے غلام احمد مخدومی تولد ہوا۔ غلام احمد نے مروجہ تعلیم حاصل کی اور منشی عالم کا امتحان بھی پاس کیا اور اس کے بعد خانقاہ معلّی سرینگر میں ایک ہمدانی خاندان میں شادی کی۔ کچھ عرصہ سرینگر میں قیام کے بعد اپنی اہلیہ کے ہمراہ کھڑی بانہال کے علاقہ میں آ کر مسکن پذیر ہوا اور دینی کاموں میں پیش پیش رہنے لگا۔ آپ دینی تعلیم سے آراستہ ہونے کے علاوہ ایک اچھے مُقرر بھی تھے اور اپنے علاقے میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے فارسی شعر و ادب کا خاصا ذوق رکھتے تھے۔ ۱۹۹۶ء میں معمر ۸۷ سال رحلت کر گئے۔

غلام محمد ڈار:

خواجہ غلام محمد ڈار بانہال کے موضع کراوہ میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ نیشنل کانفرنس کے تحصیل صدر رہے۔ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے بعد جب بخشی غلام محمد برسراقتدار آ گئے آپ اس علاقے سے اُن کی خاص ورکر بن گئے۔ بخشی صاحب اُن کو محبت سے پکارا کہا کرتے تھے۔ ایمرجنسی اور بازآبادکاری کے دوران آپ لوگوں کی مدد کرتے رہے۔ آپ ایک غریب دوست سماجی ورکر تھے اور اس علاقہ کی سیاست میں بھی بھرپور شامل رہے اور

غریبوں کی بے لوث مدد کرتے رہے۔ مئی ۱۹۸۲ء میں رحلت کر گئے۔ آپ کے بڑے فرزند لیاقت احمد جنگلات محکمہ میں جوائنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہیں اور دوسرے فرزند شبیر احمد ایک ڈاکٹر ہیں، نصیر احمد اور جاوید احمد آپ کے اور دو چھوٹے لڑکے ہیں۔ مرحوم ڈار صاحب نے غریبی کو قریب سے دیکھا تھا۔ اس لئے غریبوں کی ہر ممکن مدد کرتے تھے۔ آپ مجلس آرا تھے اور اپنی بات منوانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

غلام رسول شاہین بانہالی:

خواجہ غلام رسول شاہین بانہال کے موضع کراوہ میں خواجہ عبدالعزیز کے ہاں تولد ہوئے جو ایک آسودہ حال اور کاروباری شخص تھے۔ مڈل تک تعلیم پانے کے بعد آپ اپنے ٹھیکیداری کے کاروبار میں مصروف رہے۔ آپ ایک مدبر اور علم دوست شخصیت کے مالک ہونے کے علاوہ شعر گوئی کا بھی ذوق رکھتے تھے اور قریباً دس برس تک یہاں کی مقامی ادبی تنظیم کے اعزازی صدر رہے اور یہاں کی سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے۔ کئی برس تک یہاں کی نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کے چیرمین رہے۔ آپ ایک باذوق شخصیت کے مالک تھے اور کشمیری زبان کے علاوہ پنجابی، ڈوگری، گوجری اور پوگلی اس مہارت کے ساتھ بولتے تھے گویا آپ ان ہی لوگوں سے تعلق رکھتے ہوں جو آپ کی زبان دانی کا ایک خاص وصف تھا۔ ہر طبقہ کے لوگوں سے اپنے اپنے طور پر گھل مل جاتے تھے۔ ۲۰۱۱ء میں کچھ عرصہ تک علیل رہنے کے بعد رحلت کر گئے۔ آپ کا فرزند سجاد شاہین، ایک جوان سال سیاست کار ہے اور نیشنل کانفرنس کا ضلع سکریٹری ہے۔ مرحوم شاہین

صاحب ایک آسودہ حال، وسیع التجربہ کاروباری اور زمیندار، کثیر الاحباب، ادب شناس وادب دان اور آداب مجالس سے آشنا شخصیت کے مالک تھے۔

ڈھونڈیں ہم اب نقوش سگ رفتگاں کہاں
اب گرد کارواں نہیں ہے، کارواں کہاں

☆



ترازی بلن (مہو) وسیع کھیل کا میدان و چراگاہ



ناوان سا وسیع وسرسبز میدان



مالین سر پوگل وسیع سرسبز چراگاہ
درمیان میں پانی کا تالاب



سرگلی (پوگل) کا وسیع سرسبز چراگاہ
درمیان میں کرکٹ کا میدان



مالیگام پوگل کے اوپر "مرگ" نام کا وسیع میدان
بائیں میں پانی کا لمبا تالاب



برف پوش وادی مُہو



برف پوش اچھن ڈُبدلو ایک منظر



وادی مُہو ۔ نیا اور پرانا طرز تعمیر مکانات



نادن کا وسیع میدان مغرب میں سُندری ٹاپ اور سمبازن باغ

سیاحت کا نادیدہ خیابان

سیاحت کی نادیدہ جنت

عام طور پر جب ایک سیاح یا مُسافر جموں سے وادی کشمیر کی جانب گاڑی سے سفر کرتا ہوا بانہال کے علاقے سے گزر جاتا ہے تو وہ اس علاقے کو ایک تنگ پہاڑی گزرگاہ سے زیادہ خیال نہیں کرتا اور وہ یہاں کے چھوٹے موٹے قصبے سے گزرتے ہوئے سیدھے وادی کشمیر کی جانب روانہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بانہال کے شرقاً غرباً پھیلے ہوئے پہاڑوں کے بالائی حصوں میں کچھ ایسے دلکش۔ صحت افزا اور فطری حُسن سے مالا مال سیاحتی مقامات موجود ہیں جو وادی کشمیر کے گل مرگ، سونہ مرگ، پہلگام اور اچھ بل وغیرہ جیسے کئی سیاحتی مقامات سے کسی بھی طرح سے کم نہیں ہیں۔ لیکن ان مقامات تک سڑکوں کی پوری سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے یہ مقامات ابھی تک سیاحوں کی نظروں سے اوجھل ہیں اور اگر انہیں ریاست کے سیاحتی نقشے پر لایا جائے گا تو یہ ریاست کے سیاحتی کاروبار کو فروغ دینے میں اور یہاں کی اقتصادی ترقی کو بڑھاوا دینے میں بھی بہت معاون ہو سکتے ہیں۔

جب ہم رام سو کڑ کوٹ کے مقام پر قومی شاہرہ کے دائیں جانب رُخ کر لیتے ہیں تو پہاڑوں کی تنگ پٹی والا یہ علاقہ بٹرو، اکڑ ہال، آلینیاس اور

مالیگام سے ہوتا ہوا مشرق کی جانب سیناجی تک چلا جاتا ہے' اس کے بائیں جانب پوگل کا علاقہ ہے اور یہ پورا علاقہ پوگل پرستان کے نام سے جانا جاتا ہے ٹکڑکوٹ کے مقام پر یہ علاقہ ایک سڑک کے ذریعے قومی شاہراہ سے ملا ہوا ہے، سڑک کی تعمیر سے پہلے یہاں رسل ورسائل کی کافی مشکلات موجود تھیں۔ اس سڑک کی تعمیر کو قریباً ۳۰ سال قبل شروع کیا گیا۔ جو پہلے اکھڑ بال تک تعمیر کی گئی جہاں پر اب ایک چھوٹا موٹا بازار بھی موجود ہے' اور بلاک سطح کے کچھ دفاتر کے علاوہ ایک ہائیر سیکنڈری سکول اور پرائمری ہیلتھ سینٹر بھی ہے۔ یہ سڑک بعد ازاں مرحلہ وار طریقوں سے مالیگام۔ آلیباس سے ہوتے ہوئے سنیاتی تک پہنچائی گئی ہے۔ جس سے اس علاقہ کے لوگوں کو آمدورفت اور رسل ورسائل میں کافی سہولیت پیدا ہوگئی ہے۔ پوگل پرستان کے ساتھ طلسماتی پریوں کے قصے بھی وابستہ ہیں جس کا ذکر پہلے ہی کیا گیا ہے۔

سرگلی:

پوگل سے تقریباً پانچ کلومیٹر اوپر شمال کی سمت یہ ایک وسیع نیم سطح میدانی علاقہ ہے جو قریباً ۸ کلومیٹر سے ۱۰ کلومیٹر تک جنوباً شمالاً پھیلا ہوا ہے اور پورے موسم گرما میں ہرا بھرا اور سرسبز وشاداب رہتا ہے موسم گرم میں ملحقہ موضہ جات کے تمام لوگ یہاں اپنا مال مویشی لیکر آتے ہیں جہاں ان کی بہترین افزائش ہو جاتی۔ ان زمینداروں کے یہاں اپنے اپنے گرمائی گھر (ڈوک) ہوتے ہیں جن میں یہ رہائش کرتے ہیں۔ گرما کے موسم میں یہاں خوب رونق رہتی ہے اور دودھ اور گھی کی بھی بہتات رہتی ہے۔ سرگلی کے اس وسیع میدان میں کبھی کبھار

بجلی کا پٹر بھی اُترتا ہے۔ یہاں پر ایک بڑا تالاب بھی ہے جس میں بارش کا پانی جمع رہتا ہے اور اب محکمہ پی۔ ایچ۔ ای نے نلوں کے ذریعے بھی اس میں پانی پہنچایا ہے۔ سیاحت کے اعتبار سے یہ ایک پرکشش اور صحت افزا مقام ہے۔

راہون:

پوگل کے بالائی پہاڑوں پر تقریباً پانچ چھ کلومیٹر پھیلا ہوا ایک نیم ڈھلوان میدانی علاقہ ہے جو موسم گرم کے دوران سرسبز وشاداب رہتا ہے اور یہاں مقامی باشندوں کی چہل پہل رہتی ہے جو اپنا مال مویشی لاکر یہاں مسکن پذیر ہوجاتے ہیں اور اپنے مال کی خوب پرورش کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک صحت افزا اور فطری دلکشی کی موجب جگہ ہے۔

چرکوٹ مرگ:

علاقہ نیل اور پوگل کے مابین بالائی پہاڑوں پر واقع ایک خوبصورت میدانی علاقہ ہے جو قریباً چھ سات کلومیٹر کے محیط پر پھیلا ہوا ہے۔ اس سرسبز وشاداب میدان میں موسم گرم کے دوران یہاں کے نواحی موضہ جات سے زمیندار لوگ اپنا مال ومویشی لاکر گزر بسر کرتے ہیں۔ چرکوٹ سے قریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر مرگ نامی میدانی علاقہ ہے' یہاں پر بھی مقامی لوگوں کے گرمائی گھر جنہیں یہ لوگ ''اوواز'' یا ڈھوک بھی کہتے ہیں۔ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں یہ موسم گرما کے دوران اپنے مال مویشی کو ہمراہ لاکر گزارہ کرتے ہیں۔ یہ پورا قطعہ ارضی سرسبز وشاداب ہے جہاں موسم گرما میں ان لوگوں کی وجہ سے خوب رونق رہتی ہے۔ دیگر مقامات کی طرح یہ بھی ایک صحت افزا اور پرکشش

مقام ہے۔

١٩٨٥ میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ نجم عفت اللہ اور مولوی عبدالرشید کے ہمراہ جب نیل کے گنگوائی ہیلی پیڈ پر اُترے تو آپ نے وادی نیل کو چھوٹا کشمیر کہہ کر پکارا اور ایک بڑے عوامی اجتماع میں اسے سیاحت کے اعتبار سے ترقی دینے کا وعدہ کیا جو تاہنوز پورا نہ ہو سکا۔

گوگلی دھار:

گوگلی دھار موضع آلنباس کے بالائی پہاڑوں پر شمال کی سمت ایک وسیع وعریض میدان ہے جہاں پر پانی کے میٹھے چشمے موجود ہیں۔ اس میدان میں ہوچک۔ آئی ہال۔ آلنباس وغیرہ موضع جات کے لوگ اپنا مال مویشی لاکر موسم گرما میں قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت ہی صحت افزا اور قابل دید جگہ ہے۔ لیکن سڑک رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے گوشہ گمنامی میں ہے۔

ون برار:

پوگل سے قریباً دس کلومیٹر مشرق کے بالائی پہاڑوں پر یہ ایک وسیع نیم میدانی قطعہ ارض ہے جو نو سے دس کلومیٹر رقبہ پر محیط ہے اور دلکش وخوبصورت نظارہ پیش کرتا ہے۔ یہاں ٹھنڈے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ موسم گرما کے دوران نواحی اطراف سے لوگ اپنا مال مویشی لیکر یہاں مقیم ہو جاتے ہیں اور اس دوران یہاں کافی رونق رہتی ہے۔ سیاحت کے لحاظ سے یہ ایک بہت ہی پرکشش اور صحت افزا جگہ ہے۔

چھتر نال:

یہ وسیع اور نیم ہموار میدان نیل ٹاپ کی بالائی حد پر واقع ہے۔ اس کے آس پاس میں جنگل ہیں اور جگہ جگہ شیرین پانی کے چشمے ہیں۔ اس سرسبز وشاداب میدان میں لوگ اپنا مال ومویشی لاکر گرمی کے ایام گزارتے ہیں۔ رسل ورسائل کے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے یہ جگہ عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

ورڑ:

یہ ایک وسیع اور پُرفضا نیم سطح میدان ہے جو مالیگام کے اوپری پہاڑوں پر واقع ہے جس کے درمیان میں میٹھے پانی کی ایک جھیل ہے جس کے سبب یہاں موسم گرم میں مال مویشی کی کثرت سے موجودگی رہتی ہے۔ سیاحت کے لحاظ سے یہ ایک صحت افزا اور موجب کشش جگہ ہے۔ اور محکمہ سیاحت کی توجہ کی مستحق ہے۔

☆

زبن

(ریاست کا پہلا بھیڑ پالن فارم)

قصبہ بانہال سے قریباً دس کلومیٹر دور شمال کی جانب آخری حد پر قومی شاہراہ کی بائیں جانب خیر کوٹ نوگوم کا موڑ آجاتا ہے۔ یہاں سے تقریباً پانچ کلومیٹر دور مغرب کی سمت پہاڑیوں کی آغوش میں زبن نام کا ایک سرسبز اور نیم ڈھلوان میدان ہے جس کے بالائی حصے میں مخروطی چٹانوں کی فصیل سی موجود ہے۔ یہ ایک بہت ہی پُرفضا اور شاداب جگہ ہے۔ عام طور پر موسم گرما کے دوران مختلف تعلیمی اداروں کے بچے یہاں ایکسکرشن کی غرض سے بھی جایا کرتے ہیں یہ خوبصورت مقام سیاحت کے لحاظ سے بہت ہی نزدیک فاصلے پر واقع ہے اور پُرکشش اور صحت افزا ہے۔

زبن کے اس مقام پر ریاست کا مشہور بھیڑ پالن فارم موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں جب مہاراجہ ہری سنگھ ریاست میں گدی نشین ہوا تو اُس نے کئی ترقیاتی منصوبوں کو ہاتھ میں لیا۔ جن میں اُون کی پیداوار کو بڑھاوا دینے کے لئے اقدامات کرنا بھی شامل تھا۔ اس طرح اُنہوں نے ۱۹۲۸ء میں حکومت برطانیہ سے اُون کی پیداوار کے ماہرین کو مدعو کیا اور اُن سے ریاست میں اُون

کی پیداوار کو بڑھاوا دینے کا مشورہ حاصل کیا۔ ۱۹۳۱ء میں انگلستان کی لیڈس یونیورسٹی کی Wool Technology کا ایک ماہر پروفیسر الفرڈ باسکر Prof. Alfred Basker ریاست میں اس مقصد کے لئے آ گیا اور تقریباً پونے دو ماہ تک پوری ریاست میں مختلف بھیڑ پالن والے علاقوں کا اور قالین سازی کے کارخانوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پروفیسر موصوف نے مقامی بھیڑوں کے لئے اعلیٰ قسم کی کراس بریڈنگ کے طریقہ کار کو تجویز کیا اور کچھ منتخب چراگاہوں کو نشوونما کرنے کا بھی مشورہ دیا۔ اس طرح سے سرکار نے پروفیسر موصوف کی سفارش پر پہلے بھیڑ پالن فارم کی منظوری دی۔ جس کا نام ”کشمیر شیپ فارم پرائیویٹ لمیٹڈ زبن“ (خیر کوٹ) رکھا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند ہاسکر نے ۵۱ فیصد اور ۴۹ فیصد کی شراکت داری سے بھیڑ پالن کے کام کی شروعات کو ہاتھ میں لیا۔ اور ان کی دیکھ ریکھ کے لئے ملازمین کو تعینات کیا۔ ۱۹۳۸ء میں میرینو Marino اور کاریڈل Corridle چیوپارٹ Cheviot بارڈر لسٹر Border Leicestar وغیرہ بدیسی بھیڑوں کی اقسام سے کراس بریڈنگ کا کام شروع کیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں سرکار نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کی رُو سے کمپنی کو معہ تمام املاک کے ریسرچ سٹیشن فارم میں مدغم کیا گیا اور اس کا نام گورنمنٹ شیپ بریڈنگ اینڈ ریسرچ فارم (ریاسی۔ زبن) بانہال رکھا گیا ۱۹۸۰ سے لیکر ۱۹۹۱ء تک کئی کراس بریڈس کا تجربہ کیا گیا لیکن ریاست میں میرینو Marino کا تجربہ سب سے زیادہ کامیاب رہا جو بعد ازاں کشمیر شپ بریڈنگ کی ترقی کا معاون بنا۔ لیکن میرینو کی

درآمد پر پابندی کے بعد امریکہ سے لایا گیا Ramboeilet کا تجربہ زیادہ کامیاب رہا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو پہلی بار تین مادہ اور تین نر ریمبولیٹ ریاسی۔ زبن بانہال شپ بریڈنگ فارم پر پہنچائے گئے۔ اب ہر سال ۲۰ اپریل کو ریاسی سے فارم بانہال زبن کو منتقل ہو جاتا ہے اور مئی کے پہلے ہفتے میں یہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے دو ماہ بعد بھیڑوں کو ناون اور سندرٹاپ چراگاہوں میں لیا جاتا ہے۔ اگست کے آخری ہفتہ میں سردی بڑھ جانے کے سبب بھیڑیں پھر زبن پہنچائی جاتی ہیں۔ اور اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں پھر سے یہ فارم ریاسی کو منتقل ہو جاتا ہے۔ اس فارم کے لئے ایک باضابطہ نگران محکمہ ہے اور ہزاروں لوگوں کا روزگار اس کے ساتھ وابستہ ہے۔[1]

زبن کا یہ علاقہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے بین الاقوامی سیاحت کے لئے موزون ہے۔ لیکن تاحال نہ یہ سڑک سے جڑا ہوا ہے اور نہ ہی یہاں بجلی وغیرہ کا کوئی انتظام موجود ہے۔ یہاں پر محکمہ شیپ کے ذریعے اعلیٰ قسم کے ہٹ (huts) بنے ہوئے ہیں جن میں بھیڑوں کو محفوظ طریقے سے رکھا جاتا ہے۔ اس صحت افزا مقام کو ریاست کے سیاحتی نقشے پر لانا کافی سودمند اور موزون ہوگا۔ یہاں پر اس بات کا ذکر کیا جانا بھی ضروری ہے کہ ۱۹۵۵ء سے قبل بانہال قصبہ کے دائیں عقب 'محکمہ شیپ کا ریاستی سطح کا دفتر موجود تھا' جہاں اس محکمے کا ڈائریکٹر بھی جزوقتی طور پر بیٹھتا تھا۔ یہ رقبہ تقریباً ۸۰ کنال اراضی پر مشتمل ہے اور اسے ''کڈ صاحب'' کا دفتر کہا جاتا تھا۔ یہ دفتر بڑی اور عالیشان عمارات میں تھا جو دراصل شخصی دور حکومت میں مہاراجوں کی تعمیر کردہ تھیں اور وہ انہیں سرینگر

سے جموں اور جموں سے سرینگر جاتی بار Transit کیمپ کے طور پر استعمال کرتے تھے جو بعد میں حصول آزادی کے بعد محکمہ شیپ کی تحویل میں آگئی ۱۹۵۵ء کے بعد محکمہ شیپ' زبن میں منتقل ہوا اور رقبہ گورنمنٹ ہائر سیکنڈری بانہال کو دیا گیا جو آج اسی ادارے کی تحویل میں ہے اور گورنمنٹ ڈگری کالج بھی فی الحال یہیں پر کام کر رہا ہے۔

ناون (Nawan):

بانہال کے زبن فارم کے مغرب میں پہاڑ کی دوسری جانب، پہاڑیوں کی چوٹیوں کی آغوش میں وادی ناون کا خوبصورت اور نیم سطح وسیع میدان ہے جو ۱۰ار سے ۱۵ار کلومیٹر کے محیط پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک کشکول نما لمبا پھیلا ہوا سرسبز گھاس کا ڈھلوان میدان ہے جس کے مغرب میں جنگل موجود ہیں جن میں کائل، دیودار اور بدھل کے اونچے اونچے درخت ایستادہ نظر آتے ہیں۔ یہ ایک جاذب نظر ڈھلوان چراگاہ ہے جس میں بانہال کے مختلف دیہات سے زمیندار لوگ جن میں زیادہ تر گوجر شامل ہیں یہاں موسم گرما کے دوران اپنا مال مویشی لیکر چلے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ناچلانہ، اکھڑہال، چاپناڑی، بزو، رام سو اور چملواس سے بھی کشمیری اور ہندو راجپوت اور ٹھاکر خاندان کے لوگ یہاں آجاتے ہیں۔ یہاں کی گھاس کافی مقوی ہوتی ہے جس میں مختلف جڑی بوٹیاں بھی شامل ہوتی ہیں اور حیوانات کی افزائش میں کافی معاون ہوتی ہیں۔ ناون کا یہ مقام وادی کشمیر کے گلمرگ کے سیاحتی مقام کے مشابہ ہے۔ سرما کے دوران یہاں کافی برف باری ہوتی ہے اور سرمائی کھیلوں کے لئے بہت ہی موزون جگہ

ہے۔ موسم گرما کے دوران ناون کے اس خوبصورت مقام میں لوگوں اور مال مویشی کے سبب خوب چہل پہل رہتی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے۔ گائیں بھینس اور بھیڑ بکریاں اس میدان میں صبح سے شام تک رواں دواں رہتے ہیں اور سکون سے گھاس چرتے ہوئے نظر آتے ہیں یہاں پر زمینداروں کے اپنے اپنے ڈھوک یا گھر بنے ہوئے ہیں جو ان کے آبائی ہیں اور یہ لوگ کسی دوسرے زمیندار کو یہاں ڈھوک تعمیر کرنے نہیں دیتے۔ یہاں دودھ کی بہت پیداوار ہوتی ہے۔ یہ لوگ مکھن۔ گھی اور پنیر کے علاوہ دودھ کی روٹیاں بھی بناتے ہیں۔ جن کو کلاڈی کہا جاتا ہے۔ جو بہت ہی لذیذ اور مقوی غذا کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن آجکل گراں بازاری کے سبب زیادہ تر دودھ کو پنیر میں ہی تبدیل کیا جاتا ہے جس سے ان کی اچھی آمدنی ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ لوگ یہاں اپریل سے ستمبر تک قیام کرتے ہیں۔ اس دوران یہاں دودھ کی کافی پیداوار ہوتی ہے اور مویشی تازہ اور فربہ ہو جاتے ہیں۔ ناون کے متصل جنگلوں میں مختلف جنگلی جانور پائے جاتے ہیں۔ جن میں ریچھ۔ شیر۔ گیدڑ اور بندر شامل ہیں۔ یہاں ریچھوں کو دن دہاڑے گھومتے پھرتے دیکھا جاسکتا ہے جو کبھی کبھار مال مویشی پر دھاوا بول دیتے ہیں۔

ناون کے اس خوبصورت مقام کو بہت آسانی کے ساتھ سڑک کے ذریعے زمین کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے جس کے لئے صرف پانچ یا چھ کلومیٹر سڑک درکار ہے۔ اس کے علاوہ قومی شاہراہ پر واقع نوگام کے مقام سے ناون تک گنڈولا Gandolla کی تعمیر کے لئے یہ جگہ کافی مناسب اور موزوں ہے، جو دُنیا بھر

کے سیاحوں کے لئے کشش اور دلچسپی کا موجب بن سکتی ہے اور ریاست میں سیاحت کے باب میں ایک نیا اضافہ کرسکتی ہے۔ رتن (Ratten) قریہ مہو سے شمال مغرب کی جانب تقریباً پندرہ سولہ کلومیٹر اوپر بالائی پہاڑ پر رتن کا وسیع اور سرسبز میدان ہے جس میں تاحد نظر سبز گھاس کا قالین جیسا بچھا ہوا نظر آتا ہے اور جابجا میٹھے پانی کے ٹھنڈے چشمے بہتے ہیں۔ موسم گرما کے دوران یہاں کے مقامی باشندوں کے علاوہ ریاسی۔ اُودھمپور۔ چینی اور کھٹوعہ وغیرہ علاقوں سے بھی گوجر اور بکروال لوگ یہاں اپنا مال مویشی لیکر آجاتے ہیں اس پُرسکون اور سکوت آسا مقام پر مال مویشی کے بڑے بڑے ریوڑ پھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں پر زندگی کا ایک اپنا مزاج نظر آتا ہے۔ روح پرور آب و ہوا۔ گھوڑوں اور خچروں کی دھوڑ باگ گوجروں کا اپنا طرز رہن سہن۔ دودھ اور گھی کی بہتات آدمی خود ایک جہاں نادیدہ میں پانے لگتا ہے۔ رتن کی جانب ایک راستہ کولگام تحصیل کے باڑی جالن مقام سے آتا ہے جہاں سے یہ لوگ اپنی اشیائے خوردنی کا سامان لاتے ہیں جو ایک پہاڑی راستہ ہے پورے گرما کے موسم میں یہاں زندگی کی ایک ہل چل رہتی ہے۔ رتن کے ان میدانوں میں گھاس کے ساتھ مقوی جڑی بوٹیاں بھی ہوتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ چار سو ہوا میں خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں پر بھی زمینداروں کے اپنے اپنے جھونپڑے یا (نارے) ہیں۔ سڑک کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے یہاں باہر کے لوگوں کا گزر نہیں ہوتا۔ سیاحت کے اعتبار سے یہ ایک بہت ہی پُرکشش اور صحت افزا مقام ہے جو اپنے کسی دیدہ وبینا کے انتظار میں ہے۔

اچھن(Achan):

یہ سرسبز وسیع اور نیم مسطح میدان مہو گاؤں کے مغرب کی جانب قریباً سات کلومیٹر اور پہاڑیوں کے بیچ میں واقع ہے جس میں دور دور تک سبزے کا قالین سا بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے گردونواح میں کائل۔ بُدلو اور دیودار کے گھنے اور سرسبز جنگل موجود ہیں۔ اچھن کے اس قطعہ ارض میں ٹھنڈا اور میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان چشموں کا پانی زمین میں جذب ہو کر مہو کے مقام پر دو چشموں کی صورت میں نکلتا ہے جو بلکل ایکدوسرے کے متصل ہیں۔ یہ دونوں چشمے اس پہاڑ کے دامن میں دو آنکھوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ آگے چل کر یہ چشمے معاون ندیوں کے اتصال سے اُڑہ مرگ منڈ کپاس اور ترگام سے ہوتے ہوئے کھڑی نالہ کے ساتھ ملکر ناچلانہ تک پہنچ جاتے ہیں جہاں یہ نالہ بچھلڑی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اچھن سے ایک راستہ کوناگام کشمیر کی جانب جاتا ہے اور دوسرا راستہ گول گلاب گڑھ کی جانب یہ ایک بہت ہی پُرفضا اور صحت افزا مقام ہے۔ گرما کے موسم کے دوران یہاں زمینداروں اور مال مویشی کی چہل پہل رہتی ہے جو بانہال چملواس وغیرہ جگہوں سے یہاں آجاتے ہیں۔ اچھن کے ملحقہ سُرخن نام کے سرسبز اور شاداب میدان ہیں یہاں پر بھی لوگ موسم گرما کے دوران اپنے مال مویشی کو لیکر آجاتے ہیں۔ اچھن کے میدانوں کی گھاس کو بہت ہی مقوی سمجھا جاتا ہے جو مال مویشی کی افزائش میں کافی فائیدہ بخش ہے۔ یہ خوبصورت مقام بھی سیاحت کی کشش کا ایک خاص مقام ہے جو سرکار کی توجہ کا بے حد مستحق ہے۔

آرم نکھ(Arm Nakh):

یہ ترگام گاؤں کے اوپر پہاڑوں پر ایک وسیع اور نیم سطح میدان ہے۔ موسم گرما میں یہاں بُدلہ۔ ترنہ۔ کملہ اور کوٹ وغیرہ موڑہ جات کے زمیندار اپنا مال لیکر یہاں آجاتے ہیں۔ قدیم ایام میں انگریزوں کے کسی سیاحتی گروپ نے یہاں پر لوہے کا ایک ستون نصب کیا ہے جس کو لوگ آج بھی یہاں ''انگریز بٹھم'' کے نام سے پکارتے ہیں' یہ بہت ہی اونچی جگہ پر واقع ہے جہاں سے جموں اور وادی کشمیر کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ قدیم ایام میں یہاں شاید انگریز سیاحوں کی آوا جاہی کا بھی سلسلہ رہا ہے۔

دھمن تراگ(Dhaman Trag):

آرم نکھ کے متصل مغرب کی جانب دھمن تراگ کا اور ایک لمبا میدان ہے جس کے گردونواح میں گھنے جنگلات موجود ہیں۔ یہ بہت ہی پُرکشش اور صحت افزا مقام ہے۔ دھمن تراگ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک لمبا کشتی نما میدان ہے۔ موسم گرما کے دوران یہاں مختلف نواحی سکولوں کے لڑکے کرکٹ میچ کھیلنے کے لئے آجاتے ہیں اور بہت سی ٹرافیاں کھیلی جاتی ہیں یہاں پر لوگوں کا مجمع لگا رہتا ہے۔ اس کی خوبصورت اور دلکشی کا ایک اپنا حسین پہلو ہے جو سیاحت کی اہمیت کا حامل ہے۔

ٹھنڈی چھاؤں:

قصبہ بانہال سے مشرق کی جانب ڈولیگام کا علاقہ آتا ہے جس کے اوپر ''ٹھنڈی چھاؤں'' کا بہت ہی صحت افزا مقام ہے۔ کچھ لوگ اسے ٹھنڈی شاہ

بھی کہتے ہیں۔ ٹھنڈی چھاؤں بھاگو موڑہ کے دائیں جانب نوگوٹ گاؤں کے اوپری حصہ میں واقعہ ہے گرمیوں کے موسم میں یہاں مختلف سکولوں کے بچے ایکسکرشن کی غرض سے آجاتے ہیں۔ مقامی سڑک سے اب یہ جگہ زیادہ دور نہیں ہے۔ یہاں پر ٹورسٹ ہٹس کو آسانی کے ساتھ تعمیر کیا جاسکتا ہے اور سیاحت کے ایک اہم مرکز کی حیثیت سے ڈیولپ ہوسکتا ہے اس کے بائیں متصل چنجلو سے لیکر جواہر ٹنل تک قریباً پونے دوسو ایکڑ پر پھیلا ہوا رقبہ ہے جو محکمہ شیپ بریڈنگ کے زیر استعمال ہے یہ علاقہ بھی فطری خوبصورتی کا مظہر ہے اور اس پورے علاقے کو ٹورسٹ Resort کے طور پر اُبھارا جاسکتا ہے۔

چنگ (Chung):

بانہال قصبہ سے تقریباً سات کلومیٹر دور چملو اس کا علاقہ ہے۔ چملو اس کی پہاڑی کی دوسری جانب وادی نیل کا ایک دور تک پھیلا ہوا علاقہ ہے۔ نیل کے مغرب میں تقریباً بارہ تیرہ کلومیٹر اوپر پہاڑوں پر چنگ کا سرسبز اور وسیع میدان ہے جس کی دوسری جانب کپرن شاہ آباد کشمیر کا علاقہ ہے۔ موسم گرم کے دوران اس میدانی علاقے میں مقامی زمیندار اپنے مال مویشی کے ہمراہ یہاں مسکن پذیر ہوجاتے ہیں۔ سڑک کی سہولیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ مقام غیر معروف ہے۔ اور سیر وسیاحت کے لئے بہت ہی موزون ہے۔

تھلن (Thallan):

وادی نیل سے اوپر تقریباً پندرہ کلومیٹر مغرب کی جانب پہاڑوں کے اوپر تھلن کا ایک وسیع اور سرسبز میدان ہے جو نیم مسطح ہے اور قریباً ۱۲ کلومیٹر پر محیط

ہے۔ موسم گرم کے دوران یہاں خانہ بدوشوں کی چہل پہل رہتی ہے۔ یہ صحت افزا مقام بھی سیاحت کا ایک پسندیدہ مقام ہے۔

واسا مرگ (Wasamarg):

وادی نیل کے اوپر چکناڑ واو کے متصل مشرق میں مخروطی پہاڑیوں کے بیچ میں واقع تقریباً پندرہ کلومیٹر پر محیط ایک نیم مسطح اور وسیع میدان ہے جو بہت ہی صحت افزا اور پرکشش ہے۔ واٹر سپلائی محکمہ نے اب یہاں پانی کی سہولیات کو بھی فراہم کیا ہے۔ یہاں پر ایک تالاب بھی ہے سیاحت کے لحاظ سے یہ ایک پرکشش مقام ہے۔ یہ بوہردار اور ناونگھ کے بیچ میں آتا ہے نیل ٹاپ سے قریباً بیس کلومیٹر اوپر پہاڑوں میں چھترال کا سرسبز اور ناہموار میدان ہے یہ مقام بھی بہت ہی جاذب نظر اور پرکشش ہے اور سڑک کی سہولیات کا منتظر ہے۔

بھوژن باغ:

بانہال کے زبن توگام پہاڑ کے انتہائی اوپر اور ناون وادی کے آگے شمالی مغرب میں پہاڑوں کی چوٹی پر ایک چھوٹے سے نیم میدان کی مانند قطعہ ارض ہے جو موسم بہار میں سرسبز وشاداب رہتا ہے اور اس کے ایک طرف اونچی چٹان اور بہت سے چھوٹے بڑے پتھر موجود ہیں' بیچ میں کچھ چھوٹے چھوٹے جنگلی درخت بھی ہیں اور یہ جگہ بھوژن باغ کے نام سے یہاں معروف ہے۔ یہاں پر جڑی بوٹیوں کی بھینی بھینی سی خوشبو باغ کو مست اور مدہوش کر دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کسی زمانے میں گیت وسنگیت کی آواز سنائی دیتی تھی جسے پریوں کے گیتوں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ یہ روایت بھی سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے کہ یہاں

کسی زمانے راجہ بمبور کا گزر رہا ہے اور جس نے یہاں قیام کیا ہے، جب وہ اپنی معشوقہ لولری کے فراق میں قریہ قریہ اور پہاڑوں میں پھرتا رہتا تھا۔ یہ پُرفضا جگہ جو پہاڑوں کے انتہائی اوپر واقع ہے آج بھی بمبوزن باغ کے نام سے لوگوں میں مشہور ہے راجا بمبور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۲۳۲ء تک میں تخت نشین ہوا، جو عدل پروری اور رواداری میں امتیاز رکھتا تھا اور اپنے حسنِ انتظام کی وجہ سے رعایا کے دلوں میں بسا ہوا تھا۔ وہ اچانک اپنے چچیرے بھائی کی بیوی پر جس کا نام لولری تھا فریفتہ ہو گیا وہ اس قدر اس کی محبت میں دیوانہ ہو گیا کہ کھانا پینا ترک کر کے لولری کی یاد میں "لولو" کے گیت گاتا ہوا صحرا نوردی کرنے لگا اور جنون کی حالت میں اونچے پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرتا رہا۔ راجہ بمبور شوپیان اور کولگام کے علاقہ جات کا والی بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان پہاڑوں میں بھی مقیم رہا ہو کیونکہ بمبوزن باغ کی یہ جگہ شوپیان علاقے کے پہاڑوں کے اوپر کم ہی فاصلے پر واقع ہے۔ جس سے اس اساطیری قصے کو تقویت ملتی ہے اور یہ جگہ آج بھی یہاں موجود ہے اور دیکھی جا سکتی ہے۔

☆

حرف تحسین

زیرِ نظر "بانہال گیٹ وے آف کشمیر" کے عنوان سے جناب منشور بانہالی صاحب کی تاریخ بانہال کو پڑھ کر راقم الحروف کو بے حد مسرت ہوئی ہے اور کئی نئی معلومات سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ چنانچہ بانہال کا یہ علاقہ رسل و رسائل اور دیگر کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل رہا ہے لیکن ابھی تک اس حوالے سے کوئی ٹھوس مواد میسر نہ تھا اور عام قارئین اور طلبا اس بات کی ضرورت کو کافی شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ منشور صاحب نے اگرچہ پہلے بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن یہ کتاب لکھ کر آپ نے ایک بہت ہی اہم فرض انجام دیا ہے۔ جو بانہال کے تواریخی منظر نامے، ادب و ثقافت اور یہاں کے سیاحتی مقامات کے حوالے سے سود مند معلومات فراہم کرتی ہے۔ تواریخ کے طلبا کو یہ کتاب اس علاقہ کے بارے میں سیر طلب معلومات سے روشناس کرائے گی۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اس کاوش کی گہرائیوں سے استقبال کریں گے۔

محمد اقبال خان

پرنسپل ہائیر سکنڈری سکول بانہال

مختلف شعبہ جات میں شمولیت

شعبہ تعلیم (یونیورسٹی سطح)

پروفیسر مرغوب بانہالی۔ کشمیری
ڈاکٹر کرونا ٹھاکور۔ سیاسیات
ڈاکٹر عبدالواحید۔ عربی
پروفیسر قیصر جاوید۔ کمپیوٹر سائنس
پروفیسر امتیاز مرغوب۔ بایوٹیکنالوجی

ہائیر ایجوکیشن (کالج)

پروفیسر عبدالوحید۔ پرنسپل
پروفیسر پیر شمس الدین۔ پرنسپل
پروفیسر بشیر احمد شاہ۔ پرنسپل
پروفیسر عبدالحمید خان۔ پرنسپل
پروفیسر عبدالرشید واتی۔ کمسٹری
پروفیسر مشتاق احمد۔ سیاسیات
ڈاکٹر شفیق الرحمان۔ اردو

ہائیر سکنڈری

مرحوم پیر سلام الدین۔ پرنسپل
مسٹر اے جی منشور۔ پرنسپل
مسٹر محمد حسین نائیک۔ پرنسپل
مسٹر محمد اقبال خان۔ پرنسپل
مسٹر اودھم سنگھ سینیر لیکچرار
مرحوم عبدالرشید کوچ

شعبہ عدلیہ

جسٹس شری ڈی ڈی ٹھاکور	جج آنریبل ہائیکورٹ / نائب وزیر اعلیٰ / گورنر آسام
جسٹس شری ٹی ایس ٹھاکور	چیف جسٹس آنریبل سپریم کورٹ آف انڈیا
جسٹس شری ڈی ایس ٹھاکور	جج آنریبل ہائیکورٹ
محمد اقبال خان (مرحوم)	سیشن جج
شری ہری اوم سنگھ	سیشن جج
شری سرجیت سنگھ بالی	سب جج
شری او پی ٹھاکور	سب جج
مسٹر محمد عرفان	منصف
مسٹر فدا حسین	منصف

آئی۔ اے۔ ایس / آئی۔ پی۔ ایس

مسٹر بشیر احمد رونیال	آئی۔ اے۔ ایس
مسٹر خلیل احمد بیگ	آئی۔ پی۔ ایس
مسٹر آفاق احمد	آئی۔ اے۔ ایس

کے۔ اے۔ ایس / کے۔ پی۔ ایس

پیر محمد افضل جیلانی (مرحوم)	ڈپٹی کمشنر	
مسٹر زاہدہ خان	ڈپٹی کمشنر	
حاجی محمد اسلام	جوائنٹ رجسٹرار	
مسٹر فاروق احمد خان	ڈپٹی کمشنر	
پیر نجم الدین	ڈی سی ایکسائیز	
مسٹر کنشام سنگھ	ایڈیشنل سیکریٹری	
ڈاکٹر فردوس احمد	ایڈیشنل سیکریٹری	
مسٹر نذیر محمد خان	اے سی	
حاجی غلام علی گیری	اے سی	
مسٹر غلام محی الدین	ڈپٹی رجسٹرار	
مسٹر غلام نبی وانی	ڈپٹی رجسٹرار	
مسٹر سرجیت سنگھ	اے سی	
مسٹر عبدالرشید گنائی	اکاونٹس	

بقیہ صفحہ ۴۵

جے کے اے ایس

مسٹر تنویر احمد
مسٹر جہانگیر احمد
مسٹر اروند ٹھاکور
مسٹر عرفان احمد
مسٹر دانش احمد

نئے کے اے ایس

مسٹر وقار احمد
مسٹر محمد عثمان خان
مسٹر محمد عمران
مسٹر بلال احمد
مسٹر بشیر الحسن
مسٹر تنویر مجید
مسٹر ظہیر عباس
مسٹر محمد اقبال — اکاونٹس
مسٹر سجاد احمد
مسٹر اشوک کمار

محکمہ پولیس

مسٹر شوکت سرور	ایس، ایس، پی
مسٹر الطاف حسین خان	ایس، ایس، پی
مسٹر محمد حنیف بٹ	ایس، پی
مسٹر مسرور احمد	ایس، پی
مسٹر عبدالوحید گیری	ڈی، ایس، پی
مسٹر جسونت سنگھ	ڈی، ایس، پی
مسٹر پیار سنگھ	ڈی، ایس، پی
مسٹر مرتضےٰ حسین	ڈی، ایس، پی

صحت عامہ

ڈاکٹر مشتاق مرغوب
ڈاکٹر شمس الدین
ڈاکٹر پرویز احمد — امریکہ
ڈاکٹر عبدالوحید بابلی
ڈاکٹر محمد انور بٹ
ڈاکٹر شگفتہ پروین
ڈاکٹر سیف الدین

ڈاکٹر عبدالرحمان
ڈاکٹر محمد اشرف
ڈاکٹر عبدالحمید
ڈاکٹر محمد رفیع

پبلک ورکس انجینئرنگ

مسٹر نذیر احمد	چیف انجینئر، امریکہ
حاجی غلام حسن بٹ	ڈائریکٹر جوئنری ملز
غلام محمد نائیک (مرحوم)	ایس، ای
مسٹر غلام نبی ورابو	ایس، ای
مسٹر منظور احمد وانی	ایس، ای
مسٹر نثار احمد خان	ایس، ای

سکنڈری ایجوکیشن

ملک محمد عبداللہ (مرحوم)	ZEO/ H M
حاجی عبدالغنی بٹ	مسٹر عبدالعلی تانترے
حاجی غلام رسول ملک	غلام محمد ڈینگ (مرحوم)
غلام حسین (مرحوم)	محمد یوسف بٹ (مرحوم)
حاجی عبدالرحمان	مسٹر محمد حسین ڈینگ
مسٹر عبدالخالق	مسٹر محمد یوسف
شری ودیا لال	سری شورج پرکاش
حاجی محمد دین	مسٹر عبدالقیوم گنائی

(دیگر لیکچرار صاحبان و ہیڈ ماسٹر صاحبان کے نام شامل کرنا باقی ہیں۔)

جنگلات / ایگریکلچر / فشریز

عبدالرحمان خان مرحوم	ڈپٹی ڈائریکٹر ایگریکلچر
مسٹر لیاقت علی ڈار	ڈپٹی ڈائریکٹر سوشل فارسٹری
مسٹر فیاض احمد	ڈپٹی ڈائریکٹر فشریز
مسٹر محمد رمضان شیخ	ڈپٹی ڈائریکٹر شیپ اینڈ وول

کتابیات

۱۔ راج ترنگنی — حصہ دوم مترجم اچھر چند شاہپوریہ

۲۔ واقعات کشمیر — خواجہ اعظم دیدہ مری مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد

۳۔ تاریخ جموں — مولوی حشمت اللہ لکھنوی

۴۔ تاریخ کشتواڑ — عشرت کاشمیری ۱۹۸۳ء

۵۔ تاریخ راجگان جموں — کاہن سنگھ بلوریہ

۶۔ شہاب نامہ — قدرت اللہ شہاب

۷۔ کشمکش — چوہدری عباس

۸۔ بانہال کارٹ روڈ — ڈی پی شرما

۹۔ پیر پنچال لوک اور ہماری تاریخ — پنڈت کاشی ناتھ

۱۰۔ تصویر کشمیر — ڈاکٹر ایم ایس ناز

۱۱۔ تاریخ و ثقافت بھدرواہ — بشیر بھدرواہی

۱۲۔ تحریک حریت کشمیر حصہ چہارم — رشید تاثیر

۱۳۔ کشمیری ثقافت کے بدلتے نقوش — صوفی محی الدین

۱۴۔ املا عبدالرحیم (مونوگراف) — پروفیسر مرغوب بانہالی (کلچرل اکیڈیمی)

۱۵۔ جموں صوبس منز کاشر زبان وادبک تواریخ — منشور بانہالی (ساہتیہ اکادمی)

۱۶۔ تاریخ اقوام کشمیر — محمد دین فوق

۱۷۔ تاریخ ڈوگرہ دیش — دیوان نرسنگھ داس

۱۸۔ یادرفتہ — کرشن دیو سیٹھی

۱۹۔ یادوں کے چراغ — ڈی ڈی ٹھاکور — مترجم غلام حسین نایئک

۲۰۔ آتش چنار — شیخ محمد عبداللہ — مرتبہ محمد یوسف ٹینگ

۲۱۔ مغل روڈ — فدا راجوری

۲۲۔ شیرازہ جموں و کشمیر لداخ (۴) — کلچرل اکیڈیمی

۲۳۔ تاریخ حسن — حسن کھویہامی — مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد

۲۴۔ غرقہ دیداری — مولانا احمد بانہالی — مرتبہ مرغوب بانہالی

۲۵۔ شمس التواریخ — تاریخ حسن حصہ اول — مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد

26. Gazetter of Kashmir C.E Bates

27. History of Himalyan state IIV Dr Sukhdev Sing Charak.

28. Focus on Jammu & Kashmir Aseer Kishtwari.

29. Encyclopaedia of Himalyan Gojars Dr Javeed Rahi.

30. History and Culture of Kishtwar. D.C Sharma.

31. Cultual History of Doda. M.L.Ash.

32. Kashmir in Sunlight & Shade. C.E Tyndie Biscoe.

33. Jammu, Parvaiz Devan. (IAS)

34. Muslim Rule Kashmir. Dr. N. D.Wani.

۱۶۔ تاریخ اقوام کشمیر	محمد دین فوق	
۱۷۔ تاریخ ڈوگرہ دیش	دیوان سنگھ نرگس	
۱۸۔ یادرفتہ	کرشن دیو سیٹھی	
۱۹۔ یادوں کے چراغ	ڈی ڈی ٹھاکر	مترجم غلام حسین نیائیک
۲۰۔ آتش چنار	شیخ محمد عبداللہ	مرتبہ محمد یوسف ٹینگ
۲۱۔ مغل روڈ	فدا راجوری	
۲۲۔ شیرازہ جموں و کشمیر لداخ (۳)		کلچرل اکیڈیمی
۲۳۔ تاریخ حسن	حسن کھویہامی	مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد
۲۴۔ غرفۂ دیداری	مولانا احمد بانہالی	مرتبہ مرغوب بانہالی
۲۵۔ شمس التواریخ	تاریخ حسن حصہ اول	مترجم ڈاکٹر شمس الدین احمد

26. Gazetter of Kashmir C.E Bates
27. History of Himalyan state IIV Dr Sukhdev Sing Charak.
28. Focus on Jammu & Kashmir Aseer Kishtwari.
29. Encyclopaedia of Himalyan Gojars Dr Javeed Rahi.
30. History and Culture of Kishtwar, D.C Sharma.
31.Cultual History of Doda. M.L.Ash.
32. Kashmir in Sunlight & Shade. C.E Tyndie Biscoe.
33. Jammu, Parvaiz Devan. (IAS)
34. Muslim Rule Kashmir. Dr. N. D.Wani.



مصنف کی دیگر تصانیف:

- ☆ ڈو صوبس منز کاشر زبان و ادبک تواریخ
- ☆ طاؤس بانہالی: حیات اور ادبی خدمات
- ☆ تحسین جعفری مونوگراف (اردو)
- ☆ رابندر ناتھ کا بال ساہتیہ بنگالی (کشمیری ترجمہ)
- ☆ فضا چھ نقلہٕ پران (شاعری)